

زندگے منبر و محراب

سادس

تالیف
محمد اسلم شیخو پوری

ناشر

مکتبہ خلیفہ

سائٹ کراچی ۱۹

ندائے منبر و محراب

جلد ساؤس

تالیف

محمد اسلم شیخوپوری

ناشر
مکتبہ جلیلیہ

سائٹ کراچی ۱۶

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

موضوع :	تقاریر
نام :	ندائے منبر و محراب
تالیف :	محمد اسلم شیخوپوری
کتابت :	عیسیٰ سر بازی
اہتمام طباعت :	نور مارف
پیسٹنگ :	حافظ عبدالحلیم سر بازی
پرینٹنگ :	قریشین پریس کراچی
بائینڈنگ :	محمد فاروق
صفحات :	۲۸۰
سائز :	۲۳ ۳۶
تعداد :	گیارہ سو
ناشر :	مکتبہ حلیمیہ سائٹ کراچی
فون :	۲۵۶۲۲۲۲
تسیم کنندہ :	مولانا محمد اقبال نعانی

اجمالی نظر

۱۷	_____	ولادت سے نبوت تک	۱
۴۹	_____	نبوت سے ہجرت تک	۲
۶۵	_____	ہجرت سے غزوات تک	۳
۸۳	_____	غزوة بدر	۴
۹۹	_____	غزوة اُحد	۵
۱۱۷	_____	غزوة خندق	۶
۱۳۷	_____	صلح حدیبیہ	۷
۱۵۸	_____	غزوة خیبر	۸
۱۷۹	_____	فتح مکہ	۹
۱۹۹	_____	غزوة تبوک	۱۰
۲۲۵	_____	حجۃ الوداع	۱۱
۲۴۹	_____	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت	۱۲
۲۷۹	_____	میلاد النبی یا سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳
۳۰۱	_____	بے مثال انسان	۱۴
۳۲۵	_____	سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم	۱۵
۳۵۳	_____	آقاؐ کے چھ بڑے احسانات	۱۶
۳۹۵	_____	مقصد بعثت	۱۷
۴۱۷	_____	آقاؐ کے چالیس ارشادات	۱۸

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۹	ازدواجی زندگی	۱۱	قاریں سے چند باتیں
۴۰	حکیمانہ زندگی		
۴۳	اضطراب اور بے چینی	۱۷	<u>آفت کی ولادت</u>
		۱۸	زمانہ جاہلیت
۴۹	<u>نبوت سے ہجرت تک</u>	۲۰	ایک بڑا واقعہ
۵۲	علی الاعلان دعوت	۲۲	خزاں کے بعد بہار
۵۱	حکیمانہ انداز	۲۳	انتظار ہی انتظار
۵۳	ابوطالب کے ساتھ مکالمہ	۲۵	ولادتِ باسعادت
۵۵	مظالم کی انتہا	۲۷	نور ہی نور
۵۶	نبیؐ کا حوصلہ	۲۸	رضاعت
۵۸	صحابہؓ کا حال	۳۰	یتیم مکہ
۵۹	غلام الحزن	۳۱	نبیؐ کی تربیت اور حفاظت
۶۰	قبولیت	۳۲	نبیؐ کا قابلِ رشک بچپن
۶۵	<u>ہجرت سے غزوات تک</u>	۳۳	صدقہ و امین
۶۶	عظیم قربانی	۳۴	یوں حفاظت کی جاتی ہے
۶۷	نفع سودا	۳۵	ایک اور وجہ
		۳۶	جو انی یہ تھی
		۳۷	طبیعت ہی شریعت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۰۲	آغازِ جنگ	۶۹	آقاسب سے آخر میں
۱۰۳	دعا یہ تھی	۷۰	قیامت کی رات
۱۰۵	شہادت کے متوالے	۷۱	دیانت یہ ہے
۱۰۶	پانسہ پلٹ گیا	۷۲	تاریخی سفر
۱۰۷	بے مثال جانثاری	۷۳	مدینہ میں استقبال
۱۰۹	خونناک افواہ	۷۵	یتیموں کی قسمت
۱۱۱	کیسے لوگ تھے وہ	۷۶	رشتہ مواعظات
	<u>غزوہ خندق</u>	۷۷	یہود اور منافقین
۱۱۷		۷۸	قتال کی اجازت
۱۱۹	چند جھلکیاں		<u>غزوہ بدر</u>
۱۱۹	غزوہ خندق		
۱۲۱	دفاعی تیاریاں	۸۳	غزوہ بدر سے فتح مکہ تک
۱۲۲	ایمانی طاقت	۸۴	تاریخ ساز جنگ
۱۲۳	پیروں کا پیر	۸۶	اصل فتنہ
۱۲۴	عظیم سپہ سالار	۸۹	عجیب منظر
۱۲۶	سچے کی پیشگوئی	۹۰	آغاز و انجام
۱۲۸	کفر و شرک کی آندھی	۹۲	دونوں دعائیں قبول
۱۲۹	حکمت - مومن کی متاعِ عزیز	۹۳	انتقام انتقام کی صدائیں
۱۳۰	قرآن کا بیان		<u>غزوہ احد</u>
۱۳۱	انصار کی ثابت قدمی	۹۹	عالی دماغ سپہ سالار
		۱۰۱	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۶۳	یقینِ کامل	۱۳۲	غیر متوقع مدد
۱۶۵	جوشِ درِ لولہ		<u>صلحِ حدیبیہ</u>
۱۶۶	محمد و الخمیس	۱۳۷	
۱۶۸	کافروں کے قلعے	۱۳۹	مبارک خواب
۱۶۹	ضربِ حیدری	۱۴۱	دو باتیں
۱۷۱	دو خوش نصیب	۱۴۲	نابینا کا افتخار
	<u>فتح مکہ</u>	۱۴۳	حدیبیہ پر پڑاؤ
۱۷۹			بے مثال ادب
۱۸۰	جذبات کا نتیجہ	۱۴۴	آقا کے بغیر طوائف ناممکن
۱۸۱	مکہ کی تیاری	۱۴۵	بیعتِ رضوان
۱۸۲	باختِ رکون اور بے خبر کون	۱۴۶	صبر و تحمل
۱۸۳	یادگارِ دین	۱۴۷	جوش نہیں ہوش
۱۸۴	پریش کوہِ شکر	۱۴۸	جذبات کا کرپا امتحان
۱۸۵	عاجزانہ، نہ کہ فاتحانہ	۱۵۰	صبر و ایفا
۱۸۶	نقطے اور ہاتھ کی تبدیلی		اتباع
۱۹۰	حرم کی صفائی	۱۵۸	<u>غزوہٴ خیبر</u>
۱۹۱	سب سے بڑا انسان	۱۶۰	اللہ والا
۱۹۲	حسنِ سلوک	۱۶۱	باختِ نبی
۱۹۳	قیصلے کے منتظر	۱۶۲	افتدائی جہاد

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۳۴	حق ادا کر دیا	۱۹۶	عدل و مساوات
۲۳۶	حق تبلیغ		<u>غزوة تبوک</u>
۲۳۰	تکمیل دین کی نعمت	۱۹۹	
۲۴۱	اليوم	۲۰۲	سپر پاور سے مقابلہ
۲۳۳	انظار	۲۰۴	مقابلہ ایشار
	<u>آقا کا سفرِ آخت</u>	۲۰۵	وہ کیسے لوگ تھے
۲۴۶		۲۰۷	حسرت کے آنسو
۲۵۱	توبہ و استغفار کی کثرت	۲۰۸	قبولیت تو یہ ہے
	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی	۲۰۹	اے کاش
۲۵۳	خوش قسمتی	۲۱۱	شکرِ اسلام
۲۵۴	آخری شکر	۲۱۲	امتحان اور کامیابی
۲۵۶	نماز کا اہتمام	۲۱۴	سچ بولنے والے
۲۵۷	امامت و خلافت	۲۱۵	یہ وقت بھی دیکھنا تھا
۲۵۸	حدیثِ قرطاس	۲۱۷	آزمائش اور آسائش
۲۶۲	خطیبِ اعظم		<u>حجۃ الوداع</u>
۲۶۴	النصار کا حق	۲۲۵	
۲۶۵	منبرِ خالی ہو گیا	۲۲۷	بے شمار لوگ
۲۶۷	آخری نگاہ	۲۲۸	تاریخی خطبہ
۲۶۸	آخری لمحات	۲۲۹	روشنی یا تاریکی
۲۶۹	آخری وسیت	۲۳۲	کتابُ اللہ

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۰۶	معصوم بچپن	۲۴۰	قیامت کی گھڑی
۳۰۷	پاکیزہ جوانی	۲۴۲	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ
۳۰۸	باؤں شوہر	۲۴۲	کی مثالی استقامت
۳۱۲	صاحبِ درد مبلغ	۲۴۴	جزیرۃ العرب کا حکمران
۳۱۴	عابد و زاہد		
۳۱۶	سادگی پسند فرمانروا	۲۴۹	<u>میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم</u>
	عظمت اللہ علیہ وسلم	۲۸۰	تین ربیع
۳۲۵	سپہ سالارِ اعظم	۲۸۲	صحیح بات
۳۲۶	بربریت	۲۸۳	بدعت تو بدعت ہے
۳۲۷	جہاد و قتال	۲۸۵	آج یہ حال ہے
۳۲۸	سپہ سالارِ اعظم	۲۸۷	ہر لحظہ میلاد
۳۲۹	قواعد و ضوابط	۲۸۸	آج کل کے عاشق
۳۳۰	جنگ کے مفاد	۲۹۰	کام کے عاشق
۳۳۱	قرآن کا بیان	۲۹۲	پہچان ختم ہونے کی وجہ
۳۳۲	آدابِ جہاد	۲۹۳	تین ولادتیں
۳۳۴	خانقاہ اور درس گاہ		
۳۳۸	عربی مہارت	۳۰۱	<u>بے مثال انسان</u>
۳۳۹	بہترین سپاہی	۳۰۳	اعترافِ عجز
۳۴۱	اچھا سپہ سالار	۳۰۵	جو تے کا تسمہ
۳۴۳	مفتوحین کے ساتھ برتاؤ	۳۰۶	ہر پہلو سے بے مثال

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۱۵	چھٹا احسان	۳۲۸	تعصب کی انتہا
۳۱۷	نتیجہ یہ نکلا	۳۵۳	<u>آقا کے چھ بڑے احسانات</u>
۳۹۵	<u>مقصدِ لغت</u>	۳۵۹	سب سے بڑا احسان
۳۹۶	تلاوتِ کتاب	//	حیرت کی بات
۳۹۸	تلاوت کرنے والے	۳۶۰	آپ کی تعلیم
۳۹۹	ایک فرقہ	۳۶۳	انسان کیا سے کیا بن گیا
۴۰۰	غرض اپنی اپنی	۳۶۴	دوسرا احسان
۴۰۶	میکر آقا کی تلاوت	۳۶۶	تاریخی اعلان
۴۰۸	تعلیمِ کتاب	۳۶۷	بھائی بھائی
۴۱۰	کتاب اللہ اور رجال اللہ	۳۶۸	تیسرا احسان
۴۱۱	تعلیمِ حکمت	۳۶۹	اللہ کا کتبہ
۴۱۳	حکمت کا دوسرا معنی	۳۷۱	حدیثِ مسلسل
۴۱۴	تزکیہ	۳۷۲	تب یہ حال ہوگا
	<u>آقا کے چالیس ارشادات</u>	۳۷۳	چوتھا احسان
		۳۷۷	دلداری کی انتہا
۴۲۳	اللہ پر ایمان	۳۷۹	مایوسی نہیں امید
۴۲۴	یومِ آخرت پر ایمان	۳۸۰	انبیاء کا شیوہ
۴۲۶	فرشتوں پر ایمان	۳۸۱	پانچواں احسان
۴۲۷	کتابوں پر ایمان	۳۸۳	ناقابلِ فراموش احسان

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۵۲	خوابشاتِ نفسانی کی پردی	۲۲۸	نبیوں پر ایمان
۲۵۴	نسیبت	۲۳۰	مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان
۲۵۵	تہمت	۲۳۱	تقدیر پر ایمان
۲۵۶	خیانت	۲۳۲	شہادت
۲۵۷	کھیل کود	۲۳۵	اقامتِ سلوٰۃ
۲۵۸	نفلت	۲۳۷	زکوٰۃ
۲۶۰	تنتیر	۲۳۸	رمضان کے روزے
۲۶۱	سمنہ	۲۴۰	حج
۲۶۳	چنل ڈری	۲۴۱	بارہ رکعات
۲۶۴	شکر	۲۴۲	نماز وتر
۲۶۶	سبر	۲۴۴	شرک
۲۶۹	بے خونی	۲۴۵	والدین کی نافرمانی
۲۷۰	ذریعہ و سلسلہ رحمی	۲۴۶	مال یتیم
۲۷۱	لعنت	۲۴۸	شراب نوشی
۲۷۳	ذکر	۲۴۹	زنا
۲۷۵	جمعہ اور عیدین	۱۱	جھوٹی قسم
۲۷۶	علا اور محرومی	۲۵۱	جھوٹی شہادت
۲۷۷	تلاوتِ قرآن		

قارئین سے چند باتیں

ہمارے خطباء اور واعظین جن موضوعات پر سب سے زیادہ مشق سخن کرتے ہیں، ان میں سے ایک موضوع ”سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ بھی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب سے زیادہ نا انصافی بھی اسی موضوع کے ساتھ ہوتی ہے۔

سیرت کے موضوع پر تقاریر کا غازہ کچی کچی روایات اور شنیدہ و تراشیدہ حکایات سے تیار ہوتا ہے۔ مقرر کی اصل خواہش یہ ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بیان کروں اور آپ کی تعریف و توصیف کروں اور مقرر کے انداز سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس خواہش کی تکمیل کے لیے آیات میں معنوی تحریف اور موضوع روایات کے بیان کرنے کو بھی جائز سمجھتا ہے۔

ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ بہت سارے مقررین آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کو بیان کرنے کے لیے نہ آپ کے بچپن کی معصومیت کا ذکر کرتے ہیں، نہ جوانی کی پاکیزگی پر روشنی ڈالتے ہیں، نہ مکہ اور طائف کی مظلومیت اور بدر و احد کے مجاہدانہ ولولوں کو بیان کرتے ہیں، نہ ازدواجی زندگی کے عدل، معاشرتی زندگی کے حسن اور سیاسی زندگی کے کمال کو بیان کرتے ہیں بلکہ وہ آپ کے مقام کو بیان کرنے کے لیے برسر زمین حقائق کے بجائے مافوق عقل حکایات کا سہارا لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ ایسے مقررین کے خطابات سن کر سامعین کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ ہمارے

حضور انسانوں سے ماورا کوئی دوسری ہی شخصیت تھی، نہ عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے نہ اطاعت کا خیال ابھرتا ہے۔

یہ چیز بچپن ہی سے میں محسوس کر رہا تھا اور جب سے الٹی سیدھی لکیریں کھینچنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو دل چاہتا تھا کہ میں اس اسلوب اور مزاج کو بدلنے کی کوشش کروں، ادھر کچھ عرصہ سے یہ آرزو بھی دل میں مچلتی تھی کہ میں اپنے اور کائنات کے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع پر کچھ لکھوں لیکن اپنی تہی دامنی دیکھ کر ہمت نہیں پڑتی تھی۔

اب جب کہ ”ندائے منبر و محراب“ کی پانچ جلدیں شائع ہو چکیں اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے انہیں قبولیت بھی عطا فرمادی تو خیال ہوا کہ بجائے سیرت کے موضوع پر الگ سے کوئی کتاب لکھنے کے تحریر شدہ کتا بوں ہی سے مواد لیکر انہیں تقریر کا رنگ ڈھنگ دے دیا جائے تو روایتی مقررین کے اسلوب کو بدلنے میں مدد ملے گی اور سیرت کے موضوع پر کتاب کی حسرت بھی پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ ”ندائے منبر و محراب“ کی اس چھٹی جلد میں قارئین کو ساری تقاریر سیرت کے موضوع پر ہی دیکھنے کو ملیں گی جن میں، میں نے اپنی حد تک کوشش کی ہے کہ مستند مآخذ اور ٹھوس مواد کی بنیاد پر ولادت سے وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کر دوں میں نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، لیکن میرے لیے یہ سعادت بھی کیا کم ہے کہ میں نے بھی سیرت نگاروں کی جوتیوں میں بیٹھنے کا سامان اپنے لیے کر لیا ہے۔

مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ سیرت کے موضوع پر کوئی مستقل اور مفصل تصنیف نہیں ہے بلکہ آفت کی زندگی کے اہم اور نمایاں پہلوؤں پر ایک خطیبانہ

کاوش ہے جس میں حالاتِ طیبہ کے تفصیلی تذکرہ کے بجائے سیرت کے صرف ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے جن کے سننے سنانے سے مسلمانوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت میں اضافہ ہو اور اطاعت و اتباع کا جذبہ بیدار ہو۔

توفیق باری شامل حال رہی تو انشاء اللہ سیرت ہی کے موضوع پر چند مزید تقاریر بھی قارئین کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

”ندائے منبر و محراب“ جلد اول کے پہلے ایڈیشن میں ہدایہ اخیرین کی شرح ”تسہیل الہدایہ“ کا اشتہار دے بیٹھا تھا اور اس پر کچھ کام بھی ہو گیا تھا لیکن کچھ ایسے عوارض پیش آتے رہے جن کی وجہ سے کام کی رفتار کچھ سست ہی رہی بعد میں ”اشرف الہدایہ“ کے نام سے ہدایہ کی ایک شرح دیکھنے کا اتفاق ہوا جو انڈیا سے طبع ہو گئی تھی، میرے پیش نظر کام اگرچہ اس شرح سے قدرے مختلف تھا لیکن اس کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ اس شرح کے بعد اب کسی دوسری شرح کی چنداں ضرورت نہیں

چونکہ ندائے منبر جلد اول کے حقوق طبع ایک دوسرے صاحب کے پاس تھے اس لیے وہ سلسل ”تسہیل الہدایہ“ کا اشتہار دیتے رہے جس کی بناء پر قارئین و شائقین تقریر و تحریر اس سلسلے سے سوال کرتے رہے کہ ”تسہیل الہدایہ“ کب تک منظر عام پر آ رہی ہے۔ آج میں اپنے فخلص کر مفراد کو اطلاع دے رہا ہوں کہ فی الحال ”تسہیل الہدایہ“ کو ایک نئے تعبیر خواب سمجھ لیں۔ اس کے بجائے میرے ایک درہم کام کی تکمیل کے لیے دعا فرمائیں جو کہ ”تسہیل الہدایہ“ سے کہیں بڑا کام ہے۔

قرآنیات کا ادنیٰ سا طالب علم رہا ہوں، کچھ عرصہ سے یہ آرزو ایک مستقل دعا کی صورت اختیار کر چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے زندگی کی آخری سانس تک قرآن کریم کی خدمت میں لگا دے۔

ایک نانس اور کمزور انسان کی اس دعا کی قبولیت کے آثار یوں ظاہر ہوئے ہیں کہ بعربیہ "الاشرف" بس کامیں مدیر مسئول ہوں، ہر چھ ماہ بعد اس کا ایک ترانہ شائع ہوتا ہے جو کسی ایک موضوع کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ یوں اب تک پانچ نمبر شائع ہو چکے ہیں جو کم و بیش سولہ سو صفحات پر مشتمل تھے اور امید ہے کہ یہ سلسلہ کافی طویل چلے گا۔

اس دعا کی قبولیت کی دوسری صورت یہ بنی ہے کہ رب کریم نے مجھے قرآن کریم کی ایک عام فہم تفسیر کا آغاز کرنے کی توفیق بخش دی ہے۔ اور الحمد للہ اب شعبہ روز کا اکثر وقت اسی کی تحریر و تسوید میں گزر رہا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس تفسیر کا انداز، مروجہ اردو تفاسیر سے بالکل منفرد ہوگا۔ دل تو یہی چاہتا، اور کوشش بھی ہے کہ اس تفسیر کی پہلی جلد تین ماہ تک منظر عام پر آجائے۔ لیکن ہماری ساری آرزوئیں اور کوششیں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کی پابند ہیں۔ محترم قارئین سے دست بستہ درخواست ہے کہ اپنے ایک کمزور بھائی کے لیے یہ دعا ضرور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی نہ کسی انداز میں زندگی بھر خدمت و اشاعت قرآن سے وابستہ رکھے۔

محتاج دعا
محمد اسامہ شیخوپوری

ولادت سے نبوت تک

سلام اے سرِ وحدت اے سراجِ بزمِ ایمانی
 زہے یہ عزت افزائی زہے تشریفِ ارزانی
 ترے آنے سے رونق آگئی گلزارِ ہستی میں
 شریکِ حالِ قسمت ہو گیا پھر فضلِ ربّانی
 تری صورت، تری سیرت ترا نقشا، ترا جلوہ
 تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی
 حفیظ جالندھریؒ

”و میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس بارانِ رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دستِ شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا، ان بیواؤں کو تھا جن کے دامن پر بیوگی کے سوا کوئی داغ نہ تھا۔ مگر جاہلوں کی نظر میں یہ داغ ایسا داغ تھا کہ اس کی وجہ وہ انہیں انسانی حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔“

اس بہارِ جاوداں کا انتظار ان بچیوں کو تھا جنہیں زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔

اس صبحِ تاباں کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دستگیری کرنے والا کوئی نہ تھا،

اس کا انتظار بحر و بر کو تھا جو فساد سے بھر چکے تھے،
اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں

اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو اب صبح و شام نامہ ہاتے اعمال میں گناہوں کا اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے
اس کا انتظار شمس و قمر کو تھا جن کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مؤمن شامل نہ تھا۔

جی ہاں! ہر طرف انتظار ہی انتظار تھا، انسانوں کو انتظار، جنتوں کو انتظار، فرشتوں کو انتظار، مظلوموں اور یتیموں کو انتظار، بیواؤں اور یتیم رسیدہ بچیوں کو انتظار! “

آقتیٰ علیہ السلام کی ولادت

(ولادت سے نبوت تک کے حالات)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیثَاقَ النَّبِیِّیْنَ
لَهَا اَتَّيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَ
حِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ
مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ
بِهِ وَ لَتَنْصُرُنَّهُ ؕ قَالَ
ءَا قَرَرْتُمْ وَاخَذْتُمْ عَلٰی
ذٰلِكُمْ اٰصْرِيْ ؕ قَالُوْا
اَقْرَدْنَا ؕ قَالَ فَاَشْهَدُوْا
اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝
فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو
کچھ میں نے تمہیں دیا کتاب اور علم پھر آوے
تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتا دے
تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول
پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے
فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر
میرا عہد قبول کیا، بولے ہم نے اقرار کیا
فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے
ساتھ گواہ ہوں۔ پھر جو کوئی پھر جاوے
اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔

(آل عمران ۳ آیت ۸۰-۸۱)

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ

اے کتاب والو آیا ہے تمہارے پاس

رَسُولُنَا يَبِينُ لَكُمْ عَلَى فِتْرَةٍ
مِّنَ الرَّسُولِ اَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا
مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ
جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

رسول ہمارا کھولتا ہے تم پر رسولوں کے
انقطاع کے بعد کبھی تم کہنے لگو کہ ہمارے
پاس نہ آیا کوئی خوشی یا ڈر سنانے
والا سو اچکا تمہارا پاس خوشی اور ڈر
سنانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

(المائدہ پک آیت ۱۹)

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمَ وَصَدَقَ رَسُولَهُ النَّبِيُّ الْكَرِيمُ وَ

نَحْنُ عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ وَالشَّاكِرِينَ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بزرگان محترم و برادران عزیز! ہر سال ربیع الاول کی آمد پر آپ

سیرت کے موضوع پر تقاریر تو سنتے ہی رہتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے
کہ میں آپ کو ایک ترتیب کے ساتھ ولادت سے وفات تک حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے حالات سناؤں، اس کے بعد اگر اللہ پاک
نے توفیق دی تو آپ کی سیرت کے کچھ دوسرے پہلو بھی بیان کروں گا۔

اس ساری قیل و قال کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اور کامل محبت پیدا ہو جائے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے سچے اور کامل غلام بن جائیں، اللہ کرے کہ یہ مقصد کہنے والے کو بھی حاصل
ہو جائے اور سننے والوں کو بھی حاصل ہو جائے

زمانہ جاہلیت | محترم سامعین! آئیے کئی بار کتابوں میں

بھی زمانہ جاہلیت کا لفظ پڑھا ہوگا، خطیبوں سے بھی یہ لفظ سنا ہوگا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و نبوت سے پہلے کے دور کو زمانہ جاہلیت
کہا جاتا ہے اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ چھٹی صدی عیسوی جو

کہ آپ کی ولادت کی صدی ہے وہ جاہلیت کے عروج اور غلبے کی صدی تھی۔

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب ناکام ہو گئے تھے۔ ان مذاہب میں اتنی ترقی اور ترمیم ہو چکی تھی کہ ان کی اصل شکل کا پہچاننا ناممکن ہو گیا تھا۔ اگر ان مذاہب کے بانی انبیاء دنیا میں تشریف لے آتے تو وہ خود بھی ان مذاہب کو ہرگز نہ پہچانتے اور وہ کبھی بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ ہوتے کہ یہ وہی مذاہب ہیں جو وہ لیکر آئے تھے۔ (۱)

یہودی مذہب چند بے جا رسموں کا نام تھا و لیے بھی یہودیت ایک خاص نسل کا مذہب ہے جو اس نسل کے علاوہ کسی کو بھی یہودی بننے کی دعوت نہیں دیتا۔

عیسائیت میں تثلیث کا عقیدہ ایسا داخل ہوا کہ عیسائیت بت پرستی کا شکار ہو گئی، سب ہی کچھ جو بت پرستی میں ہوتا تھا وہ عیسائیت کے نام سے ہوتا رہا۔

ایران کے مجوسی (پارسی) عناصر اربعہ کی عبادت کرتے تھے جن میں سب سے بڑا عنصر آگ تھا اور انھوں نے آگ کی پرستش کے لئے مخصوص عبادت گاہیں اور آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے۔

بودھ مذہب جو ہندوستان اور وسط ایشیا میں پھیلا ہوا تھا وہ بھی ایک پرست مذہب میں تبدیل ہو چکا تھا۔

جہاں تک ہندو مذہب کا تعلق ہے اس میں چھٹی صدی عیسوی میں بت پرستی پورے عروج پر تھی، بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس صدی میں ہندو مذہب کے معبودوں کی تعداد تینتیس (۳۳) کر ڈی تھی (۲)

اور عربوں کا حال یہ تھا کہ وہ کعبہ جسے ان کے جدِ امجد حضرت
ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ کی عبادت
کے لئے تعمیر کیا تھا خود اس کعبہ کے اندر اور اس کے صحن میں تین سوڑھا
بت تھے۔ (۳)

ان کے اخلاق تباہ ہو چکے تھے ،
وہ شراب اور جوا کے رسیا تھے ،
بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے ،
قافلوں کو لوٹ لیتے تھے ،

بے گت ہوں کو تہ تیغ کر دیتے تھے ،

عورت کی کوئی عزت نہ تھی ، وہ مویشیوں اور دوسرے سامان
کی طرح وراشت میں منتقل ہوتی تھی ، کچھ کھانے مردوں کے ساتھ مخصوص
تھے ، عورتیں ان کو استعمال نہیں کر سکتی تھیں ، ایک مرد جتنی عورتوں
سے چاہتا شادی کر سکتا تھا۔

جنگ عربوں کی گھٹی میں پڑی تھی بعض جنگوں کا سلسلہ ۴۰ - ۴۰

سال چلا اور ہزاروں آدمی اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

ایک بڑا واقعہ | مختصر یہ کہ وہ زمانہ واقعی جاہلیت اور ظلمت

کا زمانہ تھا اور ظلمت بھی کسی ایک علاقے تک محدود نہ تھی بلکہ پوری

دنیا تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی اور ایک ایسے صلح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی

جو عالمگیر تاریکی میں عالمگیر چراغ روشن کرے لیکن بظاہر مایوسی ہی

مایوسی تھی اور خواہ مخواہ امیدیں باندھنے کی کوئی صورت دکھائی

نہ دیتی تھی۔ اسی زمانے میں ایک بہت بڑا واقعہ پیش آیا جس نے

عربوں کے دل میں امید کی شمع روشن کر دی اور ان کے دل خاص طور پر قریش کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ہو ایوں کہ ابرہہ جو کہ صنعا میں نجاشی کا گورنر تھا اس نے صنعا میں ایک بڑا گرجا تعمیر کیا اور اس کا نام "القلیس" رکھا۔ ابرہہ کا مقصد یہ تھا کہ عربوں کو کعبہ سے ہٹا کر اس گرجے کی طرف متوجہ کیا جائے۔

وہ جب دیکھتا تھا کہ کعبہ سے لوگ کتنی محبت کرتے ہیں اور اس کی زیارت کے لئے دور دراز سے سفر کر کے آتے ہیں تو وہ دل ہی دل میں جلتا تھا، اس نے خوبصورت گرجا بنوا کر یہ چاہا کہ یہ لوگ کعبہ کو چھوڑ کر اس سے محبت کریں لیکن عربوں کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا۔

وہ بے شک کافر تھے، مشرک تھے، بت پرست تھے، شرابی اور زانی تھے لیکن کعبہ کی محبت ان کی گھٹلی میں پڑی تھی اور کعبہ کو چھوڑ کر وہ بڑی سے بڑی دولت لینے پر تیار نہ تھے، لوگوں میں ہر جگہ ابرہہ کی اس تدبیر کا چرچا تھا۔ اسی درمیان میں کتانی نے جا کر اس گرجا میں قبضہ کرنے کا ارادہ کیا، ابرہہ کو اس پر براغصہ آیا اور اس نے اسی وقت قسم کھائی کہ میں جب تک کعبہ کو نہیں گراؤں گا، اطمینان سے نہیں بیٹھوں گا۔ چنانچہ ہاتھیوں کی ایک بڑی تعداد لیکر روانہ ہوا وہ خود بھی محمود نامی ہاتھی پر سوار تھا۔

قریش کو یقین ہو گیا کہ ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن انھیں اس بات کا بھی یقین تھا کہ کعبہ کا جو رب ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت ضرور کرے گا۔ چنانچہ ابرہہ کے لشکر پر چڑیوں کے جھنڈ

بھیج دیئے۔ ہر چڑیا اپنے پنچوں میں پتھر لیے ہوئے تھی، یہ پتھر جس کو لگتے اس کو ہلاک کر دیتے۔ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ

نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا ہے

الْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ
بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۗ أَلَمْ يَجْعَلْ
كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۗ وَ
أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۗ
تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۗ
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِلَ ۗ

کیا تو نے نہ دیکھا کیسا کیا تیرے رب
نے ہاتھی والوں کے ساتھ، کیا نہیں
کر دیا ان کا داؤ غلط اور بھیجے ان پر
اڑتے جانور ٹکڑیاں ٹکڑیاں، پھینکتے
تھے ان پر پتھریاں کنکرگی۔ پھر کر ڈالا ان
کو جیسے بھس کھایا ہوا۔

(سورۃ الفیل ۳)

اس واقعہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور لوگوں کو خیال ہوا کہ مستقبل قریب میں کوئی بڑا واقعہ پیش آنے والا ہے۔ یہ واقعہ اس بات کی کھلی ہوئی نشانی تھی کہ کوئی اللہ کا ایسا بندہ آنے والا ہے جو کعبہ کو نجاست سے پاک کر دے گا اور کعبہ کی شان بلند ہوگی اور عزت و عظمت میں کوئی دوسرا کعبہ کا مقابلہ نہیں کر سکے گا (۴)

خزاں کے بعد بہار | جیسے خزاں کے بعد بہار کا دور شروع ہونے لگتا ہے تو ٹنڈ ٹنڈ درختوں پر اس کے کچھ اثرات پہلے ہی نمودار ہو جاتے ہیں۔

یا جیسے رات کے بعد صبح طلوع ہونے لگتی ہے تو افق پر شفق کی سُرخ پھیل جاتی ہے۔

یا جیسے بارش ہونے سے پہلے ٹھنڈی ہوا میں چلنے لگتی ہیں۔

ایسے ہی دو جہاں کے آقا صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے

ہوا۔ کچھ ایسے واقعات پیش آرہے تھے جو دنیا والوں کو بتا رہے تھے کہ ظلم کی خیزاں کا دور ختم ہونے والا ہے۔

کچھ ایسی نشانیاں ظاہر ہو رہی تھیں جنہیں دیکھ کر عقل والے جان گئے تھے کہ جہل کی طویل شب رخصت ہونے والی ہے۔

چند ایسی علامات نظر آرہی تھیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ رحمت کی بارش ہونے والی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اب تو وہ بہارِ جاوداں آنے والی تھی جس کے لئے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعائیں کی تھیں۔

وہ صبح ہونے والی تھی جس کے طلوع کی بشارت حضرت موسیٰ، حضرت یسع، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے دی تھی۔ رحمت کی وہ بارش ہونے والی تھی جس کا انتظار یہود کو بھی تھا اور

نصاری کو بھی

انتظار ہی انتظار | میں تو آگے بڑھ کر کہوں گا کہ اس بارانِ رحمت کا انتظار ان یتیموں کو تھا جن کے سر پر دستِ شفقت رکھنے والا کوئی نہ تھا۔

ان بیواؤں کو تھا جن کے دامن پر بیوگی کے سوا کوئی داغ نہ تھا مگر جاہلوں کی نظریں یہ داغ ایسا تھا کہ اس کی وجہ سے وہ انہیں انسانی حقوق سے محروم کر دیتے تھے۔

اس بہارِ جاوداں کا انتظار ان بچیوں کو تھا جنہیں زندہ دفن کر دیا

کہ دیا جاتا تھا -

اس صبح تا یاں کا انتظار ان مظلوموں کو تھا جن کی دست گیری کرنے والا کوئی نہ تھا -

اس کا انتظار بحر و بر کو تھا جو فساد سے بھر چکے تھے

اس کا انتظار آسمان کو تھا جس کی آنکھیں توحیدی سجدوں کو ترس گئی تھیں -

اس کا انتظار ان فرشتوں کو تھا جو اب صبح و شام نامہ ہائے اعمال میں گناہوں کا اندراج کرتے کرتے تھک گئے تھے -

اس کا انتظار شمس و قمر کو تھا جن کی روشنی سے استفادہ کرنے والوں میں کوئی مومن شامل نہ تھا -

جی ہاں ہر طرف انتظار ہی انتظار تھا -

انسانوں کو انتظار ،

جنوں کو انتظار ،

فرشتوں کو انتظار ،

مظلوموں اور یتیموں کو انتظار ،

بیواؤں اور یتیم رسیدہ بچپوں کو انتظار ،

اور یہ انتظار تھا ایک مصلح کا ،

ایک نجات دہندہ کا ،

ایک مشفق مرئی کا ،

اور نہ معلوم کتنے ہی لوگ یہ انتظار کرتے کرتے دنیا سے رخصت

ہو گئے۔

ولادتِ باسعادت | بالآخر ۵۷ عیسوی ۲۳ اپریل کو انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور ۱۲ ربیع الاول کو پیر کے دن حضرت آمنہ کے گھر وہ شخصیت آگئی جس کا سب کو انتظار تھا۔

وہ بشر آگیا جو جو عظمتِ بشر تھا،

وہ انسان آگیا جس پر انسانیت کی معراج ختم ہو جاتی تھی،

وہ نبی آگیا جو اولین اور آخرین کا سردار تھا،

وہ آقا آگیا جس کی غلامی پر ہزاروں آقا قربان کئے جاسکتے تھے

وہ سیحہ آگیا جو بے شمار دکھوں اور ظاہری اور باطنی بیماریوں سے

نجات دینے والا تھا۔

ہاں دعائے خلیل آگیا، نویدِ مسیح آگیا، بشارتِ انبیاء آگیا۔

خود ہی نور | آپ کی ولادت کا دن تاریخِ انسان کا مبارک اور

روشن ترین دن تھا،

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں ابھی شکم

مادر ہی میں تھا کہ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک

نور نکلا جس سے شام تک کے محلات روشن ہو گئے۔ (۵)

نور کا یہ ظہور اس جانب اشارہ تھا کہ آپ کے واسطے سے مخلوق خدا

کو نورِ ہدایت نصیب ہو گا اور کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوں گی۔

مولانا جامی فرماتے ہیں

وصلی اللہ علی نور کز و شر نور با پیدا

زمین از حب او ساکن، فلک در عشق او شیدا

اس نور پر اللہ کی رحمت ہو جس سے کئی نور ظاہر ہونے والے تھے
 ہدایت کا نور اسی نور سے پیدا ہوا،
 ایمان کا نور اسی نور سے ظاہر ہوا،
 قرآن کا نور اسی کی وساطت سے نصیب ہوا،
 عدل کا نور اسی نور سے نکل کر پوری دنیا میں عام ہوا،
 حق اور سچ کا نور اسی نور سے پھیلا۔

جناب عبدالمطلب کو آپ کی ولادت کی اطلاع مہلی تو انہوں نے
 یہ اشعار پڑھے۔

الحمد لله الذي اعطاني هذا الغلام الطيب الاردان
 قد ساد في المهد على العلمان اعينه بالله ذي الاركان
 حتى اراه بالغ البنيان اعينه من شر ذي شان
 من حاسد مضطرب العنان (۶)

کسی نے ان اشعار کا سیدھے سادے اشعار میں ترجمہ کیا ہے
 حمد اس خدا کی جو کہ ہوا مجھ پہ بہر بان
 فرزند یہ دیا مجھے پاکیزہ جسم و جان
 سردار ہے جو بچوں کا جھولے کے درمیان
 اور ہووے اس کو خالقِ قدوس کی امان
 جب تک یہ بولے، باتیں کرے اور کھلے زبان
 پہنچا سکے ضرر نہ اسے شر دشمنان
 محفوظ رکھے اس کو خداوندِ دو جہاں ...،
 آزار دے سکے نہ اسے چشمِ حاسدان

رضاعت | عربوں میں رواج یہ تھا کہ وہ رضاعت اور ابتدائی پرورش کے لئے شہروں سے زیادہ دیہاتوں کو پسند کرتے تھے کیونکہ دیہاتوں کی آب و ہوا زیادہ پاک صاف تھی جس میں بچے کی نشوونما بھی صحیح ہوتی تھی اور وہ شہر کی خرابیوں سے بھی محفوظ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اہل عرب اپنی زبان کے بارے میں بڑے حساس تھے اور ان کا خیال تھا کہ شہر کے مقابلہ میں دیہاتوں کی زبان زیادہ صحیح اور فصیح ہوتی ہے، تو جو بچہ گاؤں میں پرورش پائے گا اس کی زبان شہری بچے کے مقابلے میں زیادہ فصیح ہوگی۔

بچوں کی پرورش اور فصاحت و بلاغت میں قبیلہ بنی سعد کی عورتیں بہت مشہور تھیں۔ اس زمانے میں ویسے بھی قبیلہ بنو سعد میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اس لئے بعض ایسی خواتین رضاعت کے لئے بچوں کی تلاش میں شہر مکہ آگئیں جو پہلے یہ کام نہیں کرتی تھیں ان عورتوں میں حلیمہ سعدیہ بھی شامل تھیں۔

محترمہ حلیمہ کہتی ہیں جب میں مکہ آئی تو تنگ دستی کی وجہ سے میری چھاتیوں میں دودھ نہیں تھا جس کی وجہ سے میرا اپنا بچہ بھی بھوک کی وجہ سے روتا رہتا تھا، ہماری اونٹنی بھی دہلی اور کمزور تھی، چلنے میں بھی بڑی سست تھی۔ دوسری عورتیں مجھ سے پہلے مکہ پہنچ گئیں اور انہوں نے مالدار گھرانوں کے بچے حاصل کر لئے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی نے قبول نہ کیا وہ یہی سوچتی رہیں کہ اس یتیم بچے کی ماں ہمیں کیا دے سکے گی۔

جس بچے کو وہ یتیم سمجھ کر چھوڑ رہی تھیں انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ

تو درّ یتیم ہے، وہ تو نوید مسیح ہے، وہ تو دعلے خلیل ہے۔
ہائے انسان تیری کم علمی اور جہالت! تو کتنی آسانی سے دھوکہ
کھا جاتا ہے۔

کبھی سنگریزوں کو موتی اور کبھی موتیوں کو سنگریزے سمجھ لیتا،
زہر کو تریاق اور تریاق کو زہر جان لیتا ہے۔
نفع کو نقصان اور نقصان کو نفع تصور کر لیتا ہے۔
دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست یقین کر لیتا ہے۔
تیرے غلط اندازوں نے تجھے کتنی ہی بار نقصان پہنچایا ہے۔
پھر بھی طرہ یہ کہ اپنے آپ کو عقل کل اور سمہہ ان بھی سمجھتا ہے۔
قریب تھا کہ حلیمہ بھی اس درّ یتیم کو محض یتیم سمجھ کر چھوڑ دیتی لیکن
سوچا کہ خالی ہاتھ واپس جا کر کیا منہ دکھاؤں گی اور پھر رب کریم
نے اس کے ہاتھوں میں کونین کی دولت دے دی۔
دانی حلیمہ تھی اور اسے بچہ بھی وہ ملا جو حلیمہ بھی تھا اور دنیا کو علم
اور بردباری کی تعلیم دینے کے لئے آیا تھا۔

قبیلہ بنو سعد تھا اور بچہ وہ آیا جو سعادت ہی سعادت تھا
محترمہ حلیمہ کہتی ہیں کہ میں بچے کو گھرائی تو گھر میں خوش گوار تبدیلیاں
محسوس ہونے لگیں۔

کہاں تو یہ حال تھا کہ میری چھاتی میں اتنا دودھ بھی نہ تھا کہ
میرا بیٹا عبد اللہ بن حارث سیر ہو کر پی سکتا اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ
میری چھاتی میں اتنا دودھ اتر آیا کہ محمد نے بھی سیر ہو کر پیا اور عبد اللہ نے
بھی۔ (۷)

یہی نہیں بلکہ اس رات ہماری اونٹنی نے بھی اتنا دودھ دیا کہ ہم
دونوں میاں بیوی نے خوشکم سیر ہو کر پیا۔
مگہ سے واپس چلے تو ہماری لاغری اونٹنی سارے قافلے سے
آگے نکل گئی۔

ہم سفر عورتوں کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ تو وہ اونٹنی تھی جو سب سے پیچھے
رہتی تھی آج آگے کیسے نکل گئی، انہیں کیا معلوم تھا کہ سواری اگر چہ وہی
ہے مگر سوار بدل گیا ہے اور جب سوار بدل جایا کرتے ہیں تو سواروں
کے انداز بھی بدل جایا کرتے ہیں۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ خشک سالی کی وجہ سے جنگل میں گھاس کا
نام و نشان نہ تھا، لیکن اس بچے کی برکت سے ہماری بکریاں جنگل سے
پیٹ بھر کر آئیں اور خوب دودھ دیتی تھیں۔

میرے بزرگوں اور دوستو! یقین کر لو کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولادت بھی برکت تھی،
آقا کا وجود بھی برکت تھا،
آقا کی تعلیمات بھی برکت ہیں،
آقا کی غلامی بھی برکت ہے،

آج ہمارے درمیان آپ بذاتِ خود تو موجود نہیں لیکن اگر ہم آقا
کے سچے غلام بن جائیں تو ہماری بنجر زمینیں سونا اگلیں گی،
ہمارے جانوروں کے خشک تھن دودھ سے بھر جائیں گے۔

ہمارا آسمان رحمت کی بارش برسائے گا اور ہمارے کھیت
ہریالی سے لہلہا اٹھیں گے۔

یتیمِ مکہ | محترم حاضرین! اللہ تعالیٰ کے بعض فیصلے

ایسے ہوتے ہیں جو بسا اوقات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اپنے آقا ہی کو دیکھئے کہ آپؐ ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا چھ سال کی عمر ہوئی تو والدہ بھی فوت ہو گئیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے آپ کو اپنے سایہٴ شفقت میں لے لیا لیکن آپؐ آٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو دادا بھی چل بسے، دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ رہنے لگے جو آپ کے والد کے حقیقی بھائی تھے۔

نکتہ وروں نے اس سے یہ نکتہ نکالا کہ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ اولاد میں کوئی کمال نظر آئے تو لوگ اسے والدین کی طرف منسوب کرتے ہیں یا مرتبی کی تربیت کا نتیجہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری سہاروں سے محروم فرما کر براہِ راست اپنا سہارا عطا کر دیا تاکہ آپ کے عملی اور اخلاقی کمالات کو دیکھ کر کوئی یہ نہ کہے کہ یہ والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے،

یہ دادا کی تربیت کا ثمرہ ہے
یہ فلاں استاد کی محنت کا نتیجہ ہے
اور یہ صرف آپ ہی کی تخصیص نہیں تھی بلکہ سارے انبیاء کا یہی حال تھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو کس نے تعلیم دی تھی؟
حضرت نوح علیہ السلام کی تربیت کس نے کی تھی؟
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کس کی نظرِ شفقت کا نتیجہ تھے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو زہد و ایثار کس نے سکھایا تھا؟
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نگرانی کس باپ نے کی تھی؟
 نبی کی تربیت اور حفاظت | ہر نبی منتخب ہوتا ہے اور اس
 کا انتخاب بندے نہیں خود خدا کرتا ہے اور جو نبی کا انتخاب کرتا
 ہے وہی نبی کی تربیت بھی کرتا ہے اور نبی کی حفاظت بھی کرتا ہے
 حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور تربیت بھی رب کریم
 نے کی آپ کا بچپن معصوم اور مبری عادتوں سے محفوظ تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے آپ کو جو کمالات
 اور امتیازات حاصل ہوئے وہ تو ساری دنیا کو معلوم ہیں لیکن محمد بن
 عبد اللہ ہونے کی حیثیت سے بھی آپ دوسروں سے ممتاز تھے۔
 آپ کے چچا ابوطالب کا بیان ہے کہ بسا اوقات رات کے وقت میری
 آنکھ کھلتی تو میں آپ کو بستر پر نہیں پاتا تھا، میں پریشان ہو کر آپ
 کو تلاش کرنے لگتا تو آپ آواز دیتے کہ چچا جان میں یہاں ہوں اور فوراً
 میرے پاس پہنچ جاتے اور میں بعض رات گزرنے پر آپ کی زبان سے
 کچھ ایسی باتیں سنتا تھا جو مجھے حیران کر دیتی تھیں۔

ابوطالب کے اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو بچپن ہی سے
 شب بیداری اور رات گزاری کی عادت تھی۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی محبت، انسانیت کا درد اور
 آخرت کی فکر یہ چیزیں انبیاء کی فطرت میں شامل ہوتی ہیں۔
 جن جن انبیاء کے بچپن یا جوانی کے حالات ہم تک صحیح صحیح پہنچے
 ہیں خواہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوں یا حضرت یوسف علیہ السلام

ہوں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہوں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں
 ان سب کے حالات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے
 سچے، امانت دار اور حیا دار تھے، ان سے بچپن میں بھی قصداً کوئی ایسی
 حرکت سرزد نہیں ہوئی جس پر مخالفین انگلیاں اٹھا سکیں۔
 دو سہ انبیاء کے بچپن کے تفصیلی
نبی کا قابل رشک بچپن | حالات ہم کو تو کیا معلوم ہوتے

خود ان کے نام نہاد پیروکاروں کو بھی معلوم نہیں۔
 یہودیوں سے پوچھئے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا بچپن کیسا

تھا،
 عیسائیوں سے پوچھئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے

مفصل حالات بیان کریں۔

میں دعوے سے کہتا ہوں وہ بیان نہیں کر سکیں گے۔ لیکن مسلمانوں
 کے لئے یہ بات باعث افتخار ہے کہ وہ پوری تفصیل سے جانتے ہیں
 کہ ان کے نبیؑ کے آباء و اجداد کون تھے؟

نبیؑ کے شہر کے لوگ کیسے تھے،

نبیؑ کی ولادت کیسے، کہاں اور کب ہوئی،

ولادت کے وقت کیا کیا واقعات رونما ہوئے،

نبیؑ کو دودھ کس نے پلایا،

رضاعت کا زمانہ کیسا گزرا،

بچپن میں آپؐ کے کیا مشاغل تھے، کیا عادتیں تھیں؟

چونکہ آپؐ کے بچپن کا اکثر وقت ابو طالب کی نگرانی میں گزرا ہے

اس لئے انھوں نے بڑی وضاحت سے اس پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہماری عادت تھی کہ ہم کھانے پینے کے وقت کسی کا نام نہیں لیتے تھے اور نہ ہی حمد کرتے تھے مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ الاحد کہا کرتے اور جب کھانے سے فارغ ہوتے تو الحمد للہ کہتے۔

میں نے آپ کو بچپن میں بھی غلط بیانی یا کسی کی عنایت کرتے ہوئے یا لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ (۹)

صدیق و امین | غور کیجئے! آپ والدین کی سرپرستی سے محروم ہو چکے تھے، ماحول تباہ کن تھا، شراب نوشی اور بدکاری عام تھی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا دور دورہ تھا مگر کون تھا جس نے آپ کو بچوں اور نوجوانوں والی عادتوں سے محفوظ رکھا، آپ نے صداقت و امانت میں وہ نام پیدا کیا کہ آپ کا لقب ہی صدیق اور امین مشہور ہو گیا،

بڑی بڑی معاشرتی برائیوں کو تو چھوڑیے آپ ایسی حرکتوں سے بھی بچتے تھے جنہیں اگرچہ معاشرہ میں بُرا نہیں سمجھا جاتا تھا لیکن وہ حرکتیں آپ کی شان کے مطابق نہ تھیں، آپ رشتوں کا خیال کرتے تھے، لوگوں کا بوجھ ہلکا کرتے تھے، مہمانوں کا اکرام فرماتے تھے، اچھے کاموں میں دوسروں کی مدد کرتے تھے، محنت کر کے روزی حاصل کرتے تھے اور تھوڑی سی غذا پر اکتفا فرمالتے تھے۔

یوں حفاظت کی جاتی ہے | اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی کیسے حفاظت فرماتے ہیں اس کے لئے صرف مثال کے طور پر ایک

واقعہ عرض کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال تھی مگر میں قریش میں کوئی شادی تھی۔

کسی دولت مند گھرانے میں شادی ہوگی کیونکہ جب دولت آتی ہے تو اپنے ساتھ خرافات بھی لاتی ہے، بہت کم لوگ ہیں جو دولت آنے کے بعد اپنے آپ کو بچا کر رکھتے ہیں۔

تو ان لوگوں نے یہ کیا کہ شادی میں ناچ گانے کا بھی کچھ انتظام کر لیا قریش کے نوجوانوں نے اس پروگرام کو دیکھنے کا ارادہ کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ساتھ لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کھیل تماشا شروع ہونے سے پہلے ہی مجھ پر نیند کا ایسا شدید غلبہ ہوا کہ میں وہیں سو گیا اور رات بھر سوتا رہا اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی کہ رات بھر کیا ہوتا رہا۔ (۱۰)

اگرچہ نبوت ملنے سے پہلے جائز نا جائز کا کوئی مسئلہ نہ تھا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ناچ گانے کو دنیا سے مٹانے کے لئے بھیجا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ تاکہ کل جب آپ رقص و سرود کی مخالفت کریں تو کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ تو خود گانے سنا کرتے تھے اب ہمیں کیوں منع کرتے ہو۔ کیونکہ لوگوں کی زبان کو تو کوئی بند نہیں کر سکتا، جو داعی ہوتا ہے اس کا معاملہ زیادہ نازک ہوتا ہے اس پر زیادہ انگلیاں اٹھتی ہیں اور اسے تنقید کا نشانہ بنانا آسان ہوتا ہے۔ ہمارے آقا تو سارے جہاں کے لئے داعی بن کر آئے تھے اور ہر قسم کی اعتقادی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیاں دور کرنے کے لئے آئے تھے

اللہ تعالیٰ کیسے برداشت کر لیتا کہ اس کے آخری نبی کی ذات پر کوئی انگلی اٹھائے، اس نے نبوت سے پہلے ہی حفاظت کا ایسا انتظام کیا کہ اس مجلس میں موجود ہوتے ہوئے بھی آپ اس کے نظارے اور سماع سے بچ گئے

ایک اور وجہ | اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے علاوہ انبیاء کے معصوم ہونے کی ایک اور وجہ بعض علماء نے یہ بیان کی ہے کہ ان کا مادہ اتنا پاک ہوتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھپت نہیں ہو سکتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انبیاء کے مادہ تخلیق میں غالب حصہ جنت کی مٹی کا ہوتا ہے۔ جب ان کی اصل جنت سے ہے تو وہ رجوع بھی کرتے ہیں جنت کی طرف اور جنت کے اعمال کی طرف۔

ان کے تصورات اور جذبات بھی پاک ،

ان کے اخلاق اور اعمال بھی پاک ،

ان کی جلوت اور خلوت بھی پاک ،

ان کی رفتار اور گفتار بھی پاک ۔

آپ نے سنا ہوگا جو شخص نیک ہوتا ہے اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بہت نیک طینت انسان ہے۔ یعنی اس کی مٹی بہت اچھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کا جوہر پاک ہو تو اس سے افعال بھی پاک ہی سرزد ہوتے ہیں، اگر جوہر میں کدورت ہو تو افعال میں بھی کدورت ہوگی۔ تو چونکہ انبیاء کے جوہر میں جنت کی مٹی شامل ہوتی ہے اور جنت کی مٹی تو پاک ہے لہذا نبی کی طبیعت، نبی کی سیرت اور نبی کی فطرت بھی پاک ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت جو اترتی ہے تو نبی کی طبیعت

پراترتی ہے، جننے افعال انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہ افعال ہی شریعت بن جاتے ہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ تم اسی طرح بات کرو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے تھے،

اسی طرح سو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے،

اسی طرح کھاؤ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے،

اسی طرح چلو جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تھے۔

یہ بات کرنا، سونا، کھانا اور چلنا طبیعت ہی کے ثوابحال ہیں

اور جب یہ سارے افعال نمونہ ہیں تو معلوم ہوا کہ شریعت نبی کی طبیعت پراترتی ہے۔ نبی جو کہدے وہ شریعت، نبی جو کر کے دکھلا دے وہ شریعت۔

نبی کی طبیعت شریعت تبہی بنے گی جب نبی کی طبیعت پاک

ہو اور نبی کی طبیعت پاک اس لئے ہے کہ اس کی اصل پاک ہے۔

جوانی یہ تھی | تو میرے بزرگو اور دوستو! محمد بن عبد اللہ، تربیت

کے ظاہری سہاروں سے اگرچہ محروم ہو گئے تھے لیکن ایک تو وہ پاک

طینت تھے، دوسرے ان کی حفاظت اور تربیت خود باری تعالیٰ نے

فرمائی اس لئے آپ بت پرستی اور غلاظت زدہ ماحول میں رہنے کے

بوجود برائیوں سے محفوظ رہے اور آپ کا بچپن پاک صاف رہا۔

بچپن کی طرح آپ کی جوانی بھی بے داغ اور مثالی تھی، جب آپ نے

جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو ذریعہ معاش کی طرف توجہ دینا ضروری

سمجھا، جس میں نوجوانوں کے لئے یہ پیغام بھی ہے کہ وہ نکمے اور دوسروں

پر بوجھ بن کر نہ رہیں بلکہ کسبِ حلال کے لئے کوئی نہ کوئی ہمیشہ ضرور اختیار کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرانے کا ہمیشہ اختیار فرمایا جو ایک طرف شریفانہ ذریعہ سمعش بھی تھا اور دوسری طرف انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت بھی تھا۔

نبوتِ ملنے کے بعد آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، پوچھا گیا اے اللہ کے رسول کیا آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں، اللہ کے نبی جو بکریاں چراتے تھے تو اس میں ایک طرف ان کی جسمانی ورزش ہوتی تھی اور دوسری طرف ان کے اندر حوصلہ اور برداشت کا وہ مادہ پیدا ہوتا تھا جس سے وہ بھیڑ بکریوں جیسے منتشر انسانوں کو سنبھالنے کا کام لیتے تھے۔

بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو شہرت اور عزت ملنے کے بعد اپنے ماضی کو بھول جاتے ہیں اور اپنی گناہی اور غربت کا تذکرہ کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر دور کو آنے والوں کے لئے نمونہ بننا تھا اس لئے آپ نے اپنے بچپن اور جوانی کو بھی چھپایا نہیں بلکہ کھول کھول کر امت کے سامنے رکھ دیا حالانکہ اس وقت آپ محمد بن عبد اللہ تھے، محمد رسول اللہ نہیں تھے، شریعت کے احکام ابھی نازل ہی نہیں ہوئے تھے۔

طبیعت ہی شریعت | مگر جیسا کہ عرض کر چکا ہوں نبی کی فطرت اور طبیعت ہی شریعت ہوتی ہے،

اس کے کھانے پینے کے انداز شریعت بن جاتے ہیں،

اس کے چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کے طریقے شریعت بن جلتے

ہیں۔

آپ اگر نبوت ملنے سے پہلے اور نبوت ملنے کے بعد کی زندگی کا موازنہ کریں تو آپ کو اس میں بہت زیادہ فرق نظر نہیں آئے گا، ایسا نہیں تھا کہ نبوت ملنے سے پہلے معاذ اللہ آپ جھوٹ بولتے تھے اور نبوت ملنے کے بعد جھوٹ بولنا چھوڑ دیا۔

جھوٹ تو رہا ایک طرف، آپ سن چکے کہ نبوت ملنے سے پہلے ہی ہمارے آقا ہجرت کے وقت اٹھ جایا کرتے تھے۔ ایسا کیوں تھا؟ ایسا اس لئے تھا کہ نبی پیدا ہوتا ہے تو اس کی طبیعت شریعت میں ڈھالی ہوتی ہے تو آپ نے اپنی جوانی کے بھی بعض اہم واقعات بتا دیئے تاکہ نوجوان آپ کی جوانی کو نمونہ بنا سکیں

میرے نوجوان ساتھیو! ہمارے نبی کی جوانی عفت و عصمت کا عنوان لیے ہوتی تھی، آئیے ہم بھی عفت و عصمت اختیار کریں۔
جوانی میں ہمارے آقا کی صداقت و امانت کی شہرت تھی آئیے ہم بھی صداقت و امانت کو اپنا شعار بنائیں۔

جوانی میں ہمارے آقا مظلوموں کی دستگیری فرماتے تھے، غریبوں کی مدد کرتے تھے، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھتے تھے۔ آئیے ہم بھی ایسے ہی کریں،

جوانی میں ہمارے آقا محنت کر کے روزی کماتے تھے اور چنہ سکوں کے بدلے بکریاں چرانے میں عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ آئیے ہم بھی رزقِ حلال کے لئے محنت کریں۔

یہ باتیں ہمارے آقاؐ نے اسی لیے تو بتائی ہیں تاکہ ہم انہیں نمونہ بنا سکیں۔
ازدواجی زندگی | بکریاں چرانے کے علاوہ آپؐ نے مکہ کی مشہور
 مالدار خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نمائندہ کی حیثیت سے شام
 کا تجارتی سفر بھی کیا، حضرت خدیجہؓ آپؐ کی سچائی اور اخلاق سے بڑی
 متاثر ہوئیں اور انھوں نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے
 واسطے سے آپؐ سے رشتہ کی خواہش کی، حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش
 کے بڑے بڑے سرداروں کے رشتے ٹھکرا چکی تھیں اور یہ آپؐ پر ان کے
 اعتماد کی دلیل تھی کہ وہ جو نمائندہ اور ملازم بن کر کام کر رہے تھے
 انہی کو رشتہ کی پیشکش کی جا رہی تھی۔ آپؐ نے یہ رشتہ قبول فرمایا اور
 یوں آپؐ کی ازدواجی زندگی کا آغاز ہوا۔ (۱۲)

وہ بد بخت جو کثرت ازدواج کی وجہ سے میرے آقاؐ پر معاذ اللہ
 شہوت پرست ہونے کا الزام دھرتے ہیں ان کے لیے اس میں بڑا سبق
 ہے کہ اس پہلی شادی کے وقت جبکہ آپؐ کی بھرپور جوانی کا دور تھا آپؐ نے
 چالیس سال کی بیوہ خاتون سے شادی کی اور اپنی ساری جوانی اسی بیوہ کے
 ساتھ گزار دی اور جب تک وہ زندہ رہیں آپؐ نے کسی دوسری خاتون
 سے شادی نہیں فرمائی۔ حضرت خدیجہؓ کا جب انتقال ہوا اس وقت
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پچاس سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر پینسٹھ
 سال تھی۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر شہوت پرستی کا الزام دھرنے والو!
 مجھے بتاؤ تو سہی کیا شہوت پرست ایسے ہوتے ہیں کہ اپنی ساری جوانی
 چالیس سے ساٹھ سال تک کی خاتون کے ساتھ گزار دیں؟ جبکہ

صورت یہ ہو کہ سینکڑوں گھرانے اپنی نوجوان بیٹیوں کا آپ کے ساتھ
رشتہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے تعددِ ازدواج میں بڑی حکمتیں ہیں مگر ان
حکمتوں کو عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور وہ جو خود سر سے پاؤں تک
شبوت رانی میں ڈوبے ہوتے ہیں، جن کے ہاں ماں بہن کا فرق بھی اٹھ چکا،
جن کا کوئی صدر، کوئی وزیر اور کوئی لیڈر بدکاری کی غلاطت سے پاک
نہیں، وہ ان حکمتوں کو نہ سمجھنا چاہتے ہیں اور نہ ہی سمجھ سکتے ہیں
گندگی کھانے والے کپڑے، پاک اور لذیذ غذا کی قدر کیسے محسوس
کر سکتے ہیں؟

مردار کھانے والے گدھ خوشبو سے کیسے لطف اندوز ہو سکتے ہیں؟
حرام پر پلنے والے انسان نما حیوان حلال کی لذت کیسے جان سکتے ہیں؟
آنکھوں پر ضد اور تعصب کی پٹی باندھ لینے والے حق کا نظارہ کیسے
کر سکتے ہیں؟

کانوں میں نفرت اور ازکار کی انگلیاں ٹھونس لینے والے سچی
آوازوں کو کیسے سن سکتے ہیں؟

حکیمانہ زندگی | ورنہ اگر ان کے ذہن ضد، تعصب اور عناد
سے پاک ہوتے تو وہ بلا جھجک تسلیم کر لیتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا
کوئی عمل بھی حکمت و دانائی سے خالی نہ تھا۔ اگر معاذ اللہ میرا آقا شہوت
پرست ہوتا تو شہوت پرستی کا یہ الزام وہ مخالفین لگاتے جو آپ کی جان
کے بھی دشمن تھے، آپ کی عزت کے بھی دشمن تھے اور آپ کے پردگرم کے بھی
دشمن تھے۔

وہ خوب جانتے تھے کہ محمدؐ ایسے نہیں ہیں، انھوں نے کتنی ہی بار آپؐ کو آزمایا اور ہمیشہ عقیق اور پاک دامن پایا، مکہ کا بچہ بچہ آپؐ کی عفت و پارسائی کی شہادت دیتا تھا، آپؐ ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار فرماتے تھے اور کبھی بھی جاوہ اعتدال سے ہٹنا گوارا نہ فرماتے تھے۔

نبوت ملنے سے چند ہی سال پہلے کی بات ہے کہ حجرِ اسود کو اپنی جگہ نصب کرنے کے معاملہ میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا، ہر قبیلہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسی کو حاصل ہو اور وہی اس کو اٹھا کر صحیح جگہ نصب کرے بات یہاں تک بڑھی کہ بعض قبیلوں نے برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم مرجائیں گے مگر کسی دوسرے کو حجرِ اسود نصب کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ پھر اس پر سب کا اتفاق ہو گیا کہ جو شخص کل سب سے پہلے مسجدِ حرام میں داخل ہوگا وہ جو فیصلہ کرے گا وہ سب کو منظور ہوگا، اب سب کی نظریں اس پر تھیں کہ دیکھیں سب سے پہلے مسجدِ حرام میں کون داخل ہوتا ہے۔

قریش کے سردار صبحِ صبح مسجدِ حرام کی طرف روانہ ہوئے وہاں جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو نبوت سے پہلے شب بیداری کے عادی تھے، مسجدِ حرام میں موجود ہیں۔

قریش آپؐ کی صداقت و امانت سے آگاہ تھے، صدیق اور امین کا لقب انہوں نے ہی آپؐ کو عطا کیا تھا، جب آپؐ کو مسجدِ حرام میں موجود پایا تو وہ بیک زبان کہہ اٹھے ہذا الامین رضینا ہذا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو ہمارے امین، محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں ہمیں ان کا فیصلہ منظور ہے

اور میں قربان جاؤں اپنے آقا کی حکمت اور فراست پر۔
 نبوت کے بعد کی فراست چھوڑیے، نبوت سے پہلے کی فراست دیکھئے
 کیسے عجیب طریقے سے اس الجھے ہوئے مسئلے کو سلجھایا کہ بڑے بڑے
 جغادری دیکھتے رہ گئے اور حیران تھے کہ ہماری عقل میں یہ طریقہ کیوں نہ آیا۔
 اسی لئے تو میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ نبی کی طبیعت ہی شریعت
 ہوتی ہے۔ وہ فطری طور پر نبوت کے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے، اس کی
 نبوت سے پہلے کی زندگی بھی قابل رشک ہوتی ہے۔

میرے آقائے ایک چادر منگو کر اس چادر کو بچھا دیا اور اپنے مبارک
 ہاتھوں سے حجرِ اسود کو اٹھا کر چادر کے درمیان رکھ دیا اس کے بعد فرمایا
 کہ ہر قبیلے کا سردار چادر کا ایک کونا پکڑ کر اٹھائے، جب انھوں نے نصب
 کی جگہ تک اٹھا دیا تو آپ نے فرمایا کہ اسے اپنی جگہ نصب کرنے کے لئے
 مجھے اپنا وکیل بنا دو۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وکیل کا فعل، موکل ہی کا فعل تصور ہوتا ہے،
 سب سرداروں نے خوشی سے آپ کو وکیل بنا دیا تو آپ نے سب کی
 طرف سے اٹھا کر اسے اپنے مقام پر رکھ دیا۔ (۱۳)

یوں ایک پچیدہ گتھی آپ کے ناخنِ تدبیر سے سلجھ گئی اور وہ
 مسدود جس پر قریب تھا کہ لاشوں کا ڈھیر لگ جاتا آپ نے خون کا ایک
 قطرہ بھی نہ بہنے دیا بلکہ دلوں میں کدورت بھی نہ آنے دی، ہر سردار مطمئن
 تھا کہ تنصیب کے کام میں میرا بھی حصہ ہے

آپ تو آئے ہی اس لئے تھے کہ قوموں اور افراد کو لایعنی باتوں پر
 جنگ و جدل سے بچالیں اور یہ واقعہ آپ کے اسی منصب کا پیش خمیہ اور

مبارک آغاز تھا۔

یہی وہ دن تھے جب آپ قوم کی دگرگوں
 حالت پر مضرب رہتے تھے اور عجیب سی

بے چینی محسوس کرتے تھے، کچھ واقعات بھی ایسے پیش آ رہے تھے جنہیں
 شریعت کی اصطلاح میں اربا ص کہا جاتا ہے۔

اربا ص ان علامات کو کہتے ہیں جو کسی نبی کو نبوت ملنے سے پہلے
 ظاہر ہوتی ہیں۔

ایک اربا ص یہ تھا کہ نبوت سے پہلے آپ کو خواب میں فرشتے نظر
 آتے تھے،

دوسرا اربا ص یہ تھا کہ آپ راستے سے گزرتے تو پتھر آپ کو سلام
 کرتے تھے۔ (۱۳۱)

تیسرا اربا ص یہ تھا کہ شیاطین کو آسمانوں پر جانے سے روک دیا گیا،
 چوتھا اربا ص یہ تھا کہ ایسے خواب نظر آتے تھے جن کی تعبیر ہو بہو
 برآمد ہوتی تھی۔

جوں جوں عمر مبارک چالیس سال کے قریب ہوتی جا رہی تھی آپ کی
 طبیعت دنیا سے بے رغبت ہو رہی تھی

جلوت سے وحشت ہوتی تھی اور خلوت میں دل لگتا تھا۔

آپ کا معمول تھا کہ کاشانہ اقدس سے کچھ کھانے پینے کا سامان
 ساتھ لے لیتے اور غارِ حرام میں عزلت گزریں ہو جاتے۔

آپ کے یہ دن عبادت اور ذکر و فکر میں گزرتے تھے۔

وہ روح وہ دل وہ دماغ جو پہلے ہی پاک صاف تھا اسے مزید

چمکایا جا رہا تھا۔

یہ بھی تو سوچئے کہ کتنا بڑا منصب دیا جانے والا تھا۔
 سارے جہاں کی سیادت کا منصب،
 انبیاء کی قیادت کا منصب،
 قیامت تک آنے والوں کے لئے نبوت و دعوت کا منصب،
 سب سے بڑھ کر یہ کہ وحی کا نزول ہونے والا تھا،
 کلام الہی کا ورود ہونے والا تھا،
 انسان کا ملا اعلیٰ سے رابطہ جڑنے والا تھا،
 تقریباً چھ سو سال بعد آسمان سے کال آنے والی تھی،
 اس کے تحمل اور اس کے سماع کے لیے جس قدر بھی تیاری کی
 جاتی کم تھی،

دنیا والوں کا دل لبھانے کے لئے ظاہر کو سنوارا جاتا ہے مگر
 آسمانوں والے کی توجہ اور قرب حاصل کرنے کے لئے باطن کو سنوارا
 جاتا ہے،

یہاں تو باطن بنا بنایا تھا، فطرت بھی پاک تھی، طبیعت بھی پاک
 تھی، دل بھی پاک تھا، دماغ بھی پاک تھا، آنکھیں بھی پاک تھیں،
 کان بھی پاک تھا، ظاہر اور باطن کا ایک ایک عضو پاک تھا۔
 مگر جب وحی کا نزول ہونے والا تھا اللہ نے سب سے کاٹ کر
 اپنے سے ملالیا، ایسی خلوت نصیب ہوئی کہ دنیا و مافیہا سے بے
 خبری ہو گئی،

نہ گھر کی فکر، نہ کھانے پینے کا خیال، نہ جسمانی راحت کا احساس۔

بس ایک بے چینی تھی، بے قراری تھی، کسی آنے والا کا انتظار تھا اور وہ آپ کی ولادت کا اکتالیسواں سال اور رمضان المبارک کی سترہ تاریخ تھی۔ عیسوی حساب سے ۶۱۰ء اور ۶ اگست کا دن تھا کہ آنے والا آگیا اور بہت بڑا پیغام اور بہت بڑا منصب لیکر آگیا۔

ملائکہ کے سردار حضرت جبرئیل شریف لائے اور پہلی وحی جو لے کر آئے وہ یہ پانچ آیات تھیں :

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي
خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ
عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ
الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝
(سورة العلق ۱-۴)

پڑھا اپنے رب کے نام سے جس نے
سپدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے
سے سپدا کیا۔ تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے
کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے
(علم) سکھایا، جس نے انسان کو وہ
سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا پہلا دن تھا۔
میرے بزرگوار دوستو! ولادت سے نبوت تک کے مختصر حالات
میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ اگلی مجلس
میں نبوت سے ہجرت تک کے حالات بیان کروں گا۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

- (۱) منصبِ نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ص ۲۲۸-۲۳۲
مجلس نشریات اسلام کراچی
- (۲) نبی رحمت ص ۳۵-۴۳ مجلس نشریات اسلام کراچی
- (۳) صحیح بخاری (کتاب المغازی) باب ابن رکنہ النبیؐ الراية یوم الفتح ۶۱۴ھ
قدیمی کتب خانہ کراچی
- (۴) سیرت ابن ہشام ص ۲۳-۵۴ ج ۱ - انتشارات ایران
- (۵) طبقات ابن سعد ص ۱۲۶ ج ۱ - اسحاق بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آپ
کی والدہ ماجدہ نے کہا کہ ان کے پیدا ہوتے ہی مجھ سے ایک نور برآمد ہوا کہ
شام کے قیصر و کسریٰ اس سے روشن ہو گئے۔ نفیس اکیڈمی کراچی
- (۶) طبقات ابن سعد
- (۷) سیرت ابن ہشام ص ۱۴۲ پر ہے فلما وضعتہ فی حجری اقبل علیہ ثدای
بما شاء من لبن فشرب حتی روی و شرب معہ اخوہ حتی روی ثم ناما
وما کنا ننام قبل ذالک - انتشارات ایران
- (۸) سیرت کبریٰ ص ۳۰۳ ج ۱ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری - مکتبہ مجیدہ ملتان
- (۹) روح المعانی بحوالہ سیرت کبریٰ
- (۱۰) خطبات حکیم الاسلام قاری محمد طیب مکتبہ مجیدہ ملتان
- (۱۱) سیرت ابن ہشام ص ۱۴۶ ج ۱ انتشارات ایران
- (۱۲) سیرت ابن کثیر ص ۲۶۳-۲۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت
- (۱۳) سیرت ابن ہشام ص ۲۰۹ ج ۱ - انتشارات ایران
- (۱۴) صحیح مسلم ص ۲۲۵، کتاب الفضائل باب فضل نسبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
قدیمی کتب خانہ کراچی
- (۱۵) صحیح بخاری ص ۲ باب بدء الوحی میں ہے: " ثم حَبَّبَ اليه الخلاء
وكان يخلو بغار حراء فيتحنث فيه " قدیمی کتب خانہ کراچی

نبوت سے ہجرت تک

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
 اک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
 گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لمانا کا شور نہ ہو
 یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں
 جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا، جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
 وہ راز کھلی والے نے بتلا دیا چت راشاروں میں

(مولانا ظفر علی خاں)

” آپ اندازہ کیجئے کہ منصبِ نبوت کا تعارف کرانے کے لیے آپ نے کیا ہی حکیمانہ انداز اختیار فرمایا، آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر تھے، لوگ نیچے پہاڑ کے دامن میں تھے، آپ پہاڑ کے اس طرف دیکھ سکتے تھے گویا قریش کو سمجھا دیا کہ اللہ کے بندو! میں منصبِ نبوت کی بلند یوں پر ہوں، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میرے اوپر وحی نازل ہوتی ہے، تم وحی سے محروم ہو، میری نظر غیبی حقائق پر ہے تمہاری نظر محسوسات تک محدود ہے، تم پہاڑ کے دامن میں چھپی ہوئی مصیبت اور عذاب سے ڈرتے ہو تو اس عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے جو ہر عذاب سے زیادہ ہولناک ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ حق سُن کر سب پر خاموشی چھا گئی۔ لیکن آپ کا چچا ابولہب چیخ اٹھا اور کہنے لگا: اے محمد! تمہارے لیے سارا دن خرابی ہو، کیا تم نے صرف یہی کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا“

نبوت سے ہجرت تک

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اِمَّا بَعْدُ
فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا
مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ
صدق اللہ العظیم

ترجمہ : بیشک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں ایک رسول
ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا
ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی
گمراہی میں تھے۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
سے نبوت تک کے حالات آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں اور اب
نبوت سے ہجرت تک کے حالات کا خلاصہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔
غارِ حرا میں میرے آقا پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ پر شدید خوف
طارتی ہو گیا اور خوف بھی کیوں نہ طاری ہوتا، آپ نے زندگی میں پہلی بار
فرشتوں کے درار کو دیکھا تھا، وہ فرشتہ جسے اللہ نے اتنی طاقت

دی ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے پوری بستی بلکہ پورے شہر کو اٹھا کر بیچ سکتا ہے، اس فرشتے نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا تھا۔

وہ فرشتہ جو ہر نبی پر وحی لے کر اتار رہا تھا، آج آخری نبی پر آخری کتاب کا پہلا سبق لے کر نازل ہوا تھا اور وہ سبق کیا تھا؟

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے واپس گھر تشریف لائے تو جسم اطہر پر کپکپی طاری تھی۔ آپ نے گھر پہنچتے ہی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ مجھے جلد ارٹھا دو مجھے جلد ارٹھا دو، مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سارا قصہ سنا تو پورے یقین کے ساتھ کہا "ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! آپ کو اللہ تعالیٰ کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ کرتے ہیں، آپ دوسروں کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، آپ محتاجوں کے کام آتے ہیں، آپ مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں"۔

میرے بزرگو اور دوستو! مشہور انگریز مفکر و الیٹر کہتا ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر میں ہیرو نہیں ہو سکتا، بڑے بڑے لیڈر جو عوام میں ہیرو ہوتے ہیں وہ گھر میں زیرو ہوتے ہیں مگر میرے آقا اپنے اخلاق کے اعتبار سے عوام میں بھی ہیرو تھے گھر میں بھی ہیرو تھے، دوستوں میں بھی ہیرو تھے، دشمنوں میں بھی ہیرو تھے۔ بلکہ غور کریں تو سب سے پہلے آپ کی تعریف آپ کی اہلیہ ہی نے کی، آپ غارِ حرا سے پریشان آئے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلی دی اور قدم قدم پر

آپ کا ساتھ دیا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ ہر بڑے شخص کی کامیابی کے
عورت کا ہاتھ پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جرات و شجاعت تسلیم کرتا ہوں
 مگر ہم ان کی والدہ کی قربانی اور ہمت کو کیسے بھول سکتے ہیں۔

میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بے مثال ایثار کا انکار نہیں
 کرتا، لیکن ہم حضرت ہاجرہ کے کردار کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اولوالعزمی سے
 عبارت تھی مگر کیا اس میں حضرت مریم کی عفت و عصمت اور استقامت و
 طہارت کا کوئی دخل نہ تھا؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا تو کوئی اندھا ہی انکار
 کر سکتا ہے۔ مگر ہم حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور دوسری ازواج
 مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے تعاون اور قربانیوں کو کیسے بھول سکتے
 ہیں۔

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید
 خو فرزندہ تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دل داری بھی کی اور جب
 موقع آیا تو سب سے پہلے اسلام بھی انہوں نے قبول کیا، پھر حضرت ابو بکر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ پڑھا اور
 آپ کے متبئی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبوت کی
 تصدیق کی (۲)

یہ وہ لوگ تھے جو آپ کے سب سے زیادہ قریب تھے، آپ کے کردار

سے بھی واقف تھے، آپ کے اخلاق سے بھی باخبر تھے اور آپ کی داخلی اور خارجی زندگی کے نشیب و فراز کو بھی اچھی طرح دیکھ چکے تھے، ان کے بعد کسی دوسرے لوگوں کو بھی ایمان قبول کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اس کے باوجود تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھپ چھپا کر دین کی دعوت دیتے رہے۔

جب تین سال گزر گئے تو اب اللہ کی **علی الاعلان دعوت** طرف سے حکم صادر ہوا :

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ
عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝

آپ کو اللہ کی طرف سے جو حکم ملا ہے وہ کھول کر لوگوں کو سنا دیجئے اور مشرکوں کی بالکل پرواہ نہ کیجئے۔

یہ حکم ایسے وقت میں آپ کو ملا جب چند سعادت مند افراد کے سوا سارا مکہ کفر و شرک میں مبتلا تھا، جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا، لات و ٹھیل کی مذمت سننے کے لیے کوئی تیار نہ تھا، عزی اور مناة کے پجاری ان کی عزت و حرمت پر کٹ مرنے کے لئے آمادہ تھے مگر آپ تو اللہ کے نبی تھے، یہ کیسے ممکن تھا کہ آپ نا موافق حالات کی وجہ سے خاموش ہو جاتے اور اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کرتے۔

چنانچہ آپ کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے اور عربوں کے مخصوص انداز میں نعرہ لگایا "یا صباحا" عرب اس نعرے کا مفہوم سمجھتے تھے، انہیں معلوم تھا کہ یہ نعرہ کسی سنگین خطرے کے موقع پر لگایا جاتا ہے جب قریش کا سارا قبیلہ کوہ صفا کے پاس جمع ہو گیا تو آپ نے ان سے سوال کیا : "اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے دان

میں ایک لشکر کھڑا ہے اور تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے ، « وہ فوراً بول اُٹھے : اے محمد ! ہم نے تمہیں آج تک جھوٹ بولتے نہیں دیکھا ، اس لئے تمہاری اس اطلاع پر ہم کیوں نہ یقین کریں گے ؟

جب سارے قریش آپ پر اہتمام کا اظہار کر چکے تو آپ نے فرمایا لوگو ! میں اللہ کا نبی ہوں ، میں تمہیں اللہ کے عذاب سے ڈرانے کیلئے آیا ہوں۔ (۳)

حکیمانہ انداز | آپ اندازہ کیجئے کہ منصبِ نبوت کا تعارف کرنے کے لئے آپ نے کیا ہی حکیمانہ انداز اختیار فرمایا،

آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر تھے ، لوگ نیچے پہاڑ کے دامن میں تھے ، آپ پہاڑ کے اس طرف دیکھ سکتے تھے ، گویا قریش کو سمجھا دیا کہ اللہ کے بندو ! میں منصبِ نبوت کی بلندیوں پر ہوں ، میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے ،

مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے تم وحی سے محروم ہو ، میری نظر غیبی حقائق پر ہے تمہاری نظر محسوسات تک محدود ہے۔ تم پہاڑ کے دامن میں چھپی ہوئی مصیبت اور عذاب سے ڈرتے ہو تو اس عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے جو ہر عذاب سے زیادہ ہولناک ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ حق سن کر سب پر خاموشی چھا گئی لیکن آپ کا چچا ابولہب چیخ اٹھا اور کہنے لگا اے محمد ! تمہارے لئے سارا دن خرابی ہو ، کیا تم نے صرف یہی کہنے کے لیے ہمیں بلایا تھا ؟ ابوطالب کے ساتھ مکالمہ | اس کے بعد اللہ کے نبی نے علی الاعلان

توحید کی دعوت دینی شروع کر دی آپ انہیں انداز بدل کر سمجھاتے کہ اللہ کے بندو! سوچو تو سہی، کن کی عبادت کرتے ہو؟ ان کی جن کو اپنے ہاتھوں سے بناتے ہو۔

ارے کن سے مانگتے ہو؟ ان سے جو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں ارے کن کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ان کے سامنے جو ٹکھی بھی نہیں اڑا سکتے،

ارے کن کے سامنے سجدے کرتے ہو؟ ان کے سامنے جو ایک ٹھوکر سے خود بھی سجدے میں جا پڑتے ہیں،

ارے کن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہو؟ ان کو جو خود

سراپا احتیاج ہیں،

تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انہیں معالج سمجھتے ہو جو خود بیمار ہیں، ان سے شفا کی امید رکھتے ہو جن کا وجود بہت بڑی روگ ہے، آپ نے جب واشگاف انداز میں توحید بیان کرنا شروع کی تو شرک کے بیمار بھڑک اٹھے، ہر طرف سے مخالفت شروع ہو گئی، کوئی ساتھ دینے والا نہ تھا ایک ابوطالب تھا جو ساتھ دے رہا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب ابوطالب بھی گھبرا گیا، پوری قوم کی دشمنی کو مول لینا اس کے بس کی بات نہ تھی اس نے بڑے پیار سے آپ کو سمجھایا کہ بھتیجے ذرا میری جان کا بھی خیال کرو اور اپنی جان کا بھی خیال کر، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جس کو میں اٹھا نہ سکوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ چچا بھی اب مزید میرا ساتھ نہیں دے سکتے، آپ نے ایمانی جوش کے ساتھ فرمایا کہ: چچا! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے

داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں اور اس کے بدلے مجھ سے یہ مطالبہ کریں کہ میں اس کام کو تھوپڑ دوں تو بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا، اب تو بس دو ہی راستے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کر دے اور یا پھر اسی کوشش میں میری جان قربان ہو جائے اور کوئی تیسرا راستہ میرے پاس نہیں۔ میں حق کے معاملے میں کوئی سودے بازی نہیں کر سکتا، مجھے نہ دوست کی ضرورت ہے، نہ تخت و تاج کی خواہش ہے، نہ ہی میں شہرت اور عزت کا طلبگار ہوں، میں تو بس اس دین کا غلبہ چاہتا ہوں۔

چچا نے جب آپ کی یہ استقامت دیکھی تو ہتھیار ڈال دیئے اور کہا میرے بھتیجے جو تمہارا دل چاہے کہو اور جس طرح چاہو تبلیغ کرو خدا کی قسم میں تم کو کبھی کسی کے حوالے نہ کروں گا۔^(۴)

مظالم کی انتہا قریش کو یقین ہو گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ تو ترغیب سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی دھمکیوں سے

ڈرتے ہیں اب انہوں نے ان بے سہارا مسلمانوں کو نشانہ بنا لیا جو اسلام قبول کر چکے تھے اور ان کا کوئی حمایتی نہیں تھا

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا سنگدل آقا امیہ تپتی ہوئی دوپہر میں باہر لانا، پیٹھ کے بل لٹا دیتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا لیکن وہ اس حالت میں بھی اُحد اُحد پکارتے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد اور والدہ کو سخت گرمی میں بنو مخزوم کے لوگ ظلم و ستم کا نشانہ بناتے اور اسی ظلم کے نتیجے میں ان کی والدہ شہید بھی ہو گئیں۔

خواتین کو فخر کرنا چاہئے کہ اللہ کے نبی کی سب سے پہلے تصدیق بھی عورت نے کی اور اسلام کی خاطر سب سے پہلے جان بھی عورت ہی نے پیش کی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بڑے ناز و نعم میں پلے ہوئے تھے لیکن اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے وہ ڈھنگ کے لباس سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک مشرک نے ایسا طمانچہ مارا کہ ان کی آنکھ ہی ضائع ہو گئی اور جب انھیں ولید بن مغیرہ نے طعنہ دیا کہ اگر تم میری پناہ میں رہتے تو اس صدمے سے محفوظ رہتے، تو انھوں نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میری اچھی آنکھ بھی یہ تمنا کر رہی ہے کہ وہ بھی اللہ کے دین پر قربان ہو جائے۔ (۵)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش نے انکار سے جلا کر ان کے اوپر لٹا دیا اور پھر ایک شخص سینے پر بھی چڑھ گیا تاکہ وہ وہاں سے اٹھ نہ سکیں۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ سب ظلم و ستم صحابہ پر **نبی کا حوصلہ** کیا جا رہا تھا، لیکن آپ سوچئے کہ ہمارے آقا جو ایک چڑیا پر ظلم برداشت نہ کر سکتے تھے جب سنتے ہوں گے کہ آج میرے بلال کو گلیوں میں گھسیٹا گیا،

آج میری صحابیہ میہ کے جسم کے ٹکڑے کر دیئے گئے،

آج مصعب بن عمیر کو گھر سے نکال دیا گیا،

آج عمار بن یاسر کو مار مار کر بے حال کر دیا گیا

آج عثمان بن مظعون کو آنکھ کی بینائی سے محروم کر دیا گیا،
 آج خیاب بن ارت کو دہکتے انگاروں پر لٹا دیا گیا ہے،
 آج بے سہارا لونڈیوں زہیرہ اور نہدیہ پر مشق ستم کی گئی تو
 میرے آفلکے قلب و دماغ پر کیا گزرتی ہوگی۔

اور بات یہ نہیں کہ صرف صحابہؓ پر ظلم ہو رہا تھا اور آپ محفوظ تھے،
 خود آپ کے ساتھ بھی ہر بد تمیزی روا رکھی جا رہی تھی۔ عقل کے
 اندھوں نے آپ کو جادو گر کہا، شاعر کہا، مجنون کہا، کاہن کہا، آپ کا
 مذاق اڑایا، آپ کے پیچھے اوباشوں اور بے وقوفوں کو لگا دیا تاکہ وہ
 آپ کو ستائیں اور آپ کو تکلیفیں دیں، انہوں نے آپ کے گلے
 میں چادر گھسیٹ کر گلا دبا یا، آپ سجدے میں گئے تو جسم اطہر پر گندی
 اور جڑی ڈال دی^(۶)۔ لیکن یہ نبی کا حوصلہ اور نبی کی استقامت تھی کہ ساری
 ایذاؤں کے باوجود آپ حق کے راستے پر جمے رہے اور دین کی دعوت
 دیتے رہے۔

صحابہ کا حال | خود آپ کے صحابہ کے قدم بھی مضبوطی سے ہدایت پر
 جمے رہے، انہوں نے ظلم سہہ لیے، آنکھیں صنّاع
 کروالیں، جسم زخمی کروالئے، انگاروں پر لپٹنا گوارا کر لیا، مکہ کی
 گلیوں میں گھسٹنا برداشت کر لیا، حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پسند کر لیا
 مگر نبی کا دامن چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جو ایک دفعہ ایمان قبول کر لیتا تھا وہ جان
 دے کر بھی اس کی حفاظت کرتا تھا۔ یہ ایسا نشہ تھا جو چرٹھ جاتا تھا
 تو اترنے کا نام نہیں لیتا تھا اور صحابہؓ کی یہ استقامت مشرکوں کی
 آتش غیظ و غضب کو مزید بھڑکا دیتی تھی۔ البتہ بعض ایسے بھی تھے

جو ایمان والوں کی استقامت دیکھ کر ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے
ایسے لوگوں میں سب سے بڑا نام حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
ہے۔ انہوں نے بہن کو اتنا مارا کہ زخمی کر دیا لیکن بہن نے کہہ دیا:
” عمر! سن لو، میں اللہ اور رسول پر ایمان لا چکی ہوں اب تم جو چاہتے
ہو کر لو، میں تمہیں چھوڑ سکتی ہوں، اللہ اور رسول کو نہیں چھوڑ سکتی“
بہن کی استقامت نے حضرت عمرؓ کے دل کو نرم کر دیا اور وہ
عمر جو صبح گھر سے اس لئے نکلے تھے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا
فیصلہ کر دیں وہ شام ہونے سے پہلے اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کے لئے
محمدؐ کے دروازے پر جا کر کھڑے ہو گئے اور میرے آقا نے فیصلہ یہ
کیا کہ عمر کی زندگی کو جنت کے بدلے خرید لیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان خوش قسمت انسانوں میں
سے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت کو دیکھ کر ایمان قبول کرنے
پر مجبور ہو گئے۔ (۷)

عام الحزن | لیکن مکہ والوں کی اکثریت کفر و شرک پر اور آپ کی
مخالفت پر ڈٹی رہی بلکہ جب حضرت خدیجہؓ اور آپ
کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو اس مخالفت میں اور بھی تیزی
آگئی، دفاع کرنے والا چچا بھی نہ رہا اور دل داری کرنے والی بیوی بھی
نہ رہی یہ نبوت کا دسواں سال تھا، اس سال آپ کو پے در پے
اتنے صدمے پہنچے کہ اس کا نام ہی عام الحزن، یعنی غم کا سال مشہور ہو گیا
جب آپ نے دیکھا کہ قریش والوں کی زیادتیوں میں اضافہ ہی
ہوتا چلا جاتا ہے تو آپ نے طائف کا ارادہ فرمایا۔ آپ کو طائف

والوں سے خیر کی توقع تھی کیونکہ آپ کے رضاعت کے دن قبیلہ بنو سعد میں گزرے تھے جو طائف کے قریب آباد تھا اور ویسے بھی دنیا کے اعتبار سے وہاں بڑے خوشحال اور سمجھدار لوگ آباد تھے لیکن طائف والوں نے جو کچھ کیا اس نے مکہ والوں کے مظالم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آپ سے پہلے قبیلہ ثقیف کے ذمہ دار لوگوں سے بات کی اور انہیں دین کی دعوت دی لیکن انہوں نے آپ کا مذاق اڑایا اور شہر کے آوارہ لوجو والوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا، آپ واپس پلٹنے لگے تو راستے کے دونوں جانب ان کے آدمی کھڑے تھے جو آپ کو گالیاں دے رہے تھے، شور مچا رہے تھے اور آپ پر پتھر پھینک رہے تھے، آپ ایک قدم بھی اٹھاتے تو کوئی آوارہ پتھر رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو آ کر زخمی کر دیتا یہاں تک کہ آپ کے دونوں پیر زخموں سے لہو لہان ہو گئے۔ میرے آقا زخموں سے چور ہو کر کھجور کے سائے میں آکر بیٹھ گئے۔ میں جب حشم تصور سے سوچتا ہوں تو میرے سامنے آپ کا زخمی جسم آجاتا ہے، میرے سامنے نبوت کا حسین چہرہ حزن و ملال کے بادلوں سے ڈھکا ہوا آجاتا ہے، میرے سامنے کائنات کے آقا کی بے بسی محسوس ہو کر آجاتی ہے

یادگار دعا نبیوں کا سردار، کاروانِ انسانی کا پہلا رشکے سا ہو کر درخت کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اور آپ کی مبارک زبان پر وہ یادگار دعا جاری ہو جاتی ہے جسے آج بھی پڑھتے ہوئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اللَّهُمَّ اَلَيْكَ اَشْكُو وَنَعْفَا اے اللہ میں اپنی کمزوری اپنی بے سرو قوتی و قلة حیلتي و هوای سمانی اور لوگوں میں اپنی تحقیر کے بارے

علی الناس یا ارحم
 الراحمین انت رب
 المستضعفین الی من
 تکلنی ، الی بعید یتھجمنی
 ام الی عدو ملکته امری
 ان لم یکن بک غضب
 علی فلا ابالی غیر ان
 عافیتک اوسع لی (۱)

میں تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں ، تو سب
 رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا
 ہے تو عاجزوں اور کمزوروں کا مالک ہے
 اے میرے مالک تو مجھے کس سپرد کر رہا ہے
 اس بیگانہ کے جو ترش رو ہے؟ یا اس دشمن
 کے جو کام پر قابو رکھتا ہے؟ اگر مجھ پر
 تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ
 نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے
 زیادہ وسیع ہے۔

یونہی یہ ساری دعا شکستہ دلی اور عاجزی و انکساری کا عجیب نمونہ ہے
 میرے آقا کی ساری ہی دعائیں ایسی ہو کر تھی تھیں ، آپ دعاؤں کی
 کوئی بھی کتاب اٹھالیں اور پھر اس میں آپ کی دعائیں ترجمے کے ساتھ
 پڑھیں ، لفظ لفظ سے عبدیت ، تواضع اور بے چارگی ظاہر ہوتی ہے۔
قبولیت | وہ دعا جو مظلوم پیغمبر کی مبارک زبان سے انتہائی بے بسی کی
 حالت میں نکلی تھی وہ کیسے قبول نہ ہوتی۔

طائف والوں نے ٹھکرایا تھا ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج کے لئے آسمانوں
 پر بلا لیا اور بتا دیا کہ اے انسانو اگر تم میرے نبی کا استقبال کرنے سے
 انکار کرو گے تو میں آسمان کے فرشتوں کو آپ کے استقبال کے لئے صفیں
 باندھنے کا حکم دوں گا۔ اس عزت افزائی نے آپ کے ان زخموں پر مرہم رکھ
 دیا جو طائف والوں نے بڑی سنگدلی سے لگائے تھے (۹)

دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے یہ کیا کہ شرب والوں کے دلوں کو ایمان

کی طرف مائل کر دیا۔

حج کے زمانے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف علاقوں سے آنے والوں کے پاس خود جا جا کر انہیں ایمان کی دعوت دیتے تھے۔ ایک رات جب آپ اس مقصد کے لئے نکلے تو منیٰ کے پہاڑوں میں ایک گھاٹی کے پاس انصار کے کچھ لوگ مل گئے آپ نے انہیں قرآن سنایا اور ان کے سامنے اسلام کو پیش کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے کھول دیئے اور انہوں نے فوراً ایمان قبول کر لیا اگلے سال حج کے موقع پر اسی گھاٹی کے پاس بارہ آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی جب یہ لوگ واپس جانے لگے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کے ساتھ بھیج دیا۔

میرے آقا کے جانشین غلام حضرت مصعب بن عمیر نے مدینہ پہنچ کر قرآن کی تعلیم اور اسلام کی دعوت دینے میں دن رات ایک کر دیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ بچا جہاں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں۔ جب مدینہ کے ہر گھر میں اسلام کی روشنی پہنچ گئی اور انصار نے مسلمانوں کی نصرت کا وعدہ کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنا ایمان بچانے کے لئے اور دعوتِ اسلامی کام کر بنانے کے لئے مدینہ ہجرت کی اجازت دے دی۔ (۱۰)

یہ ہجرت کیسے ہوئی اور مدینے والوں نے نصرت کیسے کی، اس کا بیان انشاء اللہ اگلے جمعہ ہوگا۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

حوالہ جات

- (۱) صحیح بخاری ص ۱ ج ۱ (قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی)
- (۲) سیرت ابن ہشام ص ۲۸۵ (انتشارات ایران)
- (۳) ابن کثیر ص ۴۵۶ - ۴۵۵ - دار احیاء
- (۴) سیرت ابن ہشام ص ۲۶۵ - ۲۶۴
- (۵) = = ص ۱۰
- (۶) صحیح بخاری باب ما لقی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ
من المشرکین.
- (۷) ابن ہشام ص ۳۱۲ - ۳۱۱
- (۸) زاد المعاد ص ۳۰۲ ج ۱
- (۹) سیرت ابن کثیر ص ۹۶ ج ۲
- (۱۰) ابن ہشام ص ۷۷ تا ۸۰

ہجرت سے غزوات تک

زبان پر اشرق البدر علینا کی صدائیں تھیں
 دلوں میں مادعا لشد داع کی دعائیں تھیں
 کہیں معصوم ننھی بچیاں تھیں دف بجاتی تھیں
 رسولِ پاک کی جانب اشارے کر کے گاتی تھیں
 نبوت کی سواری جس طرف سے ہو کے جاتی تھی
 درود و نعت کے نغمات کی آواز آتی تھی،

(حفیظ جالندھریؒ)

» وہ بھی تاریخِ انسانی کا عجیب و غریب رشتہ تھا
آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلا تے اور فرماتے جاؤ تم دونوں
آپس میں بھائی بھائی ہو۔
واہ کیا عجیب رشتہ تھا، نہ خون کا تعلق، نہ حسب و
نسب کا تعلق، نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا
تعلق ہے۔ اسی تعلق کی بناء پر کالا گورے کا بھائی بن رہا ہے
غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشمی خزر جی کا بھائی بن رہا
ہے اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ
یاد رکھو سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے، یہی وہ رشتہ
ہے جو مشرقی کو مغربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بنا تا ہے۔
اس رشتہ موافقات کے لیے انصار میں بڑا جوش و خروش تھا،
ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جائے
یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آگئی «

ہجرت سے غزوات تک

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اٰمَابَعْدَ
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا
 وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَنَصَرُوْا ۗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ
 حَقًّا ۗ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
 كَرِيْمٌ ۝ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! پچھلے جمعہ آپ کی خدمت میں نبوت
 سے ہجرت تک کے مختصر حالات عرض کر چکا ہوں۔ آپ سُن چکے کہ مکہ
 میں ایمان والوں کو کیسے ستایا گیا، انہیں گلیوں میں گھسیٹا گیا، انہیں
 انگاروں پر لٹایا گیا، انہیں بھوک پیاس میں تڑپایا گیا اور ایک دو سال
 نہیں، پورے تیرہ سال تک اس ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رہا۔ قربانِ جان
 ان باہمتِ مؤمنوں کے ایمان پر، ان کی استقامت پر، ان کے صدق
 و اخلاص پر اور ان کے صبر و ایثار پر کہ وہ ظلم کا ہر وار سہتے رہے۔ لیکن
 ایمان کی شاہراہ سے وہ ذرہ برابر ادھر ادھر نہ ہٹے۔ تیرہ سال تک

ظلم کی آگ جلتی رہی، اس آگ میں جلنے والے کس دن بنتے رہے اور آگ جلانے والے وحشیانہ قہقہے لگاتے رہے۔ جب تیرہ سال بعد بھی یہ آگ نہ بجھی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مدینہ کی صورت میں اسلامی دعوت کا ایک مرکز عطا فرما دیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو خوش خبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کچھ بھائی اور گھربار مہیا کر دیئے جہاں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو اس لئے تم وہاں ہجرت کر جاؤ۔

جیسا کہ لوگ جماعتیں بنا بنا کر ہجرت کرنے لگے۔ لیکن مکہ سے ہجرت کرنا کوئی ٹھیل نہ تھا۔ قریش نے لوگوں کو ہجرت سے روکنے کے لئے طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کر دیں لیکن مسلمان بھی اب آگے بڑھے ہوئے قدم پیچھے ہٹانے کے لئے تیار نہ تھے

وایسے بھی آپ سوچیے کہ اپنا وطن، اپنا خاندان اور اپنا گھربار چھوڑنا کتنا مشکل کام ہے!

عظیم قربانی

دنیا کے لئے تو ہم بہت کچھ چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں لیکن دین کے لئے تو ہم ایک جھونپڑا بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ آج دنیا گمانے کے لئے کون امریکہ جارہا ہے، کوئی ہالینڈ جارہا ہے، کوئی آسٹریا جارہا ہے، کوئی فرانس جارہا ہے، کوئی دبئی جارہا ہے، کوئی مسقط جارہا ہے۔ ان کے جانے پر تو سب خوش ہوتے ہیں، ماں باپ بھی خوش ہوتے ہیں، بیوی بچے بھی خوش ہوتے ہیں، بہن بھائی بھی خوش ہوتے ہیں، دوست احباب بھی خوش ہوتے ہیں اور اسمہ اللہ شہادت ہوتے ہیں کہ آئے گا تو ڈالر لائے گا، ریال لائے گا،

دینار لائے گا، روپیہ لائے گا، رنگین ٹی وی لائے گا، وی سی آر لائیو گا چاہے وہاں جا کر بیچارے کو چوکیدار بننا پڑے، چاہے جمعدار بنتا پڑے، چاہے ٹوکری اٹھانی پڑے، چاہے بھوکا پیاسا رہنا پڑے مگر سب خوش ہوتے ہیں اور جب آتا ہے تو ہار پھول ڈال کر استقبال کرتے ہیں لیکن اگر کوئی دین سیکھنے کے لئے، ایمان کی دعوت دینے کے لئے اور مظلوم مسلمانوں کے لئے جہاد کرنے کے لئے گھبراہ چھوڑے تو سب کے چہرے اتر جائیں گے مگر مکہ کے مسلمان جو گھریا چھوڑ رہے تھے تو اس سے ان کا کوئی دنیاوی مقصد نہ تھا، وہ صرف اپنا ایمان بچانا چاہتے تھے، وہ اسلام کا مرکز تعمیر کرنا چاہتے تھے تاکہ ساری دنیا کے ان لوگوں کو ظلم کے نظام سے نجات دلائی جائے۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جو تربانی دی وہ تاریخ انسانی کی عظیم ترین قربانی تھی۔ کسی کو خاندان چھوڑنا پڑا، کسی کو والدین چھوڑنے پڑے، کسی کو بھائی بہن چھوڑنے پڑے، کسی کو بیوی چھوڑنی پڑی، کسی کو بچے چھوڑنے پڑے، کسی کو مکان اور دوکان سے ہاتھ دھونے پڑے، کسی کو جائداد کی تربانی دینی پڑی لیکن ان کے دلوں میں ایمان ایسا رچ بس گیا تھا کہ وہ اس کی خاطر سارا جہان چھوڑنے کے لئے تیار تھے۔

نفع کا سودا | جب حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش نے ان سے کہا کہ تم جب مکہ آئے تھے تو فقیر تھے، غریب تھے، مفلس تھے، تمہارا پاس کچھ بھی نہ تھا اور مکہ میں رہ کر تم نے اتنا کمایا ہے کہ دولت مند ہو گئے ہو۔ اب چاہتے ہو کہ یہ سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاؤ۔ خدا کی قسم ایسا

نہیں ہو سکتا۔

حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا جن کی نظر میں سامان کی قیمت تو تھی مگر ایمان کی کوئی قیمت نہ تھی کہ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ سارا مال و اسباب میں تمہارے حوالے کر دوں تو کیا تم مجھے جانے دو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں پھر تم جاسکتے ہو۔

حضرت صہیبؓ نے جواب دیا کہ میں یہ سارا مال تمہیں دیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو ہجرت کی اجازت دے دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا: ”رجح صہیب، ربح صہیب“، صہیبؓ نے نفع کا سودا کیا ہے اور رب تعالیٰ کو تو یہ سودا اتنا پسند آیا کہ اس نے اپنی مقدس کتاب میں اس سودے کا ذکر فرما دیا:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ
أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ
لَهُمُ الْجَنَّةَ (سورة التوبة)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی۔

حضرت صہیبؓ نے سامان دے دیا ایمان بچا لیا۔ اور اللہ کہتا ہے کہ اے صہیب تو نے اپنے سامان کی قربانی دے کر میری جنت کو خرید لیا۔ بلکہ اللہ کہتا ہے کہ میں سارے ہی ایمان والوں سے سودا کرنے کے لئے تیار ہوں اور جن کا دل چاہے، لے آؤ اپنے مال، لے آؤ اپنی جانیں۔ وہ مال اور جانیں جو میں نے ہی تمہیں دی ہیں۔ ان

مالوں اور جانوں کو میں خریدنے کے لئے تیار ہوں۔
 مگر اے اللہ! ہمیں اس کے بدلے میں تو کیا دے گا؟
 اللہ کہتا ہے میں اس کے بدلے میں تمہیں جنت دے دوں گا،
 اپنی رضا دے دوں گا، اپنی مغفرت دے دوں گا، اپنی خوشنودی
 کا پروانہ دے دوں گا۔ آؤ تو سہی، سودا کرو تو سہی۔ آج بھی سودے
 بازی ہو رہی ہے اور زور شور سے ہو رہی ہے۔ اگر ہم محروم ہیں تو یہ
 مت سمجھئے کہ ساری دنیا ہی محروم ہے، قسمت والے مال اور جانیں
 دے رہے ہیں۔ کوئی افغانستان میں دے رہا ہے، کوئی کشمیر میں
 دے رہا ہے، کوئی بوسنیا میں دے رہا ہے، کوئی کرغزستان
 میں دے رہا ہے اور اس کے بدلے جنت خرید رہے ہیں۔

تو محترم سامعین! یوں صحابہ کرام رض
آقا سے آخر میں | بہت کچھ قربان کرتے ہوئے ہجرت فرماتے

رہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم کے منتظر رہے۔
 یہ میرے آقا کا اسوہ ہے۔ آپ خود تو ظالموں کے جھرمٹ میں گھرے
 رہے مگر اپنے ساتھیوں کو دارالامن میں جانے کی اجازت دے دی
 جب کہ ہمارے لیڈروں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے جیالوں کو مصائب
 میں چھوڑ کر خود برطانیہ اور سوئٹزرلینڈ چلے جاتے ہیں۔ نعرہ لگانے
 والے جیل لے جیلوں میں گلتے مٹرتے رہیں اور لیڈر صاحب ترقی یافتہ
 ملکوں اور شہروں میں عیاشیاں کرتے رہتے ہیں لیکن ان لیڈروں
 سے نظر ہٹا کر میرے آقا کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو مصیبت،
 پریشانی اور خوف کے ہر موقع پر آپ ہمیشہ پیش پیش دکھائی دیں گے۔

اگر صحابہ بھوکے رہے تو آقاؐ نے بھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا ،
اگر صحابہؓ رات بھر جاگتے رہے تو آپؐ نے بھی نیند کا مزہ نہیں چکھا
آپؐ جانتے ہیں مکہ میں مسلمانوں کو کیسے مار چر کیا جا رہا تھا
لیکن اس کے باوجود میرے آقاؐ نے پہلے عام مسلمانوں کو ہجرت کی
اجازت دی اور خود اس وقت ہجرت کا فیصلہ فرمایا جب مکہ، جانے
والوں سے خالی ہو چکا تھا ۔

قیامت کی رات | اور وہ رات قیامت کی رات تھی جب ایک
طرف اللہ کے حکم سے آپؐ نے مکہ کو الوداع
کہنے کا ارادہ کر لیا اور دوسری طرف مشرکوں کی ”اقوام متحدہ“ نے
شع رسالت کو گل کر دینے کا منصوبہ بنا لیا ، کفر و شرک کے سرغنوں
نے آپؐ کو ختم کرنے کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بچانے کی تدبیر کر لی
اور کون نہیں جانتا کہ اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں ہر تدبیر مکڑی کا جالا
ثابت ہوتی ہے چاہے تدبیر کرنے والے سڑار ہوں ، چوہدری ہوں ،
وڈیرے ہوں ، سیاست دان ہوں ، سائنس دان ہوں ، ڈاکٹر
ہوں ، انجنیر اور پروفیسر ہوں — کوئی بھی ہوں میرے اللہ کی تدبیر
کے مقابلے میں کسی کی تدبیر نہیں چل سکتی ۔

میرا اللہ جسے بچانا چاہے اسے کوئی بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔
میرا اللہ جسے عزت دینا چاہے اسے کوئی بھی ذلیل نہیں کر سکتا
مشرکوں نے معاذ اللہ میرے آقا کو قتل کرنے کا پروگرام بنا کر گھر
کا گھیر کر لیا ، سب تلواریں سونتے کھڑے تھے ، دل میں عداوت تھی ،
آنکھوں میں شرارت تھی ، ابو جہل کی سیسا تھی ، پوری فضا میں حرارت

تھی۔ ادھر کفر کی قوت تھی، ادھر میرے اللہ کی طاقت تھی جس کا مقابلہ کرنا حماقت ہی حماقت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سازش کے تورے سے بھی آگاہ کر دیا، اپنے نبی کو بتا دیا کہ ان کے سامنے سے گزرنا آپ کا کام ہے اور دل کے ان اندھوں کو آنکھوں سے اندھا کر دینا میرا کام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور تھوڑی سی مٹی لے کر ان کے سروں پر پھینکتے ہوئے اور سورۃ یس کی آیات کی تلاوت کرتے ہوئے ان کے سامنے سے گزر گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا۔

بڑے بڑے سورما آپ کے انتظار میں کھڑے تھے اسی وقت کسی آنے والے نے پوچھا ارے تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں کھڑے ہو جبکہ وہ تو جا چکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانے سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹا کر آئے تھے اور انہیں تاکید کر دی تھی کہ میرے پاس جن لوگوں کی امانتیں ہیں وہ ان کے حوالے کر کے تم بھی مدینہ چلے آنا۔ مشرکین نے حضرت علیؑ ہی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ لیا اور وہ صبح تک ان کے بیدار ہونے کا انتظار کرتے رہے لیکن صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے حضرت علیؑ اٹھے تو انہیں دیکھ کر انہیں بڑی شرمندگی ہوئی اور وہ نامراد ہو کر واپس چلے گئے۔ (۲)

میرے بزرگو اور دوستو! آپ نے امانت و دیانت یہ ہے

لیکن ایسا واقعہ شاید ہی آپ نے کبھی سنا ہو کہ کسی کو ایسے لوگوں کی امانتیں لوٹانے کی فکر بے چین کیے ہوئے ہو جو اس کے خون کے پیاسے

اور اس کی جان کے دشمن ہوں۔ آپ کی یہی وہ دیانتداری تھی جس کی وجہ سے مکہ کے ہر فرد کی زبان پر آپ کے لئے صدق اور امین کا لقب شہور ہو گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مکہ والوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کو جھوٹا سمجھتا ہو وہ بد بخت تو اللہ کے کلام کو جھوٹلا تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

قَدْ نَعَلْنَا إِيَّاهُ لَعْنَةً
الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ
لَا يَكْذِبُونَكَ وَلَكِنَّ
الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ
يَجْحَدُونَ ۝ (۳)

ہم کو معلوم ہے کہ ان (کافروں) کی باتیں آپ کو رنج پہنچاتی ہیں مگر یہ تمہیں جھوٹا نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔

تاریخی سفر | میرے آقا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیا اور شرب کی طرف روانہ ہو گئے، یہ ایک تاریخی سفر تھا۔ اس سفر میں محبت و ایثار کی ایسی ایسی مثالیں قائم ہوئیں جو رہتی دنیا تک یادگار بن گئی ہیں، آپ نے تین دن تک غارِ ثور میں قیام کیا، مشرکین آپ کے تعاقب میں تھے، ایک وقت ایسا بھی آیا جب جاسوس آپ کے بہت قریب پہنچ گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے قدموں کو دیکھ کر پریشان ہو گئے لیکن اللہ کے نبی نے تسلی دی

لَا تَحْزَنُ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا غَمٌّ نَكْرُو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ قریش نے اعلان کر رکھا تھا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سوا اونٹنیاں انعام میں دی جائیں گی

سراقہ بن مالک بن حثم النعام کے لالچ میں تعاقب کر رہا تھا، وہ آپ تک پہنچنے والا تھا کہ اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا وہ اٹھا مگر پھر گر پڑا، پھر اٹھا پھر گر پڑا اور گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے سراقہ تم ہمیں قتل کر کے سواونٹ لینا چاہتے ہو لیکن میں تمہارے ہاتھوں میں کسری کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ مادیت پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص آپ کی اس پیشگوئی کو سنتا تو مذاق اڑاتا کہ ایک طرف جان کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور دوسری جانب کسری کے تاج و تخت پر قبضے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ لیکن جیسے میرے آقائے فرمایا تھا ویسے ہی ہو کر رہا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایران فتح ہوا اور انہوں نے کسری کا پٹکا اور تاج حضرت سراقہ کو بلا کر انہیں پہنا دیا۔ (۴)

حضرت سراقہ کو بلا کر انہیں پہنا دیا۔ (۴)

مدینہ میں استقبال

کے سفر کے بعد مدینہ پہنچے تو پورا مدینہ آپ کے استقبال کے لئے نکل کھڑا ہوا، ہر طرف نعرے گونج رہے تھے "اللہ اکبر جاء رسول اللہ، اللہ اکبر جاء محمد" (اللہ اکبر رسول اللہ شریف لے آئے، اللہ اکبر محمد شریف لے آئے) انصار کی بچیاں بڑی خوشی اور مستی کے عالم میں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

طلع البدر علينا، من ثننات الوداع

وجب الشكر علينا ما دعا لله داع

ايها المبعوث فينا جئت بالاموالمطاع (۵)

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے :
 پہاڑی کا وہ موڑ جہاں سے قافلے رخصت کیے جاتے ہیں وہاں سے
 آج چودھویں کا چاند نکل آیا ہے ،
 جب تک دنیا میں اللہ کا ایک نام لینے والا بھی رہے گا ہم پر شکر
 ادا کرنا واجب رہے گا۔

اے وہ (عظیم نبی) جسے ہمارے درمیان بھیجا گیا ہے آپ ایسا حکم
 لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت کرنا واجب ہے۔

آپ بنو سنجار کے محلے سے گزرے تو ان کی بچیاں اپنے انداز میں
 یہ اشعار پڑھ رہی تھیں

نحن جوار من بنی سنجار یا حبیبنا محمد من جارا (۶)
 ہم بنو سنجار کی لڑکیاں ہیں ، ہماری خوش نصیبی کے کیا کہنے کہ آج محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں۔

مکہ والوں نے جس عظیم نعمت کو ٹھکرا دیا تھا مدینے والوں
 نے اسے عقیدت و احترام کے ساتھ اپنے سینے سے لگا لیا ، ہر طرف
 خوشی تھی ، ہر طرف استقبالیے کر تھے ، ہر زبان پر حمد و ثنا کے نغمے
 تھے ہر طرف نور ہی نور تھا ، سرور ہی سرور تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس دن سے زیادہ
 حسین اور روشن دن کوئی نہیں دیکھا جس دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم مدینہ تشریف لائے تھے ، ہر شخص کی خواہش تھی کہ حضور اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میری زبانی کا شرف بخشیں لیکن یہ شرف ازل سے
 حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھا تھا۔ اس لئے

آپ نے فیصلہ فرمادیا کہ جس گھر کے سامنے اونٹنی بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا اور اونٹنی چلتے چلتے وہاں آکر خود بخود ٹھہر گئی جہاں آج مسجد نبوی کا دروازہ ہے۔ لیکن اس وقت یہ جگہ دو یتیم لڑکوں کی ملکیت تھی اور یہاں کھجور کا کھلیان تھا اور یہیں حضرت ابو الیوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر بھی تھا۔ انہوں نے فوراً سامان اُتر وایا اور اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔

اللہ تعالیٰ کا بھی عجیب نظام ہے، وہ بعض اوقات یتیموں کی قسمت

مسکینوں اور عاجزوں کو ایسا نوازتا ہے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ نبوتِ ملی تو مکے کے ایک یتیم کو۔

مدینہ میں میزبانی کا شرف حاصل ہوا تو عاجز سے انسان حضرت ابو الیوبؓ کو اور مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے جس جگہ کا فیصلہ ہوا وہ دو یتیموں کی ملکیت! اس میں شک نہیں کہ مسجد نبوی جہاں بھی بن جاتی وہ جگہ قابلِ احترام ہوتی لیکن ان یتیموں کے لئے تو یہ بات قابلِ رشک تھی کہ ان کی مملوکہ زمین میں اللہ کے نبی نے مسجد تعمیر کرنے کا فیصلہ فرمایا! (۸)

جب آپ نے ان یتیموں سے اس جگہ کے خریدنے کی بات کی تو وہ بلا معاوضہ دینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن میرے آقاؐ آج کے لپڈروں اور جعلی پیروں جیسے نہ تھے جو مالِ مفت کے بروقت امیدوار رہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ قیمت دے کر وہ زمین خریدی اور پھر اس کی تعمیر میں بہ نفسِ نفیس

شہرت فرمائی۔ آپ گدیوں پر نہیں بیٹھے بلکہ آپ اپنے کتھوں پر اینٹیں اٹھاتے اور یہاں تک پہنچاتے اور مسلمانوں میں ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے ان کے ساتھ مل کر یہ اشعار پڑھتے

اللّٰهُمَّ اِنِ الْاَجْرَ اَجْرَ الْاٰخِرَةِ فَاعْفِرِ الْاِنصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے انصار اور مکہ کے مہاجرین کے درمیان

رشتہ مواخات

جو رشتہ مواخات قائم فرما دیا وہ بھی تاریخ انسانی کا عجیب و غریب رشتہ تھا، آپ ایک مہاجر اور انصاری کو بلاتے اور فرماتے جاؤ تم دونوں آپس میں بھائی بھائی ہو۔

واہ کیا عجیب رشتہ تھا، نہ خون کا تعلق، نہ حسب و نسب کا تعلق، نہ وطن کا تعلق۔ اگر تعلق ہے تو صرف ایمان کا تعلق ہے اسی تعلق کی بنا پر کالا، گورے کا بھائی بن رہا ہے، غریب، امیر کا بھائی بن رہا ہے، ہاشمی خزرجی کا بھائی بن رہا ہے اور قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ یاد رکھو سب سے مضبوط رشتہ ایمان کا رشتہ ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو مشرقی کو مغربی کا اور عربی کو عجمی کا بھائی بناتا ہے۔ اس رشتہ مواخات کیلئے انصار میں بڑا جوش و خروش تھا، ہر انصاری کی خواہش تھی کہ کاش کوئی مہاجر میرا بھائی بن جائے یہاں تک کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کی نوبت آگئی۔

محترم سامعین! یہ صرف خانہ پوری کا رشتہ نہ تھا بلکہ انصار نے پوری خوش دلی سے اس رشتے کو قبول کیا اور مہاجروں کو اپنی

دولت، اپنی زمین اور اپنے گھر میں تصرف کا ایسے ہی اختیار دیدیا جیسے حقیقی بھائیوں کو اختیار دیا جاتا ہے۔ ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ دیکھو میرے پاس جتنا بھی مال ہے اس میں سے آدھا تم لے لو، میرے پاس دو بیویاں ہیں تمہیں ان میں سے جو بھی پسند ہے مجھے بتا دو میں اسے طلاق دیتا ہوں اور تم اس سے نکاح کر لو (۱۰) دوسرا انصاری اپنے مہاجر بھائی سے کہتا کہ بھائی میری آدھی زمین تمہاری ہے، کوئی بات نہیں اگر تم کاشتکاری نہیں جانتے تو کاشت کاری میں کروں گا اور جو غلہ آئے گا وہ آدھا میرا ہوگا اور آدھا تمہارا ہوگا۔

ذرا آپ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ ان باتوں کا سُننا اور سُننا تو آسان ہے لیکن ان پر عمل کرنا کتنا مشکل ہے؟ کوئی ہے جو اپنے خون پسینے کی کمائی کسی کو مفت دینے کے لئے آمادہ ہو؟ یہاں تو یہ حال ہے کہ سیٹھ صاحب مسجد اور مدرسہ میں تھوڑا سا چندہ دیکر یہ سمجھتے ہیں کہ گویا میں نے اس مدرسہ اور مسجد کو خرید ہی لیا ہے۔

کسی غریب مسلمان کی دو چار سو روپے امداد کر دیں تو اسے اپنا زر خرید غلام سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

یہود اور منافقین | مسلمانوں کی آباد کاری سے فارغ ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی سیاسی حالت کی طرف توجہ فرمائی۔

مدینے میں اگر آپ کے جانثار بے شمار تھے تو ازلی بد بخت یہود

بھی بڑی تعداد میں آباد تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے امن و امان کا معاہدہ کر لیا جس میں یہ طے پایا کہ ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور مال و جائیداد کی حفاظت کی جائے گی۔^(۱۱) لیکن یہودیوں کی فطرت میں خیانت، رذالت، حسد اور تنگ دلی پائی جاتی ہے۔ ان کی پوری تاریخ انبیاء کی دشمنی، دولت سے عشق، سود خوری اور اللہ تعالیٰ پر افسوس سے عبارت ہے۔ وہ شرارتوں سے کہاں باز آنے والے تھے۔ ان میں سے بعض نے بظاہر اسلام قبول کر لیا لیکن ان کے دل اسلام دشمنی سے بھرے ہوئے تھے۔ عبد اللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے پیروکاروں نے بھی منافقت کی چادر اوڑھ لی اور یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔

میرے بزرگو اور دوستو! اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے مسلمانوں کو ہمیشہ یہودیوں اور منافقوں ہی نے نقصان پہنچایا، اسی لئے قرآن کریم میں ان بد بختوں کا کثرت سے ذکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاق اور ان کی علامتیں کھول کھول کر بیان کی ہیں، اور کافروں اور مشرکوں سے بھی زیادہ ان کی مذمت کی ہے۔

مدینہ کے یہودی اور منافق مکہ کے مشرکوں سے مسلسل رابطے میں رہے اور یہ تینوں گروہ

قتال کی اجازت

اسلام کی دن دوئی اور رات چوگنی ترقی کو دیکھ کر بیچ و تاب کھاتے رہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سازشوں اور خباثتوں سے بے خبر نہیں تھے، آپ کیسے بے خبر رہ سکتے تھے جبکہ آپ حالات پر گہری نظر

رکھنے والے عظیم سیاست دان تھے۔ خود صحابہؓ کا خون بھی کھولتا تھا اور کفر کے علمبرداروں سے دو ہاتھ کرنے کو ان کے جذبات مچلتے تھے لیکن انہیں بار بار یہی تلقین کی جاتی رہی کہ کُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو۔ مقصد یہ تھا کہ اپنی روحانی تربیت پر زور دو، اپنی اخلاقی کمزوریاں دور کرو، اطاعتِ امیر کی عادت ڈالو، ایثار و قربانی کو اپنا شعار بنا لو، نفس پر حکمرانی کرنا سیکھ لو، ویسے بن جاؤ جیسے تمہیں اللہ بنانا چاہتا ہے۔

اور جب واقعی وہ ویسے بن گئے جیسے اللہ تعالیٰ انہیں بنانا

چاہتا تھا،

ان کی راتیں عبادت سے معمور ہو گئیں،

ان کے دن خدمتِ قرآن میں گزرنے لگے،

ان کے اخلاق ملائکہ کے لئے قابلِ رشک بن گئے،

ان کے دلوں کا تزکیہ ہو گیا،

ان کی نظریں دنیا اور دنیا کی ساری لذتیں بے قیمت ہو گئیں،

ان کے دل میں شوقِ آخرت کا شعلہ پوری قوت سے بھڑک اٹھا،

تو اب انہیں قتال کی اجازت دے دی گئی۔ فرمایا گیا :

اٰذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ جُنَّ مَسْلَمٰنُوْنَ سِے (خواہ مخواہ)

بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا ط وَاِنَّ لِرِطٰنِيْ كِي جاتی ہے ان کو اجازت

اللّٰهُ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (۱۲) ہے کہ (وہ بھی لڑیں) کیونکہ ان پر

ظلم ہو رہا ہے اور اللہ (ان کی مدد

کرے گا) یقیناً وہ ان کی مدد پر قادر ہے

یہ قتال کیسے ہوا اور اللہ کے شیروں نے کافروں اور مشرکوں کو
 کیسی کیسی ذلت آمیز شکستوں سے دوچار کیا، اس ایمان پر فرداستان
 کی پہلی قسط ان شاء اللہ اگلے جمعہ بیان کروں گا۔ پہلی قسط اس لیے
 کہہ رہا ہوں کیونکہ متعدد غزوات کا حال سنانا چاہتا ہوں اور کسی ایک
 نشست میں سب غزوات کا بیان نہیں ہو سکتا
 وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

حوالہ جات

- (۱) ابن کثیر بحوالہ ابن ہشام ص ۲۲۳ ج ۲
- (۲) سیرت ابن ہشام ص ۲۸۰-۲۸۳ ج ۱
- (۳) سورة الانعام آیت ۳۳
- (۴) الاستیعاب ص ۵۹۷ ج ۲
- (۵) ابن کثیر ص ۲۶۹ ج ۲
- (۶) ابن کثیر ص ۲۷۳ ج ۲
- (۷) نبی رحمتؐ بحوالہ دارمی بیروایت النس
- (۸) ابن کثیر ص ۲۷۸ ج ۲
- (۹) ابن کثیر ص ۲۷۲ ج ۲
- (۱۰) صحیح بخاری باب اخار النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی المہاجرین والانصار
- (۱۱) ابن ہشام ص ۱۳۷ ج ۲
- (۱۲) سورة الحج آیت ۳۹

عزوة بدر

نہتے تین سو تیرہ بشر ذوقِ شہادت میں
 خدا کے نام پر نکلے محنتِ صد کی قیادت میں
 نہ کثرت تھی نہ شوکت تھی نہ کچھ سامان رکھتے تھے
 فقط اخلاص رکھتے تھے فقط ایمان رکھتے تھے
 نہ تاج و تخت کے طالب نہ مال و جاہ کے سائل
 کہ یہ بندے تھے لامعبود الا اللہ کے قائل
 بروزِ بدر جب تعداد بھی، سامان بھی کم تھا
 مگر ہم نے یہ دیکھا کہ شکرِ اسلام بے غم تھا
 بروزِ بدر دیکھی سرِ بلندی خاکساروں کی
 نچھاور فن کے قدموں پر ہوئی رفعت ستاروں کی
 (حفظہ جالندھری)

” مسلمانوں کی زبان پر تسبیح تھی، تقدیس تھی، تحمید تھی،

تکبیر تھی

ادھر مشرکوں کی زبانوں پر گالیاں تھیں، طعنے تھے، بڑائی کے

بول تھے۔

مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے آقائے دو جہاں صلی اللہ

علیہ وسلم کی دعائیں تھیں، دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے، ادھر مشرکوں

کو جوش دلانے کے لیے ڈھول ڈھمکا تھا، گانے والیاں تھیں،

ادھر بے ذوالجلال کے نعرے تھے ادھر لات وھیل کی قسمیں تھیں،

ادھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی ادھر ابو جہل کی سیادت تھی

ادھر قلت تھی ادھر کثرت تھی،

ادھر روحانیت تھی ادھر مادیت تھی،

ادھر اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا ادھر قوتِ یازد پر گھمت تھی،

ادھر دعائیں تھیں ادھر گانے کی بلائیں تھیں،،

غزوة بدر سے فتح مکہ تک

غزوة بدر

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اِمَّا بَعْدُ
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنُ فِتْنَةً ۙ اِن سَے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے
 وَيَكُوْنُ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۚ فَاِنْ اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آجائے، اگر یہ رک
 اَنْتَهُمْ اَفْلَاحٌ وَاَنْ اِلَّا عَلٰى جائیں (تو تم بھی رک جاؤ) زیادتی تو صرف
 الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۱)

ظالموں پر ہے۔

میکے بزرگو اور دوستو! آپ گزشتہ جمعوں میں سن چکے ہیں کہ مسلمانوں کو تیرہ سال تک مکہ معظمہ میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا، انہیں کیسے تڑپایا گیا، کیسے ستایا گیا اور کیسے رُلایا گیا، مسلمان ظلم کا ہر وار سہتے رہے مگر جواب میں انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھایا — کیوں نہیں اٹھایا؟ اس لئے کہ انہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں تھی، انہیں تو حکم دیا جا رہا تھا معاف کرنے کا، درگزر کرنے کا

فَاعْفُوا وَاَصْفَحُوا حَتّٰى
 سوتم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم، (۲)

مار کھاتے رہو، ظلم سہتے رہو، جور و جبارداشت کرتے رہو مگر جواب میں اس وقت تک ہاتھ نہ اٹھاؤ جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دے۔

صحابہ تو حکم کے بندے تھے وہ اللہ کے حکم سے سر مو بھی تجاوز نہیں کرتے تھے وہ ظلم کی چپکی میں پستے رہے، کوئی زخمی ہوا، کسی کی آنکھ صناع ہوئی، کسی کا بدن چھل گیا، کسی کی پٹریاں لٹوٹیں لیکن انہوں نے جو ابی جہلہ نہ کیا لیکن اب جب حکم الحاکمین کی طرف سے انہیں دفاعی اور اقدامی ہر قسم کے قتال کی اجازت مل گئی تو وہ اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر میدان میں آگے اور مشرک سوراؤں کو بتا دیا کہ ہم تڑپ بھی سکتے ہیں تڑپا بھی سکتے ہیں

تیرسہ بھی سکتے ہیں، تیر چلا بھی سکتے ہیں،

ہم راتوں کے عابد بھی ہیں اور دنوں کے مجاہد بھی ہیں،

ہم صوفی بھی ہیں اور شمشیر زن بہادر بھی ہیں،

ہم موت سے خائف نہیں ہم تو موت کے متلاشی ہیں۔

قتال کی اجازت ملنے کے بعد چھوٹی موٹی

جھڑپیں تو کئی ہوئیں لیکن مسلمانوں اور

تاریخ ساز جنگ

کافروں کے درمیان جو پہلی فیصلہ کن جنگ لڑی گئی وہ ۶۲ھ میں

بدر کے میدان میں لڑی گئی۔

اگرچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے کسی باقاعدہ جنگ

کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ آپ کا ارادہ ابوسفیان کے اس قافلے کا

مقابلہ کرنے کا تھا جو شام سے تجارتی سامان لے کر آ رہا تھا۔ ابوسفیان

کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے کی اطلاع پہنچی تو اس

نے اپنا راستہ بھی بدل دیا اور قریش کو مسلمانوں کے ارادے کی اطلاع

دینے کے لئے اپنا قاصد بھی مکہ بھیج دیا، مکہ میں خبر پہنچی تو قریش کے

ہذبات میں آگ لگ گئی، ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا، انہوں نے مسلمانوں کو سبق سکھانے بلکہ دنیا سے ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے جنگ کی پوری تیاری شروع کر دی اور ایک بڑا لشکر لیکر غیظ و غضب کے ساتھ مکہ سے روانہ ہو گئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے اس لشکرِ جرار کے روانہ ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے اپنی سنت اور عادت کے مطابق صحابہ سے مشورہ کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصل میں انصار کی رائے معلوم کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ انصار نے مدینہ میں رہتے ہوئے تو آپ کی حفاظت اور نصرت کا وعدہ کیا تھا لیکن مدینہ سے باہر نکل کر آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا وعدہ انہوں نے نہیں کیا تھا۔

انصار کو جب احساس ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں انصار کی جانب سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ ہم ہر حال میں آپ کا ساتھ دیں گے، آپ جہاں چاہیں روانہ ہوں، جس سے چاہیں تعلق قائم فرمائیں اور جس سے چاہیں تعلق ختم کر دیں، ہمارے مال میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں، ہمارے مال میں سے جتنا آپ لیں گے وہ ہمیں اس سے زیادہ محبوب ہوگا جسے آپ ہمارے لئے چھوڑ دیں گے۔

خدا کی قسم! اگر آپ چلتے چلتے برک غمدان تک پہنچ جائیں تب بھی ہم آپ کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ خدا کی قسم! اگر آپ سمندر میں داخل

ہو جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں داخل ہو جائیں گے۔ (۳۱)
 حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ
 کھڑے ہو گئے اور بڑے جوش کے ساتھ کہنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ
 سے ویسے نہیں کہیں گے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام
 سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا جَاؤْ تُمْ اَوْ تَمْهَارًا رِبِّ دُونِ مَلِكِ
 اِنَّا هَهُنَا قَعِدُوْنَ ۝
 جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔
 نہیں ہم ایسے نہیں کہیں گے بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بھی لڑیں گے بائیں بھی
 لڑیں گے، سامنے بھی لڑیں گے اور پیچھے بھی لڑیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری سرداروں کے یہ والہانہ
 جذبات سنے تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک اٹھا اور آپ نے فرمایا
 سیروا والبشروا چلو اور بشارت حاصل کرو۔ (۳۲)

عجیب اتفاق دیکھئے کہ مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ
 تھی اور حضرت طلوتؓ جب جالوت کے مقابلے کے
 لئے نکلے تھے تو ان کے لشکر کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی تھی۔ حضرت طلوت
 کے مخلص ساتھیوں نے پورے ایمان اور یقین سے کہا تھا:

اصل فرق

كَدَمَيْنِ فِتْنَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ
 اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غلبہ پائی
 وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۵) ہیں، اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے۔

اور آج مخلص مومنوں کی زبانوں پر بھی اسی قسم کے کلمات تھے،
 مسلمان تین سو تیرہ تھے اور مشرکوں کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی،

مسلمانوں کی اکثریت نا تجربہ کار تھی جبکہ مشرکوں کے لشکر میں ماہر ہونے
 شہسوار اور تجربہ کار سپاہی تھے ،
 مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے جن پر وہ باری
 باری سوار ہوتے تھے جبکہ مشرکوں میں چھ سو سپاہی زرہ پوش تھے
 پانچ سو کے پاس پورے ہتھیار تھے ، اونٹوں کی تعداد سات سو تھی ، گھوڑوں
 کی تعداد ایک سو تھی ۔ (۶)

مسلمانوں کی زبانوں پر تسبیح تھی ، تقدیس تھی ، تحمید تھی ، تکبیر تھی ۔
 ادھر مشرکوں کی زبانوں پر گالیاں تھیں ، طعنے تھے ، بڑائی کے بول تھے ۔
 مسلمانوں کا حوصلہ بڑھانے کے لئے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم
 کی دعائیں تھیں ، دل سے نکلے ہوئے کلمات تھے ادھر مشرکوں کو جوش
 دلانے کے لیے ڈھول ڈھمکاتھا ، گانے والیاں تھیں ،

ادھر تواضع تھی ، ادھر تکبر تھا ،
 ادھر رب ذوالجلال کے نعرے تھے ادھر لات و سہیل کی قسمیں تھیں
 ادھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت تھی ادھر ابو جہل کی
 سیادت تھی ۔

ادھر قلت تھی ادھر کثرت تھی ،
 ادھر روحانیت تھی ادھر مادیت تھی ،
 ادھر اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا ، ادھر قوتِ بازو پر گھمٹا تھا ،
 ادھر دعائیں تھیں ادھر گانے کی بلائیں تھیں ۔
 میرے دوستو! وہ عجیب دن تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے اپنی پندرہ سالہ جدوجہد کا سارا سرمایہ بدر کے میدان میں

جھونک دیا اور خود رو رو کر اللہ سے مانگنے میں مشغول ہو گئے، آپ کی زبان
اطہر یہ یہ دل ہلا دینے والے کلمات جاری ہو گئے :

اللَّهُمَّ ان تَهْلِكْ هَذِهِ اے اللہ اگر آج تو نے اس تھوپی ٹی
العصَابَةَ لَا تَعْبُدْ بَعْدَهَا جماعت کو فنا کر دیا تو پھر روئے زمین پر
فِي الْاَرْضِ اللَّهُمَّ اِنْجِز تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہو گا۔
مَا وَعَدْتَنِي اللَّهُمَّ اے اللہ تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا
نصرك . (<)

ہے وہ پورا فرما اے اللہ تیری مدد کی
ضرورت ہے .

اور یہی اصل فرق تھا اہل ایمان اور اہل شرک کے درمیان، کہنے
والے نے خوب کہا ہے ۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ

مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

یوں تو مشرک بھی لڑنے مرنے کے لئے آئے تھے اور مسلمان بھی
اپنی جانیں تھیلیوں پر رکھ کر آئے تھے لیکن وہ جو حضرت اقبال کہہ گئے
ہیں کہ ۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی آن دیکھی طاقت پر اعتماد تھا اور مشرکوں
کو چشم دید وسائل پر گھمٹا تھا .

مسلمانوں کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ تھا جبکہ مشرکوں کو جابلانہ
نخوت و تکبر نے یہاں آنے پر مجبور کیا تھا .

عجیب منظر | چشم فلک نے ایسا عجیب منظر کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ باپ عتبہ بن ربیعہ کفار کے لشکر میں ہے اور بیٹا ابو حذیفہ بن عتبہ

مجاہدین اسلام میں ہے

بیٹا عبد الرحمن بن ابی بکر کفار کے ساتھ ہے اور باپ ابو بکر بن قحافہ مجاہدوں کے ساتھ ہے۔

باپ عبد اللہ بن جراحہ بُت پرستوں کے ساتھ ہے تو بیٹا ابو عبیدہ بن جراح خدایستوں کے ساتھ ہے۔

ایک بھائی عباس بن عبد المطلب اہل شرک کے ساتھ ہے تو دوسرا بھائی حمزہ بن عبد المطلب اہل توحید کے ساتھ ہے

ایک بھائی عقیل بن ابی طالب ابو جہل کا ساتھ دے رہا ہے تو دوسرا بھائی علی بن ابی طالب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دے رہا ہے۔

ایک بھائی ولید بن عتبہ کفر کے جھنڈے کے نیچے ہے تو دوسرا بھائی ابو حذیفہ بن عتبہ اسلامی جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے۔

خون ایک، نسب ایک، وطن ایک، زبان ایک، لیکن عقیدے کے اختلاف نے سارے رشتے توڑ دیئے۔

نہ رشتے کی وقعت باقی رہی، نہ خون کی اہمیت باقی رہی، یہ جنگ وطن اور نسب کی جنگ نہ تھی یہ جنگ تو کفر اور ایمان کی جنگ تھی۔ نسب ختم ہو گیا دین کی نسبت باقی رہ گئی۔

جب مشرکوں کے سردار عتبہ نے میدان میں نکلی کر دعوتِ مبارزت دی تو اس کے مقابلے کے لئے اسی کے بیٹے حضرت حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نکلے۔ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دیجئے، کس بیٹے میں یہ حوصلہ ہے

کہ وہ صرف عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے اپنے سگے باپ پر ہتھیار اٹھاسکے۔ آج ہمارے معاشرے میں ایسے بگڑے ہوئے مسلمان نوجوان تو ضرور مل جاتے ہیں جو سفلی خواہشات اور مادی مفادات کی وجہ سے اپنے والدین پر ہاتھ تکا اٹھانے سے باز نہیں آتے مگر ایسے لوگ کہاں ہیں جو صرف عقیدے کی وجہ سے خونی رشتے توڑ سکیں لیکن میدانِ بد میں چشمِ فلک نے یہ نظارہ دیکھا کہ بیٹا، باپ کے مقابلے میں نکلا اور بھائی، بھائی کے خلاف صف آرا رہا۔

۱۷ رمضان المبارک کا سورج طلوع ہوا تو دونوں **آغاز و انجام** فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئیں۔ پہلے

انفرادی مقابلے ہوئے جس میں یکے بعد دیگرے عتیبہ، شیبہ، ولید اور عبیدہ بن سعید کو اللہ کے شیروں نے خاک و خون میں تڑپا دیا۔ اپنے سرداروں کو پے در پے گرتا ہوا دیکھ کر مشرکین بے قابو ہو گئے اور کفر پوری طاقت کے ساتھ اسلام پر ٹوٹ پڑا۔

کثرت نے قلت پر ہلہ بول دیا،

شُرک کی اندھی آندھی نے توحید کے چراغوں کو گل کرنے کیلئے

ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا،

رسول ملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب حال تھا۔ آپ کبھی میدانِ

جنگ پر نظر ڈالتے اور کبھی آسمان کی طرف نگاہ کرتے اور دعا فرماتے۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ

اے ہمیشہ زندہ اور قائم رہنے والے! میں تجھی سے فریاد کرتا ہوں۔

مسلمان اپنی ایمانی طاقت سے کفر کی آندھی کا مقابلہ کرتے رہے یہاں

تک کہ اس کی تیزی میں کمی آگئی، جب امیر المجاہدین صلی اللہ علیہ وسلم نے

کافروں کے ہاتھ شل ہوتے ہوئے دیکھے تو اب آپ نے مسلمانوں کو دفاع کے بجائے اقدام کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: «اس جنت کی طرف پیش قدمی کرو جس کی پہنائیاں آسمان اور زمین کے برابر ہیں» اللہ اکبر! آپ کے ارشاد نے صحابہ کے جذبات کو جو الامکھی بنا دیا۔ حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھجوریں کھا رہے تھے، کہنے لگے اگر میں کھجوریں کھاتا رہا تو بہت دیر ہو جائے گی میرے درمیان اور جنت کے درمیان صرف شہادت کا فاصلہ ہے، انہوں نے کھجوریں پھینک دیں اور تلوار سونت کر دشمن پر حملہ کر دیا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے (۸) جب گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امینؑ کے کہنے پر مٹھی بھر ریت زمین سے اٹھائی، اس پر کچھ بڑھ کر پھونکا اور پھر اسے مشرکین کی جانب پھینکتے ہوئے فرمایا:

شاهت الوجوه، اللهم اربع قلوبهم و نزل اقدامهم۔

ان کے چہرے ذلیل اور رسوا ہوئے۔ اے اللہ ان کے دلوں پر خوف طاری کر دے اور ان کے قدم اکھیر دے۔

فرشتوں نے اس خاک کو ہر مشرک کی آنکھ، ناک اور منہ میں

پھنچا دیا۔ قرآن نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔ سورۃ الانفال میں ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اٰرَءَ مَا رَمَيْتَ

اللہ سَرمی وقت کہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی

اسلام کے جان نثاروں نے بڑے بڑے سورماؤں کو چت کر دیا اور

اس امت کے فرعون، ابوجہل کو دو کسب نوجوانوں حضرت معاذ بن عمرو

بن جموح اور حضرت معوذ بن عفرار رضی اللہ عنہما نے ڈھیر کر دیا۔ ابوجہل

کے قتل کے بعد مشرکین کا حوصلہ ٹوٹ گیا اور وہ جان بچانے کے لئے
ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ (۹)

امام المجاہدین نے حکم دیا کہ بھگوڑوں کا تعاقب کرو اور انہیں گرفتار
کر لو چنانچہ ستر افراد گرفتار کر لیے گئے اور ستر ہی قتل ہوئے، کفر کی گردن
ٹوٹ گئی، شرک کا سہنگوں ہو گیا، تکتبہ ہار گیا تو اصنع جیت گئی، کثرت
کوشکست ہوئی قلت کو کامیابی ملی

اللہ کی شان دیکھئے کہ امام الموحّدین کی دعا
بھی قبول ہوئی اور رئیس المشرکین کی دعا بھی

دونوں دعائیں قبول

قبول ہوئی۔

امام الموحّدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ تو نے مجھ سے
جس چیز کا وعدہ کیا تھا آج وہ وعدہ پورا فرما اور اے اللہ ہماری مدد فرما
رئیس المشرکین نے دعا کی تھی اے اللہ ہم میں جو تیرے نزدیک
محبوب اور پسندیدہ ہے آج اس کو فتح اور نصرت دے (۱۰) اس کے چیلے
چانٹوں نے اس کی دعا پر بڑے زور سے آمین کہی ہوگی اور انہیں یقین
ہوگا کہ ہمارے «حضرت» کی دعا ضرور قبول ہوگی اور واقعی «ابوہل
شاہ» کی دعا قبول ہوگئی اور اللہ نے اس جماعت کی نصرت فرمائی جو
اللہ کی محبوب اور پسندیدہ تھی۔

جب مدینہ میں مسلمانوں کی فتح کی خبر پہنچی تو منافقوں اور یہودیوں
کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا، وہ سمجھے کہ خبر لانے والے حضرت زید بن حارثہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاذ اللہ، دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ (۱۱)

حقیقت میں یہ واقعہ ہی ایسا تھا کہ ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والا

کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مسلمان اس بے سرو سامانی میں کافروں کے لشکرِ جرار کو شکست دے سکتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر ابا بیلوں سے ہاتھیوں کو تہس نہس کر دیا تھا۔ عقل کے اندھوں نے بھی اللہ کی غیبی نصرت کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کر لیا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اس جنگ کو ”یوم الفرقان“ قرار دیا ہے۔

سورۃ انفال میں ہے :

اگر تم اللہ پر اور اس کی نصرت پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگِ بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں مٹھ بھیر ہو گئی اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل فرمائی۔

یومِ بدر، حق و باطل میں امتیاز کا دن تھا،
یومِ بدر، ایمان و کفر میں واضح فرق کا دن تھا،
یومِ بدر اہلِ اخلاص اور اہلِ نفاق کی پہچان کا دن تھا،
یومِ بدر قیامت تک حاصل ہونے والی اسلامی فتوحات کے آغاز کا دن تھا۔ مجاہدین ہی نہیں کسی مشرک بھی مختلف شکلوں میں غیبی امداد کا ظہور دیکھ چکے تھے۔

لیکن جو لوگ میدانِ بدر سے دوڑ بیٹھے تھے انہیں قریشی لشکر کی

انتقام انتقام کی صدا تین |
شکست کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ مدینہ کے منافق اور یہودی اس خبر کو گپ قرار دے رہے تھے، مکہ کے مشرک اسے افواہ کا نام دے رہے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابن حابس خزاعی سب سے پہلے مکہ پہنچا اور جا کر شکر قریش کا حال سنایا تو صفوان بن امیہ کہنے لگا یہ پاگل ہو گیا ہے اور نہ جانے دیوانگی میں کیا یک رہا ہے (۱۳) لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا تھا جب دو سے لوگوں نے بھی آکر بدر کی ذلت آمیز شکست کی تصدیق کر دی تو گھر گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدائیں بلند ہونے لگیں، ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک اس شکست کا بدلہ نہیں لوں گا اس وقت تک زندگی کے ہر عیش اور آرام کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گا۔ اس کی بیوی ہندہ نے بھی یہی قسم کھائی۔ اس کا باپ عتبہ، بھائی شیبہ اور بیٹا حنظلہ قتل ہو گئے تھے اور دو سر ابیٹا گرفتار ہو گیا تھا۔ قریش مکہ کے یہی انتقامی جذبات تھے جن کے نتیجے میں غزوہ اُحد برپا ہوا۔

النَّشَارُ اللّٰهُ اَكْبَرُ جَمْعُهُ غَزْوَةٌ اُحُدٌ هِيَ كَيْسُ بَارِئٍ فِي بَيَانِ هُوَ كَا

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حوالہ جات

- (۱) سورة البقرہ آیت ۱۹۳
- (۲) البقرہ آیت ۱۰۹
- (۳) زاد المعاد ص ۳۷۲ ج ۱
- (۴) زاد المعاد ص ۳۴۲-۳۴۳ ج ۱
- (۵) البقرہ آیت ۲۴۹
- (۶) زاد المعاد ص ۳۴۲ ج ۱
- (۷) زاد المعاد
- (۸) مشکوٰۃ شریف ص ۷۰۳
- (۹) صحیح مسلم
- (۱۰) خصائص الکبریٰ
- (۱۱) ابن سعد طبقات ص ۳۲۱ ج ۱
- (۱۲) مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۵۱

غزوة اُحُد

غنیمت کی طلب میں بن گئے نادان، چل نکلے
 کیا پشتے کو خالی اور پشتیاں چل نکلے
 ہوتی کمزوری ملت نگاہ و دل کی ناچاتی
 فقط ابن جہیر اور چند ساتھی رہ گئے باقی
 یہ چند افراد ٹیلے پر بدستور اب بھی قائم تھے
 شہادت کی طلب تھی زخم ہی ان کے غنائم تھے

(حفیظ جالندھریؒ)

» ایک طرف اعلیٰ ہبل کے نعرے تھے، دوسری طرف یا حی
یا قیوم اور اللہ اکبر کی صدائیں تھیں
ایک جانب امیر حمزہؓ تھے، ابو دجانہؓ تھے، علی بن ابی طالبؓ تھے
سعد بن ابی وقاصؓ تھے، ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے، عکاشہ بن محصنؓ
تھے، زبیر بن عوامؓ تھے اور مصعب بن عمیرؓ تھے۔
دوسری جانب خالد بن ولیدؓ تھے، عمرو بن عاصؓ تھے، ابوسفیانؓ
تھے اور صفوان بن امیہؓ تھے
خواتین ادھر بھی تھیں، ادھر بھی تھیں، مسلمان خواتین مجاہدوں
کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ اور مشرک
خواتین دف بجاتی تھیں، شہوت انگیز گانے گاتی تھیں، وصل کے
وعدوں سے خون کو گرماتی تھیں۔
جذبات دونوں طرف تھے، ادھر انتقام کا جذبہ تھا ادھر
جہاد کا جذبہ تھا، ادھر جاہلیت کا جذبہ تھا ادھر شہادت کا
جذبہ تھا «

غزوة احد

رَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَا بَعْدُ :

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا یعنی

إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بَاذِنِينَ ۖ اس وقت جب کہ تم کافروں کو اس

حَتَّىٰ إِذَا فِئْتُمْ وَتَنَارَعْتُمْ ۖ کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں

فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ ۖ تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو

مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ ۖ دکھا دیا اس کے بعد تم نے ہمت ہار دی

مَا تُحِبُّونَ ۚ وَمِنكُمْ مَّن ۖ اور (پیغمبر کے) حکم میں جھگڑا کرنے

يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُمْ ۖ لگے اور اللہ کی نافرمانی کی، بعض تو تم میں

مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ شَاءَ ۖ سے دنیا کے خواستگار تھے، بعض آخرت

صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ کے طالب، پھر اس وقت اللہ نے تم کو

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو ۖ ان کے مقابلہ سے پھیر کر بھگا دیا تاکہ

فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ تمہاری آزمائش کرے اور اس نے

تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ مومنوں

(۱)

پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

محترم سامعین! آج کی نشست میں غزوة احد کے مختصر حالات

بیان کرنا چاہتا ہوں اور ان کے بیان کرنے سے اصل مقصد یہ ہے کہ کہنے والے اور سنتے والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ جذبہ جہاد بھی زندہ فرمادے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی محبت بھی ہمارے مردہ دلوں میں پیدا ہو جائے۔

آپ سن چکے ہیں کہ غزوہ بدر کی ذلت آمیز شکست سے مکہ کے ہر گھر میں ماتم کی صف بچھ گئی تھی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کی صدا اٹیں بلند ہونے لگی تھیں، مکہ کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو واقعہ بدر سے متاثر نہ ہوا ہو، کسی کا باپ قتل ہوا تھا، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی اور کسی کا کوئی دوسرا عزیز۔

پھر جو سردار گرفتار ہوئے تھے، ان کی گرفتاری بھی ذلت تھی اور پھر ان کا جو فدیہ ڈھائی لاکھ درہم دینا پڑا تو یہ بھی ذلت تھی۔ قریش کے باقی ماندہ سرداروں نے ذلت کا داغ دھونے اور بدر کے مقتولین کا انتقام لینے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں چنانچہ ایک سال کی تک دو کے بعد انہوں نے تین ہزار کا لشکر تیار کر لیا جس میں تین ہزار اونٹ، دو سو گھوڑے اور سات سو زرہ پوش سپاہی تھے، ابوسفیان کو اس لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا گیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ایک خفیہ خط کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی خفیہ تیاریوں کی اطلاع دے دی تھی بعد میں دو سے ذرائع سے بھی لشکر قریش کی مدد کی جانب روانگی کی تصدیق ہو گئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عادت کے مطابق صحابہ سے مشورہ کیا اور ان کی رائے معلوم کی، بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں

رہتے ہوئے دفاع کیا جائے جبکہ پُر جوش صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر مدافعت کو دشمن ہماری بزدلی سمجھے گا لہذا مدینہ سے باہر نکل کر اس کا مقابلہ کیا جائے بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر نکل کر ہی دشمن سے پنجہ آزمائی کا فیصلہ کیا اور آپ ایک ہزار صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے لیکن ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا اس نے کہا یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے۔ (۳)

میں بزرگوں اور دوستوں! ہم دیکھتے ہیں **عالی دماغ سپالار** کہ کوئی بہترین خطیب ہوتا ہے لیکن تدریس نہیں کر سکتا، کوئی تدریس کر سکتا ہے تو تقریر نہیں کر سکتا، ایک شخص بڑا ذاکر، شاعر اور صوفی صافی ہوتا ہے لیکن تجارت کی الفیہ بھی نہیں جانتا، دوسرا بڑا ماہر تاجر ہوتا ہے لیکن اسے ذکر و شغل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، ایک شخص بڑا تجربہ کار حکیم اور طبیب ہوتا ہے لیکن عربی معاملات میں بالکل کورا ہوتا ہے، دوسرا عربی امور کا ماہر ہوتا ہے لیکن طب کی دنیا کی اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔

لیکن میں نے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیک وقت بہترین خطیب بھی تھے، اعلیٰ درجے کے مزگی اور مرتبی بھی تھے، تجربہ کار تاجر بھی تھے، بے مثال حکیم اور طبیب بھی تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک عالی دماغ سپالار بھی تھے۔

وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی اعلیٰ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی اور جن کی ساری زندگی جنگی معاملات میں بحث و تحقیق کرتے گذر گئی اور جنہوں نے

دنیا بھر کے جنگجوؤں اور سپہ سالاروں کے حالات کا بڑی دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے وہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی جنگوں اور ان میں آپ کی دفاعی اور اقدامی تدابیر کا گہری نظر سے جائزہ لیتے ہیں تو سر ٹکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں کہ مکہ کی وادیوں میں جبریا چرانے والے اتنی نبی نے یہ جنگی چالیں کہاں سے سیکھیں اور ان میں سے جو لوگ تعصب سے پاک ہوتے ہیں وہ اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے بہترین سپہ سالاروں میں سے تھے۔

غزوہٴ احد ہی کو لیجئے آپ نے تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے اہم مورچوں پر قبضہ کر لیا اور صف بندی اس طرح کی کہ کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاتے، آپ نے پچاس تیر اندازوں کو جبل عینین پر متعین کر دیا تاکہ پیچھے سے حملے کا خطرہ نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور انہیں تاکید کر دی کہ یہاں فتح ہو یا شکست تم کسی صورت بھی یہاں سے نہ ہٹنا (۴)

سن ہجری تین اور شوال کی سات تاریخ تھی، عیسوی سال ۶۲۵ء اور مارچ کی ۲۳ تاریخ اور ہفتے کا دن تھا

آغازِ جنگ

سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی لڑائی شروع ہو گئی اور موقتہ اور مشرک ایک دوسرے سے ٹکرا گئے۔ (۵)

ایک طرف اُعدا ہُبل کے نعرے تھے، دوسری طرف
یا حییٰ یا قیوم اور اللہ اکبر کی تکبیریں تھیں۔

ایک جانب امیر حمزہ رضی اللہ عنہ، ابو جہل رضی اللہ عنہ تھے، علی بن ابی طالب تھے،

سعد بن ابی وقاص تھے، ابو عبیدہ بن جراحؓ تھے، عکاشہ بن محسنؓ تھے،
زبیر بن عوامؓ تھے اور مصعب بن عمیرؓ تھے۔

دوسری جانب خالد بن ولید تھے، عمرو بن عاص تھے، ابوسفیانؓ
تھے، صفوان بن امیہ تھے۔

خواتین ادھر بھی تھیں ادھر بھی تھیں، مسلمان خواتین مجاہدوں
کو پانی پلاتی تھیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں اور مشرک خواتین دف
بجاتی تھیں، شہوت انگیز گانے گاتی تھیں، وصل کے وعدوں سے
خون گرماتی تھیں، وہ صاف صاف کہہ رہی تھیں :

سینے پہ چر کے کھاؤ گے ہم سے گلے مل جاؤ گے
گر بزدلی دکھلاؤ گے آغوشِ بستر پاؤ گے (۶)

جذبات دونوں طرف تھے، ادھر انتقام کا جذبہ تھا، ادھر جہاد
کا جذبہ تھا، ادھر جاہلیت کا جذبہ تھا، ادھر شہادت کا جذبہ تھا۔
مسلمانوں کے جذبہ شہادت کو دیکھنا ہو تو ان
دو دوستوں کی دعا حدیث کی کتابوں میں دیکھ لیجئے
جن میں سے ایک حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرے
عبداللہ بن ابی جحش رضی اللہ عنہ تھے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے دونوں ایک طرف ہو گئے اور کہنے
لگے او دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری آرزو پوری فرمادے، میں
دعا کروں تو تم آمین کہنا اور تم دعا کرو گے تو میں آمین کہوں گا۔
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بارگاہِ رب العالمین میں ہاتھ اٹھا
اور آنسوؤں کی برسات میں عرض کیا اے بارِ الہ! جب میدانِ کارزار

گرم ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے کافر سے ہو جو بڑا بہادر اور غضب ناک ہو میں دیر تک اس سے لڑتا رہوں یہاں تک کہ میں اس پر غالب آ جاؤں اور اسے قتل کر دوں، حضرت عبداللہ نے کہا آمین۔

اب حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی باری آئی، انھوں نے ہاتھ اٹھائے اور بڑے خشوع خضوع سے عرض کیا: اے زندگی اور موت کے مالک! میرا بھی مقابلہ کسی غضب ناک اور زور آور مشرک سے ہو میں بہت دیر تک لڑتا رہوں یہاں تک کہ وہ مجھے شہید کر دے اور اسی پر اکتفا نہ کرے بلکہ میری لاش کا مشلہ کرے، اپنا غصہ اتارے، میرے کان اور ناک کاٹ دے تاکہ کل قیامت کے دن جب میں تیرے روبرو پیش ہوں تو تو مجھ سے پوچھے اے میرے بندے! تیرا یہ حال کیونکر ہوا تو میں عرض کروں کہ اے میرے جسم و جان کے مالک! میری ناک اور کان کاٹے گئے تیرے لئے،

میرے ہونٹ پھاڑے گئے تیرے لئے،

میری آنکھیں نکالی گئیں تیرے لئے،

میرا پیٹ چاک کیا گیا تیرے لئے،

اور میری گردن کاٹی گئی تیرے لئے،

مگر حق تو یہ ہے کہ میں پھر بھی تیرا حق ادا نہ کر سکا۔

اور میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری بات سن کر کہہ دے کہ میرے

بندے تو واقعی سچ کہتا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنگ ختم ہوئی

تو میں نے دیکھا کہ میرے دوست کی دعا قبول ہو چکی، اسکی مثلہ شدہ لاش

ہمارے سامنے تھی، اس لئے ان کا نام ہی «مُجَدِّعُ فِي اللَّهِ» مشہور ہو گیا، یعنی ایسا شخص جس کے کان اور ناک اللہ کی راہ میں کاٹے گئے۔

شہادت کے متوالے | یہ جذبات صرف حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبداللہ بن جحش

رضی اللہ عنہما کے نہ تھے بلکہ یہاں تو جو بھی تھا وہ شہادت کا متوالا تھا اور ایمانی جذبات سے شہرت تھا۔ وہ ہماری طرح حجاب و نہیں مجاہد تھے۔

موت سے خوفزدہ نہیں موت سے آنکھیں لڑانے والے تھے،
باتوں کے کھلاڑی نہیں عمل کے بادشاہ تھے،
جانیں تھیلیوں پر لیے پھرتے تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہاتھ میں لہراتے ہوئے فرمایا: «کون ہے جو اسے لے اور اس کا حق ادا کرے»

حضرت ابو جابر نے پوچھا یا رسول اللہ اس کا حق کیا ہے آپ نے

فرمایا:

«دشمن کے منہ پر مارو کوئی کافر بچنے نہ پائے اور کوئی مسلمان

اس سے مارا نہ جائے»

انہوں نے عرض کیا اس کا حق میں ادا کروں گا اور پھر واقعی انہوں

نے اس تلوار کا حق ادا کر دیا۔

حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا وہ

جبر بھی نکل جاتے صفوں کو درہم برہم کر دیتے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر وحشی نے چھپ کر حملہ کیا، اس کا مارا ہوا

نیزہ ان کی ناف سے پار نکلی گیا، آپ شہید ہو گئے تو ہندہ نے نعش کا
مشلہ کیا، کان اور ہونٹ کاٹ دیئے اور آنکھیں نکال لیں اور ان
اعضاء کا بار بنالیا۔ (۸)

پانسہ پلٹ گیا غرضیکہ ہر مسلمان شہادت کا متوالا اور ایمانی
جذبات سے سرشار تھا اور اسی سرشاری اور شجاعت

کا نتیجہ تھا کہ مشرک میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے، ان کی عورتیں جو
مردوں کو غیرت دلانے کے لئے ساتھ آئی تھیں وہ بھی پانسے اٹھا کر
بھاگتی نظر آرہی تھیں۔ یوں محسوس ہوا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے اور دشمن
میدان سے منہ پھیر گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ دشمن کی ایک چال
تھی ایسی چال جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ مجاہدین اسلام
بھاگتے ہوئے دشمن کو چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے۔

غضب یہ ہوا کہ عینین کی پہاڑی پر چوچ پاس تیرا اندازہ تھے وہ بھی اپنی
جگہ سے ہٹ گئے اور مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ان
کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی تاکید اور قول و اقرار یاد کراتے رہ گئے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔ خالد
بن ولید جو اس وقت حضرت خالد بن بنی تملہ تھے وہ موقع کی تاک میں تھے
جب انہوں نے پہاڑی چوٹی کو خالی دیکھا تو چپکے کاٹ کر پیچھے سے
زوردار حملہ کر دیا انہیں دیکھ کر شکست کھائے ہوئے مشرک بھی واپس
پلٹ آئے اور مسلمان گویا چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پھنس کر رہ گئے۔
ایسی افراتفری پھیلی کہ مسلمانوں کی تلواریں پس ہی میں ٹکرانے لگیں۔ (۹)
اللہ کے نبیؐ کے حکم کی مخالفت جیتی ہوئی جنگ کے شکست میں

بدل دیا اور مشرکوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی کہ انہوں نے شمعِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گل کرنے کا عہد کر لیا۔ اور وہ یورش کرتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس وقت آپ کو ایک پتھر آ کے لگا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید ہوا، اور ہونٹ کٹ گیا۔ ایک پتھر سر پر لگا جس نے پیشانی لہولہاں کر دی، آپ چہرہ اقدس سے خون پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے تھے: « وہ قوم کیسے کامیاب ہو سکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرے کو خون سے تر کر دیا، جو ان کو ان کے رب کی طرف بلاتا تھا۔ »

خود کی کڑیاں اندر گھس گئیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے خود کی ایک کڑی کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر اتنے زور سے کھینچا کہ کڑی کے ساتھ ان کا ایک دانت بھی گر پڑا، دوسری کڑی نکالی تو دوسرا دانت بھی اس کے ساتھ آ گیا لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ان دانتوں کے گرنے سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے حسن میں کمی آنے کے بجائے اور اصناف ہو گیا تھا۔

حضرت قتادہ بن سحمان کی آنکھ پر ایسی ضرب آئی کہ آنکھ نکل کر ان کے رخسار پر آ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اسی جگہ کر دیا، وہ آنکھ ایسی اچھی ہو گئی کہ اس کی بصارت پہلی آنکھ سے بھی تیز ہو گئی۔ (۱۰)

بے مثال جانثاری | غرضیکہ محبت اور جانثاری کی ایسی مثالیں غزوہ اُحد میں قائم ہوئیں جن کی مثال پیش کرنے سے زمانہ قاصر ہے۔ جب آپ پر مشرکوں نے

ہر طرف سے حملہ کر دیا تو آپ نے فرمایا: « کون ہے جو میرے لئے اپنی جان فروخت کرتا ہے »

تقریباً دس جانثار آپ کے سامنے آگئے اور سب ایک ایک کر کے شمع رسالت پر قربان ہو گئے۔

پھر حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا اور تیروں کو روکنا شروع کیا یہاں تک کہ ساری انگلیاں زخموں سے لہولہان ہو گئیں اور ہاتھ مفلوج ہو گیا۔ (۱۱)

حضرت ابو دجانہ نے آپ کو اپنے گھیسے میں لے لیا اور تیروں کی بارش اپنی کمر پر روک لی، ان کی پیٹھ چھپلنی ہو گئی مگر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی۔

حضرت زیاد بن سکن رضی اللہ عنہ آپ کی حفاظت کے لیے لڑتے لڑتے زخموں سے چور ہو کر گر پڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو میرے قریب لے آؤ، لوگوں نے ان کو اٹھا کر آپ کے سامنے لٹا دیا اور پھر ان کی جان اس حالت میں نکلی کہ ان کے رخسار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر تھے۔ یوں عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں سامنے کھڑے ہو کر دشمن پر تیر چلاتے رہے آپ ایک ایک تیر ان کو اپنے دست مبارک سے عنایت فرماتے اور ارشاد فرماتے اِرمِ فداک اُبی و اُمّی تم پر میرے ماں باپ قربان ہوں اسی طرح تیر چلاتے رہو۔

خوفناک افواہ

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مخلص اور باوفا جانثاروں میں سے تھے جن کی تلاش میں فلک کو برسوں سرگرداں رہنا پڑتا ہے، اسلامی جھنڈا ان کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔ ابن قتیہ نے ان پر ایسا اوجھاوار کیا جس سے ان کا دایاں ہاتھ کہتی سے کٹ گیا، انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں اٹھالیا ابن قتیہ نے گھوڑا پھیر کر دوسری جانب حملہ کیا تو بائیں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر نے جھنڈے کو تھام کر سینے سے چمٹالیا، ابن قتیہ کے غضب کی حد نہ رہی کہ یہ شخص جھنڈا گرنے ہی نہیں دیتا اس زور سے نیزے کو سینے میں اتار دیا حضرت مصعب رضی اللہ عنہ نے لگے تو ان کے بھائی ابوالروم نے بھائی کو تو گرنے دیا لیکن اسلامی جھنڈے کو گرنے نہ دیا بلکہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

حضرت مصعب رضی اللہ عنہ شکل و صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔ ابن قتیہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا ہے۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اس خوفناک افواہ نے مسلمانوں کو تین طرح کی جماعتوں میں تقسیم کر دیا ایک وہ تھے جو بہت بار بیٹھے اور ان کا خیال تھا کہ اب لڑنے سے کیا فائدہ۔

دوسرے وہ تھے جن کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جینے کا کیا مزہ؟ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے انہیں جب کچھ لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شہید کر دیئے گئے ہیں تو بول اٹھے پھر ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے؟
 ارے اوہم بھی اپنے محبوب کی خدمت میں پہنچ جائیں، تلوار سونٹے
 ہوئے مردانہ وار جا رہے تھے کہ راستہ میں حضرت سعد بن معاذ
 رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی، انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟
 جواب دیا کہ مجھے اُحد کے سامنے سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ اتنی
 بے جگری سے لڑے کہ دشمن کے چھلکے چھوٹ گئے۔ بالآخر شہادت کا
 تاج پہن کر آقا سے پہلے عالم بالا میں پہنچ گئے۔

شہداء کو جمع کیا گیا تو ان کے جسم پر اتنے زخم تھے کہ لاش کا
 پہچاننا مشکل تھا، جسم پر تلوار اور نیزہ کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔
 بہن نے انگلیوں کے پورے دیکھ کر شناخت کیا کہ میرا بھائی ہے۔
 تیسرا گروہ وہ تھا جو آہنی دیوار بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی حفاظت کرتا رہا۔

اس افواہ اور اس کے عمل اور ردِ عمل کے حوالے سے یہ آیت کریمہ

نازل ہوئی :

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ	(حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) صرف رسول
فَدَخَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ	ہی ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے
الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ	ہیں، کیا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ
قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى	شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے اپنے
أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ	ایڑیوں کے بل پھر جاوے؟ اور جو کوئی پھر
عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ	جائے اپنے ایڑیوں پر تو سرگزر اللہ تعالیٰ کا کچھ
شَيْئًا وَسَيُجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ	نہ بگاڑے گا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں

کو نیک بدلہ دے گا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تقریباً چودہ محافظوں کے حصار میں تھے پھر اور لوگوں کو بھی آپ کی موجودگی کی خبر ملی تو وہاں جمع ہونے لگے، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر نعرہ لگایا مسلمانو! ہمارا آقا زندہ و سلامت ہیں، اس خبر سے مسلمانوں میں دوبارہ جماؤ پیدا ہو گیا۔

ابوسفیان نے پہاڑ کے اوپر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو سنا کر نعرہ لگایا
 «لنا العزى ولا عزی لکم (ہمارے پاس عزتی (بت) ہے اور تمہارا کوئی پاس کوئی عزتی نہیں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابہ نے جواب دیا :
 اللہ مولانا ولا مولی لکم (اللہ ہمارا سرپرست ہے اور تمہارا کوئی سرپرست نہیں)

ابوسفیان یہ کہہ کر واپس لوٹ گیا کہ آئندہ **کیسے لوگ تھے وہ** سال بدر میں ہمارا تمہارا مقابلہ ہوگا۔ بعد میں اسے خیال آیا کہ میرا لڑنے کا فیصلہ غلط تھا، لوگوں نے بھی لعن طعن کی کہ ہمیں مسلمانوں کی سرکوبی کا بڑا اچھا موقع ملا تھا لیکن ہم نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔

دوسری جانب اتوار کی صبح کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا کہ لوگ دشمن کے تعاقب کے لئے نکل کھڑے ہوں اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کہ اس جنگ میں ہی شریک ہو سکتا ہے جو کل اس جنگ میں شریک تھا۔

اللہ اکبر! کیا عجیب حکم تھا اور کیسے حالات میں یہ حکم تھا۔

صورت یہ تھی کہ ستر شہیدوں کو ابھی کل ہی دفن کیا ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہ تھا جسے زخم نہ لگا ہو اور وہ اس جنگ سے متاثر نہ ہوا ہو لیکن اس حکم کی تعمیل میں ہر مسلمان تعاقب کے لئے چل کھڑا ہوا، کوئی ایک شخص بھی ایسا نہ تھا کہ جس نے زخموں کا یا تھکاوٹ کا بہانہ کر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا ہو۔ اور یہ زخم خوردہ لشکر چلتے چلتے مدینے سے آٹھ میل دور حرارہ الاسد کے مقام تک پہنچ گیا اور وہاں اس نے تین دن تک قیام کیا۔ (۱۴)

اس تعاقب نے ایک طرف تو مشرکوں پر رعب طاری کر دیا اور دوسری طرف رب کریم نے ان کے ایمان پر مہر ثبت کر دی اور اس نے اپنی لافانی کتاب میں ایثار و وفا کے سپکروں کا ان پر شکوہ الفاظ میں تذکرہ کیا :

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ
الرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ الَّذِي
اَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا
اَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ
قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِذَا
النَّاسُ قَدَّ جَمَعُوا لَكُمْ
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ
اِيْمَانًا ۗ وَاَقَالُوا حَسْبُنَا اللهُ
وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ فَاَنْقَلَبُوا

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لیے بہت زیادہ اجر ہے۔ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلے پر شکر جمع کر لیے ہیں، تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے (نتیجہ ہوا کہ)

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانِ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝
 إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا مِنِ
 اللَّهِ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۵)

اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے، انہیں کوئی برائی نہ پہنچی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی پیروی کی، اللہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف نہ رکھو، اگر تم مؤمن ہو۔

ان کُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۵)

میرے بزرگو اور دوستو! جنگ میں فتح یا شکست تو ہوتی رہتی ہے لیکن غزوہ اُحد کی ناہری شکست کے باوجود مجاہدین اسلام نے ایثار و وفا اور سلیم و رضا کی جو اعلیٰ مثالیں قائم کیں ان میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کے اتنے پہلو ہیں کہ ہم ان سے اپنی بگڑی ہوئی اجتماعی زندگی کی نوک پلک سنوار سکتے ہیں۔ یہ پہلو خاص طور پر پیش نظر رکھیں کہ اگر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی خلاف ورزی جیتی ہوئی جنگ کو شکست میں بدل سکتی ہے تو آج جو ہم قدم قدم پر اپنے آقا کی تعلیمات اور ارشادات کی خلاف ورزی کر رہے ہیں اور سنتوں کا مذاق اڑا رہے ہیں تو ہم اپنی باری ہوئی جنگ کو فتح میں کیسے تبدیل کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اسے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حوالہ جات

- (۱) آل عمران آیت ۱۵۲
- (۲) ابن اثیر ۲۳۸ - تاریخ ابن خلدون ص ۱۰۴
- (۳) مسعودی تنبیه الاشراف ص ۶۱
- (۴) ابن اسحاق ، نقوش رسولؐ نمبر ص ۳۴۲ ج ۱۱
- (۵) کامل ابن اثیر ص ۲۳۷ - زاد المعاد ص ۱۹۹ ج ۲
- (۶) حفیظ جالندھری ، شاہنامہ ص ۲۶۰ ج ۳
- (۷) ابن حزم ، جوامع السیرة ص ۱۷۶ ج
- (۸) سیرت ابن اسحاق نقوش رسولؐ نمبر ص ۳۵۱ ج ۱۱
- (۹) سیرت احمد مجتبیٰ ص ۴۲۸
- (۱۰) سیرت ابن ہشام ص ۸۲ ج ۲
- (۱۱) ابن ہشام ص ۷۶ ج ۲ - زاد المعاد ص ۳۵۰ ج ۱
- (۱۲) ابن ہشام ص ۸۱ ج ۲
- (۱۳) ابن ہشام ص ۸۳ ج ۲
- (۱۴) سیرت مصطفیٰؐ کا ذہلوی ص ۶۰۰ ابن اثیر ص ۲۶۴
- (۱۵) آل عمران آیت ۱۷۲ - ۱۷۳ - ۱۷۴ - ۱۷۵

غزوة خندق

اڑھادی چادرِ حیرت فلک پر اس نظارے نے
 لیا دستِ مبارک میں کدال اللہ کے پیارے نے
 زبانِ پاک سے اللہ اکبر کی صدا نکلی
 لگائی ایک ضرب ایسی کہ پتھر سے ضیا نکلی
 یہ نظارے فتوحاتِ ممالک کے اشارے تھے
 نبیؐ کے ہاتھ نے سب کامِ امت کے سنوارے تھے
 (حفیظ جالندھریؒ)

” غزوة خندق کے اصل محرک یہود تھے جو ابھی تک میدانِ جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آئے تھے بس خفیہ سازشوں ہی میں لگے ہوئے تھے۔“

اصل میں حضور سلی اللہ علیہ وسلم کا عروج یہود کا زوال تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت یہود کی ذلت تھی، حضور سلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت یہود کی رذالت تھی۔ مسلمانوں کی خوش حالی یہود کے لیے فقر و فاقہ کا پیغام تھا۔ اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کے آئینے میں انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دے رہا تھا۔

اور یاد رکھئے میرے مسلمان بھائیو! آج کے یہودی بھی ریشہ دوانیوں پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ کل بھی مسلمانوں کے دشمن تھے، یہ آج بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں، وقت بدلا ہے، شہر بدلے ہیں، ملک بدلے ہیں، ملکوں کے دستور بدلے ہیں، نسلیں بدلی ہیں، زبانیں بدلی ہیں، رہن سہن بدلے ہیں، معاشرتی طور طریقے بدلے ہیں لیکن یہودیوں اور اسلام دشمنوں کی ذہنیت نہیں بدلی ان کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی،“

غزوة خندق

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! یاد کرو احسان
 اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اللہ نے اپنے اویر جب چڑھا آئیں تم پر
 اِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر ہوا
 فَا مَرَّسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں
 وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ط اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا
 وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ
 بَصِيرًا ﴿۱۱﴾

میرے بزرگوار اور دوستو! کئی جمعوں سے مسلسل سرورِ کائنات
 صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت بیان کر رہا ہوں اور مقصد یہ ہے کہ
 آپ کی پاک سیرت کے سننے سنانے کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی پاک
 ہونے کی توفیق نصیب فرمائے۔

آپ کی سیرت نور کا منبع ہے، اس کے سننے سنانے سے،
 اپنانے سے اور عمل کرنے سے نور پھیلتا ہے۔ شہروں میں نور، بازاروں

میں نور، گلیوں میں نور، گھروں میں نور، زندگیوں میں نور، دلوں میں نور، آنکھوں اور کانوں میں نور۔ ہر طرف نور ہی نور پھیل جاتا ہے آپ کی سیرت مُشک و عنبر اور عود سے کہیں زیادہ قیمتی خوشبو ہے اس خوشبو کے تذکرہ سے پھولوں کو خوشبو حاصل ہوتی ہے اور گلشن مہک اٹھتے ہیں۔

آپ کی صحیح سیرت، اخلاص کے ساتھ بیان کرنے سے کم ہمت باہمت ہو جاتے ہیں، بزدل بہادر بن جاتے ہیں، بے عمل باعمل بن جاتے ہیں، کنجوس سخی بن جاتے ہیں، مردہ زندہ ہو جاتے ہیں، موت سے ڈرنے والے موت سے آنکھیں لڑلے لگتے ہیں۔

اس لئے آپ کی سیرت بار بار پڑھنی چاہئے، بار بار سننی چاہئے اور بار بار سنانی چاہئے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے واعظوں اور خطیبوں نے میرے آقا کی سیرت کو بھی ناول اور افسانہ بنا دیا، یہ لوگ میرے آقا کی سیرت میں من گھڑت روایتوں اور جھوٹی حکایتوں کی پیوند کاری لازم سمجھتے ہیں۔ کیسے لوگ ہیں جو ریشم میں ٹاٹ کا پیوند لگاتے ہیں، مشک اور عنبر کو خوشبودار بنانے کے لئے اس میں مٹی کا تیل ملاتے ہیں، گلاب کے پھولوں کی مالامالیں کبیر کے کانٹے بھی ڈال دیتے ہیں کئی ایسے پیٹ کے سچاری ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ پینے، شہد کھانے اور میٹھا پینے کا تذکرہ تو کرتے ہیں مگر علاء کلمۃ اللہ کے لیے جان لڑانے، تکلیفیں اٹھانے، پتھر کھانے اور زخمی ہونے کا تذکرہ نہیں کرتے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفوں کا بیان کرتے ہیں، آپ کے رخساروں کا بیان

کرتے ہیں، آپ کی رنگت کا بیان کرتے ہیں لیکن آپ کی تلوار کا بیان نہیں کرتے، آپ کی ڈھال کا بیان نہیں کرتے، آپ کے نیزوں کا بیان نہیں کرتے، آپ کی جنگی سوار یوں کا بیان نہیں کرتے۔ میراجی چاہتا ہے کہ میں اپنے آقا کے تمام غزوات کا تذکرہ کروں لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں، ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ لوگ سن سن کر اکتانہ جائیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سالہ مدنی دور میں ستائیس جنگوں میں خود حصّہ لیا اور ساٹھ لڑائیوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ گویا صرف دس سالہ مدنی دور میں ستاسی جنگیں ہوئیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر سال کم از کم آٹھ جنگیں ہوتی تھیں۔ اب آپ خود سوچیے کہ ان میں سے کس کس جنگ کا تذکرہ کیا جائے؟

لہذا آپ لوگوں کو اکتاہٹ سے بچانے کے لیے ان میں سے صرف چند غزوات کے تذکرہ پر اکتفا کرنا چاہتا ہوں اور ان غزوات کی بھی پوری تفصیل بیان نہیں کر رہا ہوں بلکہ ان کی چند جھلکیاں دکھا رہا ہوں اور ان کا مقصد بھی یہ ہے کہ سوائے مسلمان کو بتاؤں کہ وہ آقا جس کے نام کی برکت سے تجھے مسلمان ہونا نصیب ہوا اور وہ صحابہ جن کی بدولت تم تک ایمان کی روشنی پہنچی ان کا کردار کیا تھا، ان کے شب و روز کیسے تھے، ان کے اندر کتنی شجاعت، کتنی غیرت اور کتنا ایثار تھا، وہ جذبہ جہاد سے کیسے شرشار تھے، وہ شہادت کے کیسے متوالے اور دشمنانِ دین سے ٹکرانے کے کیسے شائق تھے۔

غزوہ خندق | یہی جھلکیاں دکھانے کے لئے غزوہ بدر اور

غزوة احد کا تذکرہ کر چکا ہوں اور آج کی نشست میں میں آپ کے سامنے غزوة خندق کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، اسے غزوة احزاب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ کئی جماعتیں مسلمانوں کے خلاف جتھا بنا کر ایک ہو گئی تھیں اور یہودیوں اور مشرکوں اور ان کے حلیفوں نے مل کر اسلامی شمع گل کرنے پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور اسے غزوة خندق اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس موقع پر خندق کھود کر مدینہ کی حفاظت کی گئی تھی۔

غزوة خندق کے اصل محرک یہود تھے جو ابھی تک میدان جنگ میں مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں آئے تھے بس خفیہ سازشوں ہی میں لگے ہوئے تھے۔ اور یاد رکھیے میرے مسلمان بھائیو! کہ آج کے یہود بھی ریشہ دوانیوں پر لیتین رکھتے ہیں، یہ کل بھی مسلمانوں کے دشمن تھے یہ آج بھی مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ وقت بدلا ہے، شہر بدلے ہیں، ملک بدلے ہیں، ملکوں کے دستور بدلے ہیں، مواصلاتی ذرائع بدلے ہیں، نسلیں بدلی ہیں، زبانیں بدلی ہیں، رہن سہن بدلے ہیں، معاشرتی طور طریقے بدلے ہیں لیکن یہودیوں اور اسلام دشمنوں کی ذہنیت نہیں بدلی، ان کی سوچ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عروج یہود کا زوال تھا،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت یہود کی ذلت کی نشانی تھی،
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت یہود کی ذلت تھی،
مسلمانوں کی خوشحالی یہود کے لیے فقر و فاقہ کا پیغام تھا،
ان کی مذہبی سیادت ٹھپ ہو کر رہ گئی تھی،
ان کی معیشت تباہ ہو چکی تھی،

اسلام کی ابھرتی ہوئی طاقت کے آئینے میں انہیں اپنا مستقبل
تاریک دکھائی دے رہا تھا،
انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر اس وقت مسلمانوں کا قلع جمع نہ کیا گیا
تو پھر ان سے نمٹنا ناممکن ہو جائے گا گویا کہ اب یا پھر کبھی نہیں الی
صورت حال تھی۔

انہوں نے سارے عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانے کے لیے
اپنی بند تھیلیوں کے منہ کھول دیئے۔
مکہ کے مشرک تو پہلے ہی جلے بھنے بیٹھے تھے وہ اپنے سرداروں
کے قتل کا انتقام لینے کے لیے موقع کے منتظر تھے۔
یہود نے بھڑکانے اور للچانے کا ہر طریقہ اختیار کیا۔ اسی طرح
قریش کو، بنو عطفان کو، بنو سلیم اور فزارہ سب کو مدینہ پر حملہ
آور ہونے کے لیے تیار کر لیا۔^(۱)

سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ریشہ دوانیوں
دفاعی تیاریاں کی اطلاع ملی تو آپ نے دفاعی تیاریاں
شروع فرمادیں۔ آپ نے اپنی سنت اور دستور کے مطابق صحابہ
کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کفار کی متحدہ طاقت کا کیسے مقابلہ
کیا جائے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو ایران کے رہنے والے
تھے انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہمارے ہاں ایران میں
ایسے موقع پر خندق کھود کر شہر کا دفاع کیا جاتا ہے۔^(۲) جب کہ ایک
تحقیق یہ بھی ہے کہ خندق کھودنے کا حکم بذاتِ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے دیا تھا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالی تھی۔^(۳)

بہر حال کچھ بھی کہیں، آخری فیصلہ یہی ہوا کہ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے کے بجائے مدینہ کے اندر رہتے ہوئے ہی دفاع کیا جائے اور خندق اس طرح کھودی جائے کہ دشمن مدینہ میں داخل نہ ہو سکے صورت یہ تھی کہ مدینہ کے تین اطراف تو قدرتی طور پر محفوظ تھے اسلئے کہ کھجوروں کے گھنے باغات اور قلعہ نامکانات نے تین جانبوں کو گھیرا ہوا تھا، ادھر سے دشمن داخل نہیں ہو سکتا تھا، مدینہ کی صرف شمالی سمت کھلی ہوئی تھی وہاں سے دشمن آسانی سے داخل ہو سکتا تھا آپ نے اس مقام پر خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا یہ خندق معمولی نہیں تھی بلکہ پانچ ہزار گز لمبی، سات گز گہری اور نو گز چوڑی تھی، دس دس آدمیوں نے چالیس چالیس گز خندق تیار کی تھی^(۵) بعض روایتوں میں ہے کہ صرف چھ دنوں میں صحابہ کرام نے یہ خندق تیار کر لی تھی۔

ایمانی طاقت

حیرت ہوتی ہے کہ پتھر پالی زمین تھی، سخت سردی تھی، بھوک اور افلاس تھا، نہ کوئی مشین اور نہ ہی سابقہ تجربہ تھا پھر ایسی طویل عریض اور عمیق خندق اللہ کے بندوں نے اتنے مختصر وقت میں کیسے تیار کر لی، آپ جدنا بھی غور کر لیں بالآخر آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ صرف ایمانی طاقت تھی جس کی وجہ سے وہ اتنا بڑا کارنامہ انجام دینے میں کامیاب ہو گئے۔ خندق کھودتے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم ایمانی جذبے سے سرشار ہو کر یہ شعر پڑھتے تھے :

نحن الذین بایعوا محمدًا علی الاسلام ما بقینا ابداً^(۶)
ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے بیعت اسلام کی ہے۔

بہار ہو یا خزاں، امن ہو یا جنگ، سفر ہو یا حضر، غربت ہو یا ثروت، ہم ہر حال میں اور ہر مقام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کا ساتھ چھوڑنے والے کہاں تھے۔ خندق کھودنے میں، پتھر توڑنے میں اور مٹی ہٹانے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کے ساتھ شریک تھے۔ بخاری کی روایت ہے کہ کام کرتے کرتے سینہ مبارک کے بال مٹی سے چھپ گئے تھے۔ (۷)

پیروں کا پیر | ہاں میرے دوستو! میرا آقا پیروں کا پیر تھا لیکن وہ جہد و ایثار والا پیر تھا، محبت اور پیار والا پیر تھا، جہاد محنت اور عمل والا پیر تھا۔ وہ مریدوں کے دکھ درد میں شریک ہونے والا پیر تھا

صحابہ بہنتے تھے، میرے آقا بھی بہنتے تھے، صحابہ غمگین ہوتے تھے میرے آقا بھی غمگین ہو جاتے تھے، صحابہ سیر ہو کر کھاتے تھے میرے آقا بھی کھا لیتے تھے، صحابہ بھوکے ہوتے تھے میرے آقا بھی بھوکے رہتے تھے۔

بعض صحابہ جو خندق کی کھدائی میں شریک تھے انہیں بھوکے نے ستایا تو کمر سیدھی کرنے کے لیے انہوں نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے اور جب معاملہ برداشت سے باہر ہو گیا تو اپنے آقا کے حضور بھوک کی شکایت کی، آقا نے اپنے جانثاروں کا حال سن کر نہ چاہتے ہوئے بھی اپنا راز فاش کر دیا اور دامن اٹھا دیا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آقا نے اپنی کمر سیدھی رکھنے کے لئے دو پتھر

باندھ رکھے ہیں (۸)

جب آپ نے اپنے صحابہ کو جوش خروش میں اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ بھی بلند آواز میں رواجہ کے یہ اشعار پڑھنے لگے
 اللَّهُمَّ لَوْلَا أَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا نَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
 اے اللہ! ہمیں تیرے سوا کہاں سے ہدایت مل سکتی تھی (تیری توفیق نہ ہوتی) تو ہم نمازیں کیسے پڑھتے زکوٰۃ کیسے دیتے
 فَأَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبَّتْ الْأَقْدَامَ إِنْ لَأَقِينَا
 تو اے اللہ! ہم پر سکینہ نازل فرما دے، اگر دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھنا۔

إِنِ الْأَعْدَاءُ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا ارَادُوا فِتْنَةَ إِبْنِنَا
 یہ دشمن ہم پر ظلم سے جڑھ آئے ہیں، یہ فتنہ گر ہیں لیکن ہم فتنہ سے انکار کرتے ہیں (۹)

عظیم سپہ سالار | میرے آقا دنیا کے انسانیت کے عظیم سپہ سالار تھے اور اس کا ثبوت دیکھنا ہو تو غزوات کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے۔ اسی غزوہ کو دیکھئے جو انتہائی ناموافق حالات میں ہو رہا تھا۔ ایک طرف عرب کے اکثر مشرکوں اور یہودیوں کا گٹھ جوڑ، مدینے کی اینٹ سے اینٹ سجا دینے کے دعوے دوسری طرف افلاس اور بھوک، تیسری طرف بادِ صرصہ کے طوفانی تھپڑے چوتھی طرف باہر کے دشمنوں کے ساتھ اندر کے دشمنوں یعنی یہودی بنو قریظہ کی طرف سے شرارتوں اور خباثتوں کا خطرہ — یہ وہ ہولناک حالات تھے جن میں میرے آقا سپہ سالاری فرما رہے تھے اور آپ کی

سارے منظر پر گہری نظر تھی، آپ نے اپنی روحانیت سے اپنی ذہانت سے اور اپنی محبت سے کچھ ایسا جادو جگایا کہ مشکلات کے باوجود اپنے ساتھیوں کے حوصلوں کو ٹوٹنے نہ دیا اور آپ جانتے ہیں کہ جب انسان کا حوصلہ بلند ہو تو وہ رکاوٹوں کے باوجود منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے حضرت ذکی کسفی مرحوم خوب کہہ گئے ہیں :

سنگ گراں ہیں راہ میں لاکھوں تو کیا ہوا
منزل چھپی ہوئی تو مرے حوصلوں میں ہے

آپ نے صحابہؓ کی سوچ کا رخ بدل دیا اور ان میں عقابِ روح پیدا کر دی جس کی وجہ سے ان کی نظریں بہت اونچی ہو گئیں اور بالکل وہی صورت پیدا ہو گئی تھی جو اقبال مرحوم نے کہا ہے ۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

آپ نے جب بعض لوگوں کو بھوک اور مشقت سے پریشان دیکھا

تو فرمایا

لا عیش الا عیش الاخرة زندگی تو صرف آخرت کی زندگی ہے
اللهم انصر الانصار والمهاجرة اے اللہ انصار اور مہاجرین پر رحم فرما (۱۰)
یہ نعرہ لگا کر گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی سوچ دنیا سے آخرت کی طرف منتقل کر دی اور سبھا دیا کہ میرے پر والوں! تم دنیا پر نہیں آخرت پر نظر رکھو۔

یہاں کی بھوک پیاس برداشت کر لو آخرت کی عیش و عشرت تمہارے

لئے مخصوص ہوگی۔

اور اصل عیش و عشرت تو آخرت کی عیش و عشرت ہے،
 دنیا کی عیش و عشرت کا کیا ہے، آج ہے کل نہیں،
 دنیا کی تو ہر چیز زوال پذیر اور عارضی ہے۔
 یہاں کی ثروت بھی عارضی، یہاں کی عزت بھی عارضی،
 یہاں کی صحت بھی عارضی یہاں کی بیماری بھی عارضی،
 یہاں کی جوانی بھی عارضی یہاں کا بڑھاپا بھی عارضی،
 یہاں کی بہار بھی عارضی یہاں کی خزاں بھی عارضی،
 یہاں کی خوشی بھی عارضی یہاں کی غمی بھی عارضی،
 مت شکوے کرو یہاں کی بھوک کے، آخرت پر نظر رکھو۔

سچے کی پیشنگوئی | بلکہ میں محمد تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اسی دنیا میں
 تمہارا فقر و فاقہ دور ہو کر رہے گا، دولت کی وہ

ریل پیل ہوگی کہ کوئی لینے والا باقی نہیں رہے گا،
 ارے گھبراتے کیوں ہو؟ وہ وقت آنے والا ہے جب تم قیصر و
 کسریٰ کے تاج اچھا لوگے اور تخت روند ڈالو گے۔ یہ کم نظر اور کم
 ظرف یہودی تمہارے پھٹے ہوئے لباسوں اور فاقہ زدہ چہروں کا مذاق
 اڑاتے ہیں مگر میری نظریں اس وقت کو دیکھ رہی ہیں جب اس جہاد و
 ایثار کی برکت سے تمہارے ہاں دولت کے انبار ہوں گے اور یہودی
 اور مشرک بھکاری بن کر تمہارے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ
 کھدائی میں مصروف تھے، کھودتے کھودتے جیلِ ذیاب کی جڑ تک
 پہنچے تو وہاں سفید رنگ کی گول گول چٹان سامنے آگئی وہ اس قدر

سخت تھی کہ کدالیں ٹوٹ گئیں۔ بالآخر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سچوں کے سچے، پیروں کے پیر، آقاؤں کے آقا اور سب سالاروں کے سپہ سالار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صورت حال بیان کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود تشریف لائے، بھوک کی وجہ سے شکم اظہر پر پتھر بندھے ہوئے تھے کہ ال ہاتھ میں لیکر بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی تو ایک چمک کے ساتھ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی آپ نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند فرمایا، صحابہ نے بھی یہی نعرہ لگایا دوسری ضرب سے پھر چمک ہوئی اور مزید تہائی حصہ گر گیا پھر سب نے مل کر اللہ اکبر فرمایا، تیسری ضرب سے چٹان پاش پاش ہو گئی اور پھر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا گیا۔ آپ نے فرمایا میرے جانشین اور اپنی چمک میں مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئیں میں نے حیرہ کے سرخ محلات کو دیکھا دوسری چمک میں فارس کی چابیاں عطا کی گئیں اور میں نے اس چمک میں مدائن کے قصر ابیض کو دیکھا، تیسری چمک میں مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں اور میں یہاں کھڑا ہو کر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں، جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی اس کے بعد آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو مدائن کے محلات کی تفصیل بتائی۔ حضرت سلمان نے عرض کیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ قصر ابیض ایسا ہی ہے جیسا آپ نے بیان فرمایا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں (۱۳)

محترم سامعین! قصر ابیض کا معنی ہے وھائٹ ہاؤس۔
عجیب اتفاق دیکھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی سپر پاور کے

شاہی محل کا نام بھی وہاٹ باؤس تھا اور آج کی سپر پاور امریکہ کے شاہی محل کا نام بھی وہاٹ باؤس ہے

ارے سونے ہوئے مسلمانو! اگر ماضی کے مسلمانوں نے جہاد کی برکت سے وہاٹ باؤس کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا تو آج کے مسلمان بھی یہ کارنامہ انجام دے سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ان میں ایمان اور جذبہ جہاد ہو۔

کئی دن کی مسلسل محنت اور مشقت کے بعد مسلمان خندق کی کھدائی سے فارغ

کفر و شرک کی آندھی

ہوئے تو کفار کے لشکر جو ق درجہ جو پہنچنا شروع ہو گئے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ کفر و شرک کی کالی آندھی ہے جو چاروں طرف سے اُمنڈ کر رہی ہے ہر قبیلہ اور ہر گروہ پورے ساز و سامان اور شان و شوکت سے آ رہا تھا۔ صرف قریش اپنے ساتھ تین سو گھوڑے اور پندرہ سو اونٹ لے کر آئے تھے (۱۲)

سارے گروہوں کو ملا کر کل لشکر کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ تھی، اتنا بڑا لشکر مدینہ والوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ لشکر کوئی عام جنگ لڑنے کے لئے نہیں آیا تھا بلکہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے آیا تھا۔

لشکر کفار نے خندق دیکھی تو دنگ رہ گئے، یہ ان کے لیے غیر متوقع صورت حال تھی وہ تو دنناتے ہوئے آئے تھے کہ آج طوفان بن کر بلا روک ٹوک مدینہ میں داخل ہوں گے، آندھی بن کر چھا جائیں گے اور زلزلہ بن کر شہر رسول کے در و دیوار ہلا دیں گے۔

حکمت - مومن کی متاعِ عزیز | لیکن سپہ سالارِ اعظم کی حکمت اور تدبیر نے ان کے

ارادے خاک میں ملا دیئے۔ آپ نے دفاع کے لیے وہ طریقہ اختیار کیا جو فارس والے استعمال کیا کرتے تھے اور ایسا کر کے آپ نے سمجھا دیا کہ لوگو! حکمت و دانائی کی بات جہاں سے بھی ملے اور جس سے بھی ملے اسے قبول کر لو اس لیے کہ حکمت تو مومن کی متاعِ عزیز ہے چاہے حکمت امریکہ میں ہو یا افریقہ میں، ہند میں ہو یا چین میں اسے حاصل کر لینا چاہئے۔

حیرت کی بات ہے کہ آج کے مسلمان نے یورپ والوں سے غلاظت، کثافت، خیانت، رذالت اور خساست تو سیکھ لی ہے لیکن سائنس اور حرب و ضرب کے میدانوں میں انہوں نے جو نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں وہ اس نے نہیں سیکھے۔

اللہ کے بندے! کبھی تو وہ وقت تھا کہ تیری تدبیریں بڑے بڑے جغادریوں کو دنگ کر دیتی تھیں اور آج وہ وقت ہے کہ دوسروں کی سازشیں اور تدبیریں تجھے مبہوت کر دیتی ہیں۔ مسلمان کے ہاتھ سے ایمان اور جہاد کی رستی کیا چھوٹی ہے سب کچھ ہی اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ ذہانت چھوٹ گئی، حکمت چھوٹ گئی، جرأت چھوٹ گئی، شجاعت چھوٹ گئی، غنیمت چھوٹ گئی، خلافت چھوٹ گئی، سلطنت چھوٹ گئی، عزت چھوٹ گئی۔

ہلا دینے والے شب و روز | لشکرِ کفار نے جب دیکھا کہ مدینہ میں داخل ہونے کا تو کوئی راستہ نہیں تو انہوں نے خندق کے اس پار ہی پڑاؤ ڈال دیا اور

مدینے کا محاصرہ کر لیا۔ تین ہزار مسلمان مجاہدین نے اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال لیں ایک گروہ مدینہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ منافقین اور بنو قریظہ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور تھا۔ تیسرا اور سب سے بڑا گروہ حملہ آوروں کے بالمقابل ڈٹا ہوا تھا یہ بڑے مشکل دن اور بڑی کٹھن راتیں تھیں، سردیوں کی طویل اور ٹھنڈی راتیں مسلمان جاگ جاگ کر گزار رہے تھے، ہر وقت حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا، کبھی خبر آتی کہ خالد بن ولید حملہ آور ہوا چاہتے ہیں، کبھی افواہ اٹھتی کہ عمرو بن عاص پیش قدمی کر رہے ہیں، کبھی شور اٹھتا کہ ابوسفیان خندق عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان افواہوں نے دن کا سکون اور رات کی نیند حرام کر دی تھی کچھ فوجیں مدینہ کے بالائی حصے میں تھیں اور کچھ مدینہ کے نشیبی حصے میں تھیں اور دونوں ہی موقع پا کر چھاپہ مارنے کی فنکاری میں تھیں اس ساری صورتحال نے مسلمانوں کو ہلا کر رکھ دیا اور وہ ایک سخت امتحان سے دوچار ہو گئے۔

قرآن کا بیان

کتنے ہی لوگ تھے جو کافروں کی جمعیت اور ان کی ظاہری شان و شوکت کو دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے تھے اور ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔ منافقین نے تو صاف کہنا شروع کر دیا کہ ہمیں جو اللہ کی نصرت کی خبر دی گئی تھی وہ سب فراڈ تھا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پر کدال مارتے ہوئے شام، مدائن اور یمن پر مسلمانوں کے غلبہ کی پیشنگوئی کی تو منافقین نے خوب مذاق اڑایا کہ کھانے کو ملتا نہیں ہے اور خواب دیکھ رہے ہیں یا

اور شام کے شاہی محللات کے! اللہ تعالیٰ نے غزوہ خندق کے اس سارے منظر اور منافقین کی یا وہ گوئی کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر دس، گیارہ اور بارہ میں ہے:

اذْجَاءُ وَّكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ
مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاذْزَاعَتِ
الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللّٰهِ
الظُّنُوْنَ ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ
الْمُؤْمِنُونَ وَرُلُّوا زِلْزَالًا
شَدِيْدًا ۝ وَاذْ يَقُوْلُ
الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ
مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
اِلَّا غُرُوْرًا ۝ (۱۳۱)

جب چڑھ آئے تم پر اور پر کی طرف سے
اور نیچے سے اور جب بدلنے لگیں آنکھیں
اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکنے لگے
تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکیں وہاں چانچے
گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے
زور کا جھڑ جھڑانا اور جب کہنے لگے
منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے
جو وعدہ کیا تھا، تم سے اللہ نے اور
اس کے رسول نے سب فریب تھا۔

انصار کی ثابت قدمی | ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور خصوصاً انصار کی مشکلات کا خیال کرتے ہوئے ارادہ کیا کہ قبیلہ غطفان کے سرداروں کے ساتھ سالانہ ایک تہائی پھل پر صلح کر لی جائے، انصار کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی خبر ملی تو انہوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! جب ہم کفر و شرک کی نجاست میں آلودہ تھے اس وقت بھی ہم نے ان کو کبھی ایک چھو بارہ تک نہیں دیا آج جب ہمیں

اللہ تعالیٰ نے اسلام سے مشرف فرمایا ہے ہم انہیں اپنی پیداوار کا ایک تہائی کیسے دے سکتے ہیں ان کے لیے ہمارے پاس تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے (۱۴) آپ کفار کے محاصرے کی سختی اور ان کی چھاپہ مار کارروائیوں کا اندازہ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی کئی نمازیں قضا ہو گئیں جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے نماز قضا کی جا سکتی ہے لیکن نماز میں مشغولیت کی وجہ سے جہاد قضا نہیں کیا جا سکتا۔

غیر متوقع مدد | محاصرہ کے بیس پچیس دن گزر گئے اللہ کے نبی سخت متفکر اور حیران تھے آپ کو اپنی نہیں بلکہ اپنے پیروکاروں کی پریشانی تھی، سخت سردی تھی، غلہ کمیاب تھا، گرانی عروج پر تھی، دشمن کی چھاپہ مار کارروائیاں جاری تھیں۔ آپ کرتے بھی تو کیا کرتے؟ آپ کا آخری سہارا اللہ تھا اور اسی سے دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا اللہ تعالیٰ نے ایک غیر متوقع مدد یہ فرمائی کہ قبیلہ عطفان کے ایک سردار نعیم بن مسعود کا دل پھیر دیا، اس نے چپکے سے ایمان قبول کر لیا اور اپنے کو ہر طرح کی خدمت کے لیے پیش کر دیا آپ نے فرمایا تم کسی طرح دشمن میں پھوٹ ڈال دو کیونکہ جنگ تو نام ہی عید اور تدبیر کا ہے چنانچہ انہوں نے ایسی چال چلی کہ بنو قریظہ اور قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ تیز آندھی چلی جس سے دشمنوں کے خمیے اڑ گئے، طنائیں ٹوٹ گئیں سواریاں بدک گئیں، چولہے الٹ گئے، ایسا ہنگامہ مچا اور ایسا طوفان اٹھا کہ مشرک ہمت ہار بیٹھے۔ ابوسفیان نے مکہ واپسی کا اعلان کر دیا (۱۵) کائنات کے سردار نے خوشخبری سنائی کہ مسلمانوں اور دشمن کی چڑھائی کا یہ آخری واقعہ تھا اب ہم ہی حملہ آور ہوں گے، دشمن کو حملہ کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوگی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آندھی کی صورت میں اپنی مدد کا خوب ذکر فرمایا

ہے۔ سورۃ الاعزاب کی آیت نمبر نویں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا ۝ اے ایمان والو یاد کرو احسان اللہ کا
 نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ ۝ اپنے اوپر جب چرٹھ آئیں تم پر فوجیں پھر
 جُنُودَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا ۝ ہم نے بھیج دی ان پر ہوا اور وہ فوجیں
 جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ط ۝ جو تم نے نہیں دیکھیں اور ہے اللہ جو
 بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ④ کچھ کرتے ہو دیکھنے والا۔

یہ غزوہ مجھے اور آپ کو یہ سبق دیتا ہے کہ جو مومن بندے آزمائش میں پورے اترتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ایسے طریقے سے غیبی امداد فرماتا ہے جس کی انہیں بھی کوئی توقع نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ہر آزمائش میں پورا اترنے کی اور اس کی نصرت کا سستی بننے کی توفیق نصیب فرمائے آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حوالہ جات

- (۱) سورة الاحزاب آیت ۹
- (۲) طبری ص ۲۳۳ ابن ہشام ص ۲۴۹ ج ۲
- (۳) طبری ص ۲۳۴ ج ۲ بیروت لبنان
- (۴) سیرت احمد مجتبیٰ بحوالہ سیاسی وثیقہ جات۔ ڈاکٹر حمید اللہ ص ۲۸
- (۵) تذکرہ دیار حلب ترجمہ وفار الوفار سمهودی ص ۳۵۰
- (۶) صحیح بخاری ص ۵۱۸ ج ۲
- (۷) صحیح بخاری ص ۵۱۹ ج ۲
- (۸) مدارج النبوة شیخ عبدالحق رحمہ ص ۲۴۹
- (۹) صحیح بخاری ص ۵۱۹ ج ۲
- (۱۰) مشکوٰۃ ص ۴۴۸ ج ۲
- (۱۱) اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد ص ۳۶۵ ج ۱
- (۱۲) اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن سعد ص ۳۶۵ ج ۱
- (۱۳) سورة الاحزاب آیت ۱۰ - ۱۱ - ۱۲
- (۱۴) سیر المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۴
- (۱۵) صحیح مسلم - باب غزوات الاحزاب

صُلحِ حُدُوبِہٖ

مکدہ ہو کے ظلمت نے ضیا کو روکنا چاہا
 غبارِ دود نے موجِ صبا کو روکنا چاہا
 مرض نے تنہ خو ہو کر دوا کو روکنا چاہا
 شفا کے روبرو ہو کر شفا کو روکنا چاہا
 خس و خاشاک نے سیلِ فنا کو روکنا چاہا
 دلِ ناپاک نے نورِ خدا کو روکنا چاہا
 (حنیظ جالندھریؒ)

” صہیل اور اس کے ساتھیوں کی درشتگی اور اکھڑ مزاجی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرما کر اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ ہر جگہ اور ہر وقت جوش ہی ضروری نہیں، بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگ صرف مار دھاڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی باتیں کرتے ہیں انہیں اکثر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے۔ آج بھی کئی جوشیلے لوگ ایسے ہیں کہ مرنے مارنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے۔

بعض لیڈر بھی ان جوشیلوں کی باتوں میں آجاتے ہیں، وہ جب نعرے لگاتے ہیں ”قدم بڑھاؤ ہم تمہارا ساتھ ہیں“ تو لیڈر صاحب واقعی سمجھنے لگتے ہیں کہ مجھے اگر پھانسی بھی دی گئی تو یہ جوشیلے میرے ساتھ ہی رہیں گے لیکن پھر ہوتا یہ ہے کہ.....“

صَلِحُ حَدِيثٍ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

امَّا بَعْدُ :

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
 لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے
 اِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۝ جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے
 فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۝ پھر معلوم کیا جو ان کے جی میں تھا
 فَاَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ ۝ پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا
 وَاَتَابَهُمْ فَتَحَّاقَرِ يَبَّآ ۝ ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں
 وَمَغَايِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۝ جن کو وہ لیں گے اور ہے اللہ زبردست
 وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ حکمت والا۔

حاضرین و سامعین! کئی جمعوں سے مسلسل سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک بیان کر رہا ہوں لیکن توجہ سے سن لیجئے کہ میرا مقصد محض معلومات کی فراہمی اور اپنے مطالعہ کی وسعت دکھانا نہیں ہے بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ آقاؤں کے آقا، پیروں کے سر، معلموں کے معلم فاتحوں کے فاتح، طبیبوں کے طبیب، حبیبوں کے حبیب، خطیبوں کے خطیب، سپہ سالاروں کے سالار، انبیاء کے تاجدار اور انسانوں کے

سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت اس طرح بیان کروں کہ خود میرے دل میں بھی آقائے دو جہاں کی سچی محبت پیدا ہو اور سننے والوں کے دل میں بھی محبت کی شمع روشن ہو۔

ایسی محبت جو ہم سے گناہوں کو چھڑا دے ،

ایسی محبت جو ہمیں آمادہ عمل کر دے ،

ایسی محبت جو ہمیں اتباع اور اطاعت کے راستے پر گامزن کر دے

ایسی محبت جو ہمارے مردہ دلوں کو زندہ کر دے ،

ایسی محبت جس کے مقابلے میں ساری محبتیں، ساری الفتیں اور

سارے تعلقاً ہیچ ہو کر رہ جائیں ،

اسی لیے میں سیرت کی کتابوں کی طرح پوری تفصیل کے ساتھ

سیرت پاک بیان نہیں کر رہا بلکہ ایک ترتیب کے ساتھ سیرت کی

چند جھلکیاں اور چند نمایاں واقعات بیان کرنے پر اکتفا کر رہا ہوں

البتہ جی چاہتا ہے کہ آپ سے درخواست کروں کہ اپنی مصروفیات میں

سے کچھ نہ کچھ وقت نکال کر سیرت کا تفصیلی مطالعہ ضرور کریں۔

مولانا مناظر حسن گیلانی کی النبی الخاتم کا مطالعہ کریں، مولانا

عبدالرؤف دانا پوری کی اصح اسیر دیکھیں، قاضی سلیمان منصور پوری

کی رحمتہ للعالمین دیکھیں، سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی دیکھیں،

مولانا ادریس کاندھلوی کی سیرت المصطفیٰ دیکھیں، مولانا ابوالحسن علی

ندوی کی نبی رحمت دیکھیں، شاہ مصباح الدین شکیل کی سیرت

احمدیہ بی دیکھیں۔ انشاء اللہ اخلاص اور محبت کے ساتھ سیرت

کے مطالعہ سے دل میں ایمان کا نور اور اتباع کا جذبہ پیدا ہوگا۔

اگر آپ اخباروں، رسالوں، ناولوں، افسانوں اور ریڈیو ٹی وی کے لیے وافر وقت نکال سکتے ہیں تو کیا دنیا کے سب سے بڑے انسان کی سب سے زیادہ پاکیزہ اور موثر سیرت کے مطالعہ کے لیے وقت نہیں نکال سکتے۔

مبارک خواب | محترم حاضرین! اپنی خود ساختہ ترتیب کے مطابق آج کے اجتماع میں صلح حدیبیہ کا واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں لیکن اصل واقعہ سے قبل اس کا پس منظر بیان کرنا مناسب ہوگا۔

ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت اللہ شریف میں داخل ہو رہا ہوں میرے ہاتھ میں خانہ کعبہ کی چابی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بال منڈ والیے ہیں یا کٹوالیے ہیں اور سب قربانی کر رہے ہیں۔

آپ نے جب اپنا خواب صحابہ کو سنایا تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا، وہ جانتے تھے کہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے، عام انسانوں کے خواب سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں، پھر ان کی تعبیر بھی مختلف ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خواب تو فرحت انگیز ہو مگر اس کی تعبیر غم آمیز ہو، ممکن ہے کہ خواب میں امارت دیکھی ہو مگر اس کی تعبیر غربت کی صورت میں ظاہر ہو، خواب میں شادی ہو لیکن ہو جائے بربادی۔

لیکن نبی کا خواب برحق ہوتا ہے البتہ اس کی تعبیر نبی اپنی خداداد صلاحیت اور علم کی بنیاد پر کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب سن کر صحابہ کو یہ تو یقین ہو گیا کہ ہم حرم کعبہ میں داخل ہوں گے لیکن وہ تعبیر میں ٹھوکر کھا گئے انہوں نے سوچا کہ یہ واقعہ اسی سال ظہور پذیر ہو گا۔ اس عجلت میں ان کے شوق کا بھی دخل تھا، کعبہ کو دیکھے ہوتے چھ سال گزر گئے تھے۔ اللہ کے گھر کی یاد ستا رہی تھی، حجر اسود یاد آ رہا تھا، صفامرہ یاد آ رہا تھا، آب زمزم کی یاد پیاس کو بھڑکا رہی تھی۔

مکہ مہاجرین کا وطن تھا اور وطن سے محبت کرنا بڑی بات نہیں البتہ وطن کی پرستش کرنا بڑی بات ہے اور یہ کوئی عام وطن تو نہیں تھا وہ تو مکہ تھا! وہی مکہ جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اٹھائی ہے، وہی مکہ جس کی فضا میں سیدنا ابراہیم اور سیدنا اسماعیل علیہما السلام اور لاکھوں صلحاء، اتقیاء، اولیاء اور علماء کی دعاؤں کی گونج قیامت تک باقی رہے گی۔

نبی کے خواب کی سچائی پر یقین کرتے ہوئے سب نے **دو باتیں** | عمرہ کی تیاری شروع کر دی۔

ایک عجیب بات ذہن میں آئی ہے وہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا وہ یہ کہ صحابہ کے ایمان کا حال یہ تھا کہ وہ نبی کے خوابوں پر بھی یقین رکھتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم حالت بیداری میں آقا کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ارشادات پر بھی کامل یقین نہیں رکھتے۔

اور ایک اور بات بھی کہہ دوں وہ یہ کہ آپ لوگوں کے ذہنوں میں کہیں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ نے اپنے نبی کو یہ کیوں نہ بتا دیا کہ عمرہ اس سال نہیں ہو سکتا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور صحابہؓ بھی سفر

کی مشقت سے بچ جاتے۔

میکر بزرگو اور دوستو! آپ خود سوچیں اگر یہ سفر نہ ہوتا تو بیعتِ رضوان کیسے ہوتی؟

صحابہ کو اللہ کی دائمی خوشنودی کا پروانہ کیسے ملتا؟

حضرت عثمانؓ کی فضیلت کیسے ظاہر ہوتی؟

صحابہ کی جانثاری کا اندازہ دنیا کو کیسے ہوتا؟

صلح حدیبیہ کیسے ہوتی؟

فتحِ مکہ کی تمہید کیسے ہوتی؟

یہ سب کچھ اس سفر ہی کی وجہ سے تو ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی سے پہلے اپنے نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

نابینا کا افتخار

کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا (۲) وہ لوگ جو معذوروں اور نابیناؤں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں وہ خاص طور پر نوٹ فرمائیں کہ کائنات کے آفتاب جب مدینہ سے روانہ ہو رہے تھے تو آپ نے ایک نابینا کو اپنا نائب مقرر فرما کر اپنی امت کو یہ پیغام دے دیا کہ کسی بھی معذور اور نابینا اور کمزور کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یکم ذی قعدہ ۳ھ کو اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، قربانی کے ستر اونٹ بھی اپنے ساتھ لے لیے، تقریباً چودہ سو صحابہؓ بھی آپ کے ساتھ عمرہ کے لیے تیار ہو گئے (۳)

ذیقعدہ عمرہ کا بہینہ تھا اور عربوں کا قدیم دستور یہ تھا کہ احرام

باندھ کر مکہ آنے والے کو روکا نہیں جاتا تھا لیکن اپنے قدیمی دستور کے برعکس قریش نے دارالندوہ میں جمع ہو کر قسم کھائی کہ ہم مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

انہوں نے تو اپنے خیالی منصوبے کے مطابق حدیبیہ میں پڑاؤ مسلمانوں سے مقابلے کے لیے آٹھ ہزار جانباز

بھی جمع کر لیے تھے (۴) لیکن ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ جنگ کا تھا ہی نہیں اسی لیے آپ نے عمدًا ایسا راستہ اختیار فرمایا جس میں ٹکراؤ کا کوئی امکان نہیں تھا اور چلتے چلتے آپ حدیبیہ جا پہنچے۔ جب مسلمانوں نے مکہ کی جانب مڑنا چاہا تو اونٹنی قصواں بیٹھ گئی، اسے ہنکلنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر وہ اڑ گئی، لوگوں نے شور بلند کیا کہ قصواں تھک کر بیٹھ گئی ہے۔ آپ نے فرمایا قصواں خود نہیں بیٹھی بلکہ اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحابِ فیل کو روک دیا تھا۔ پھر فرمایا:

”اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کفارِ قریش مجھ سے جس بات کا بھی سوال کریں گے اگر وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے نہ ہوئی تو میں ان کی ہر بات منظور کر لوں گا“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں پڑاؤ ڈال دیا اور اہل مکہ تک یہ بات پہنچادی کہ ہم صرف عمرہ کی نیت سے آئے ہیں لڑائی ہمارا مقصد نہیں بنو نقیف کا سردار عروہ بن مسعود جو کہ ابوسفیان کا داماد بھی تھا وہ حالات کے جائزہ کے لیے مسلمانوں کے کیمپ میں آ پہنچا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے ہیں اور قربانی کے جانور ادھر ادھر پھیر رہے ہیں اسے یقین آ گیا کہ مسلمان

لڑنے کے لیے نہیں آئے اور یہ یقین اس نے قریش کو بھی دلانے
کی کوشش کی

بے مثال ادب | ساتھ ہی ساتھ اس نے قریش کو بتایا کہ لوگو!

میں نے قیصر کا دربار دیکھا ہے، میں نے
کسریٰ کی شان و شوکت دیکھی ہے میں نے نجاشی کا کروفر بھی ملاحظہ
کیا ہے، درباریوں کے ادب احترام کے مناظر بھی میری آنکھوں کے سامنے
گزرے ہیں لیکن سچ کہتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار کی
بات ہی کچھ اور ہے، میں ادب احترام کے جو مناظر دیکھ کر آیا ہوں ان کی
مثال اور کہیں نہیں دیکھی۔ فرمانبرداری کا یہ عالم ہے کہ ہر کوئی اشارہ
آبرو کا منتظر ہے

محبت ایسی ہے کہ ہر ایک جان قربان کرنے پر تیار،
عقیدہ ایسی کہ وضو کا استعمال پانی اور لعابِ دہن بھی زمین پر نہیں
گرتا بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پروانے اسے اپنے جسم پر مل لیتے ہیں،
ایسی عقیدت و محبت اور ادب احترام بادشاہوں کو کہاں
نصیب ہوتا ہے؟ گویا عروہ نے اشارہ تسلیم کر لیا کہ محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) مادی دنیا کے بادشاہ نہیں بلکہ روحانی دنیا کے پیشوا ہیں،
عروہ نے اپنے لوگوں کو مشورہ دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیشکش
انصاف پر مبنی ہے اسے قبول کر لیا جانا چاہئے۔

آقا کے بغیر طواف ناممکن | اب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے
فیصلہ فرمایا کہ مسلمانوں کا موقف

بتانے کے لیے ایک سفیر مکہ روانہ کیا جائے۔ چنانچہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم)

نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ وہ سردارانِ قریش سے مذاکرات کریں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آقا کے حکم کی تعمیل میں مکہ تشریف لے گئے تو بعض مسلمانوں کو ان پر بڑا رشک آیا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ عثمان بڑے خوش قسمت ہیں کہ انہیں سب سے پہلے بیت اللہ کے طواف کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اللہ کے نبی اپنے ایک ایک جانثار کو اچھی طرح جانتے تھے اپنی اسی پرکھ اور تجربے کی بنا پر آپ نے فرمایا نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، جب تک میں طواف نہ کر لوں، عثمان بھی طواف نہیں کریں گے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرما رہے تھے اور ادھر قریش کی جانب سے انہیں پیش کش ہو رہی تھی کہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے اگر تم چاہو تو بیت اللہ کا طواف کر لو مگر آپ نے دو ٹوک جواب دیا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف نہیں کرتے میں بھی طواف نہیں کروں گا۔ حضرت عثمانؓ کا یہ واضح جواب سن کر قریش سخت برہم ہو گئے اور انہوں نے آپ کو مکہ ہی میں روک لیا۔

بیعتِ رضوان | ادھر مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے، مسلمانوں میں غم و غصہ پھیل گیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلیں گے جب تک خونِ عثمانؓ کا بدلہ نہ لے لیں۔ آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرامؓ سے بیعتِ لبنی شروع کی، ایک ایک کر کے چودہ سو آدمیوں نے بیعت کا شرف

حاصل کیا، آخر میں آپ نے اپنے سیدھے ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا پھر اس کو اپنے ہاتھ پر مار کر فرمایا: «یہ عثمان کی بیعت ہے» اسی بیعت کو «بیعت رضوان» کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ انداز اور جذبہ جہاد بڑا پسند آیا اور اس نے اپنی مقدس اور آخری کتاب میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۗ وَمَعَافٍ كَثِيرَةً يَا خُذْ زِينَتَكَ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَكِيمًا ۝

تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے اُس جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے پھر معلوم کیا جو کچھ ان کے جی میں تھا پھر اتارا ان پر اطمینان اور انعام دیا ان کو ایک فتح نزدیک اور بہت غنیمتیں جن کو وہ پس لیں گے اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔

بعد میں اطلاع آئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں اور جلد واپس آرہے ہیں، اس اطلاع سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

صبر و تحمل | قریش نے سہیل بن عمرو کو اپنا نمائندہ بنا کر معاہدہ طے کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اسے آتا دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا «مسلمانو! اب تمہارا کام سہل (آسان) ہو گیا»

گفت و شنید کے بعد معاہدے کی شرائط پر اتفاق ہوا، معاہدہ کی شرائط سے لے کر معاہدے کی تحریر تک ہر مرحلے میں قریش کے نمائندوں نے بڑی سختی کا مظاہرہ کیا اور ان کی سختی کو دیکھ کر صحابہ کے صبر کا

پیمانہ چھلک چھلک جاتا تھا، لیکن معلم اخلاق سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بے مثال صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور صحابہ کے جذبات کو بھی قابو میں رکھا۔

آپ اندازہ کیجئے کہ معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ مسلمان عمرہ کیے بغیر واپس چلے جائیں، دوسری شق یہ تھی کہ اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر مکہ آجائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا لیکن اگر کوئی مشرک مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے۔

انتہا یہ کہ معاہدہ لکھتے وقت جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم کسی رحمن و رحیم کو نہیں مانتے لہذا صرف باسمک اللہم لکھو۔ پھر جب محمد رسول اللہ لکھا تو سہیل نے اس پر بھی اعتراض کیا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دو مگر انہوں نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ (۵)

بظاہر تو یہ نافرمانی تھی لیکن ایسی نافرمانی جس پر ہزاروں فرمانبردار یا قربان کی جا سکتی ہیں۔

سہیل اور اس کے ساتھیوں کی درشتگی اور گھڑ جوش نہیں ہوش

مراجی کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی صبر و تحمل کا مظاہرہ فرما کر اپنی امت کو یہ سبق دیا کہ ہر جگہ اور ہر وقت جوش ہی ضروری نہیں بعض مقامات ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں جوش سے زیادہ ہوش کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ صرف مار دھاڑ اور جلاؤ گھیراؤ کی باتیں کرتے ہیں انہیں اکثر بعد میں پچھتانا پڑتا

ہے۔ آج بھی کئی جوشیلے لوگ ایسے ہیں کہ مرنے مارنے کے علاوہ کوئی بات نہیں کرتے، بعض لیڈر بھی ان جوشیلوں کی باتوں میں آجاتے ہیں وہ جب نعرے لگاتے ہیں ”قدم بڑھاؤ ہم تمہارا ساتھ ہیں“ تو لیڈر صاحب واقعی سمجھنے لگتے ہیں کہ مجھے اگر پھانسی بھی دی گئی تو یہ جوشیلے میرے ساتھ ہی رہیں گے، لیکن پھر ہوتا یہ ہے کہ لیڈر صاحب قدم بڑھاتے بڑھاتے جب پولیس کے ہتھے چڑھ جاتا ہے تو سب جوشیلے ایسے غائب ہو جاتے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ میرے آقا نے جو معاہدہ کیا تھا وہ بظاہر دب کر کیا تھا، لیکن بعد کے مورخین اور تجزیہ نگاروں نے تسلیم کیا کہ صلح حدیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجی سیاست کا شاہکار تھا۔ یہ پہلا موقع تھا جب قریش مکہ نے مسلمانوں کو ایک ہم پلہ طاقت تسلیم کرتے ہوئے اس کے ساتھ مذاکرات کیے اور دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور حج و عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آنے والے مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ کیا۔

ابھی معاہدہ لکھا ہی جا رہا تھا کہ
جذبات کا کڑا امتحان
 سہیل کے صاحبزادے حضرت

ابو جندل رضی اللہ عنہ زخموں سے چور زنجیروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے گرتے پڑتے حدیبیہ پہنچ گئے، وہ اسلام قبول کر چکے تھے اور قبول اسلام ہی کے جرم کی وجہ سے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کی پناہ لینا چاہتے تھے۔ سہیل نے انہیں دیکھا تو غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا کہنے لگا اے محمد

صلی اللہ علیہ وسلم) تم اسے پناہ نہیں دے سکتے کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو زبانی بات چیت چل رہی ہے معاہدہ لکھا تو نہیں گیا سہیل چینیخے لگا کہ ابو جندل کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ معاہدہ ختم سمجھو۔ مسلمانوں کے جذبات کا یہ بڑا کڑا امتحان تھا۔ ایک طرف طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے اسلامی بھائی ابو جندل تھے، ان کا زخمی جسم تھا، ان کی فریاد کرتی ہوئی زبان تھی۔ وہ پکار پکار کر کہہ رہے تھے ارے مسلمانو! میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں مجھے کیوں دوبارہ درندوں کے حوالے کر رہے ہو۔ یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے

صبر و ایقان | میرے بزرگو اور دوستو! آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے آقا کتنے نرم دل تھے، آپ تو کسی جانور پر بھی ظلم برداشت نہیں کر سکتے تھے، آپ پر کیا گزری ہوگی جب آپ نے اپنے سچے چاہنے والے ابو جندل کو ان کے حوالے کیا ہوگا لیکن آپ نے صبر سے کام لیا اور اپنی امت کو بھی بتا دیا کہ بعض اوقات عظیم تر مصلحتوں کی خاطر جذبات کو دبانا پڑتا ہے۔ جبر داعی اور قائد ہر وقت اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی فن کریں رہتا ہے وہ خود بھی ڈوبتا ہے اور اپنی پوری قوم کو بھی ڈبو دیتا ہے۔

صبر کے علاوہ اس قربانی میں ایک اور جذبہ بھی کار فرما تھا اور وہ تھا ایقان عہد کا جذبہ! اگر آپ ابو جندل کو روکنے پر اڑ جاتے تو ممکن تھا کہ آپ پر وعدہ خلافی کا الزام لگایا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک ترین موقع پر بھی جس طرح ایقان عہد کیا اس نے رہتی دنیا

تک ایک درختاں مثال قائم کر دی۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو واپس جاتے دیکھ کر مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مگر ان کی زبانیں خاموش تھیں البتہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خاموش نہ رہ سکے وہ سہ جھکائے دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نبی برحق نہیں؟ آپ نے فرمایا میں نبی برحق ہوں،

عرض کیا، کیا ہم حق پر نہیں؟ آپ نے فرمایا ہم حق پر ہیں، عرض کیا پھر ہم یہ ذلت آمیز معاہدہ کیوں قبول کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا اے ابن خطاب میں اللہ کا رسول ہوں، وہی کرتا ہوں جو اللہ کا حکم ہوتا ہے، میرا عمل ضائع نہیں جائے گا۔

عرض کیا آپ نے فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کا طواف کریں گے آپ نے فرمایا میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ یہ سب کچھ اسی سال ہوگا، اے عمر! غم نہ کرو تم ضرور بیت اللہ کا طواف کرو گے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سہ جھکا کر واپس چلے آئے لیکن تسلی حذبات نے چین سے بیٹھنے نہ دیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جا پہنچے اور یہ سارے سوالات ان سے بھی کیئے اتفاق سے انہوں نے بھی وہی جوابات دیئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے تھے جس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نبی اور صدیق میں اس قدر فرق نہیں ہے کہ جو خیال نبی کے دل میں گزرتا ہے وہی خیال صدیق کے دل پر بھی وارد ہوتا ہے۔

جنگ بدر کے قیروں کا مسئلہ آپ کو یاد ہوگا کہ جو نبی کی رائے

تھی وہی صدیق کی بھی رائے تھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کو نبی کا
 آئینہ بنا دیا تھا، نبی کی صورت و سیرت کو دیکھنا ہو تو حضرت ابو بکر صدیق
 رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو، خیالات و جذبات میں ایسی ہم آہنگی تھی جس کی کوئی
 مثال دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی۔

اتباع | جب معاہدہ مکمل ہو گیا، گواہوں کے دستخط بھی ہو گئے

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قربانی کے جانور ذبح کر دو،
 سر منڈو الو اور احرام اتار دو صحابہؓ پر عَزْن و مِلَال کی کچھ سی کیفیت
 طاری تھی کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا، دوسری اور تیسری بار اعلان کیا گیا مگر
 کوئی بھی تیار نہ ہوا، غالباً صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ حکم منسوخ
 نہ ہو جائے اور ہمیں عمرہ کرنے کی اجازت مل ہی جائے، عمرہ کیے بغیر
 واپس لوٹ جانا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، مکہ کی تاریخ یہ بتا رہی تھی
 کہ دوست اور دشمن کسی کو بھی عمرہ کرنے سے نہیں روکا جاتا تھا،
 آج پہلی بار قریش نے اپنی روایت اور منگہ کی تاریخ کو منسوخ کرنے کی
 کوشش کی تھی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی طبیعتوں پر ایک تو عمرہ کیے بغیر واپس لوٹنے
 کا بوجھ تھا دوسری جانب معاہدہ میں انہیں جن ہتک آمیز شرائط کا
 پابند کر دیا گیا تھا اس کا بھی انہیں سخت غم تھا۔ اس لیے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے باوجود ایک بھی صحابی و تریبانی
 اور حلق کے لیے نہ اٹھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ بالکل نیا
 تجربہ تھا، وہ لوگ جو تعمیل حکم میں گردنیں کٹوانے کے لیے آمادہ رہتے
 تھے وہ آج بال کٹوانے سے ہچکچا رہے تھے۔ نبوت کے حسین چہرے پر

افسردگی چھا گئی جسے اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فوراً محسوس کر لیا۔

میرے آقا کا تو چہرہ ہی ایسا تھا کہ خوشی اور غمی فوراً محسوس ہو جاتی تھی، چہرہ قلبی کیفیات کا صحیح عکاس تھا۔

میرے آقا کی ازواج بھی خوب تھیں موقع محل کے اعتبار سے صحیح مشورہ دیتی تھیں۔ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایسی کوئی بات نہیں کی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افسردگی میں مزید اضافہ ہو بلکہ عرض کیا کہ صحابہ بھی انسان ہیں پے در پے واقعات نے انہیں صدمہ پہنچایا وہ تو طوافِ کعبہ کی نیت سے آئے تھے اور قریش نے انہیں زیارتِ کعبہ کی بھی اجازت نہیں دی، صلح کی شرائط بھی ان کی توقع کے مطابق نہیں ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ انہیں کچھ کہنے کے بجائے خود اپنے اونٹ کی قربانی کیجئے اور سربھی منڈوا دیجئے آپ نے اس مشورہ پر عمل کیا۔

صحابہ سمجھ گئے کہ اب یہ حکم منسوخ نہیں ہو سکتا، وہ اٹھے اور جانور ذبح کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ غم اور عجلت کی وجہ سے کھال کٹ جاتی تھی، خون بہنے لگتا تھا لیکن اب ان میں سے ایک بھی آقا کی اتباع سے محروم نہ رہا۔

آقا کے حکم کی تعمیل میں صحابہ سے اگر کچھ تاخیر ہوئی تو وہ جذباتی کیفیت اور حکم میں تبدیلی کی توقع کی وجہ سے تھی ورنہ وہ تو اتباع کے پتے اور اطاعت کے سپیکر تھے اسی لیے اللہ کے نبی نے بھی ناراضگی کا اظہار فرمانے کے بجائے ان کے لیے دعا فرمائی اے اللہ سر منڈانے

والوں کی مغفرت فرما۔ اور یہ دعا اپنے تین بار فرمائی صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! بال کٹوانے والوں کے لیے بھی دعا فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے چوتھی بار ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔

تبرک | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر سے اترے ہوئے بال کسی کر کے درخت کے نیچے ڈال دیئے۔ صحابہؓ نے دیکھا تو لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔

کیا آپ ایسے عقیدت مندوں کے بارے میں سوچ بھی سکتے ہیں کہ وہ اپنے آقا و مولیٰ اور محبوب و مطلوب کے حکم کی نافرمانی کرینگے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے لگ جانے والی ہر چیز کو تبرک سمجھتے تھے۔ ان کے لیے آپ کا لباس بھی تبرک تھا، آپ کے نعلین بھی تبرک تھے، آپ کا لعاب بھی تبرک تھا، آپ کا استعمال شدہ پانی بھی تبرک تھا، آپ کے بال بھی تبرک تھے، آپ کے ناخن بھی تبرک تھے۔ آپ کے بالوں کو صحابہؓ نے تبرک سمجھ کر محفوظ کر لیا پھر کسی نے ان بالوں کو نلکی میں ڈال لیا اور وہ اس میں پانی ڈال کر اسے بھی تبرک بنا کر پیتا اور پلاتا تھا، کسی نے ان بالوں کو اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت فرمائی، کسی نے انہیں اپنی ٹوپی میں سی لیا اور یوں گویا اپنی ٹوپی کو ایسا تاج بنا لیا جو قیصر و کس کے تاج سے بھی زیادہ قیمتی تھا

مسلمانوں نے دو ہفتے حدیبیہ میں گزارے یہ دو ہفتے **فتح مبین** | ان پر دو سالوں سے بھی زیادہ بھاری تھے، انہیں زیارت کعبہ سے بھی محروم رکھا گیا اور صلحنامہ میں ایسی شرائط بھی لگادی گئیں جو ان کی توقعات کے بالکل برعکس تھیں اس لیے بعض لوگ اپنے

آپ کو ناکام اور شکست سمجھ رہے تھے لیکن راستے میں سورہ فتح نازل ہوگئی اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ①
 لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
 ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ
 نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ
 صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ② وَيَنْصُرَكَ
 اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ③

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح
 فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو
 آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے
 ہے، اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان
 اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ اور مدد
 کرے تیری اللہ، زبردست مدد۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کے سامنے سورہ فتح کی تلاوت فرمائی تو وہ حیران رہ گئے کہ اس صلح کو فتح کیسے کہا گیا ہے لیکن بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ فتح تھی۔

یہ پہلا موقع تھا جب مشرکین نے مسلمانوں کو برابر کی طاقت تسلیم کرتے ہوئے ان سے مذاکرات کیے

اس صلح کے ذریعے آپ نے دس سال تک کے لیے مشرکین کے ہاتھ باندھ دیئے اب نہ تو وہ خود مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے اور نہ ہی کسی حملہ آور کی مدد کر سکتے تھے۔ اس صلح کے ذریعے آپ نے قریش اور یہود کو بھی الگ الگ کر دیا ورنہ ہوتا یہ تھا کہ سازش اور سرمایہ یہودیوں کا ہوتا تھا اور بازو قریش کے استعمال ہوتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت پر قربان جاتیے کہ آپ جب مدینہ شریف لائے تو یہود کے ساتھ امن اور سلامتی کا معاہدہ کر کے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ وہ کھلم کھلا قریش کی امداد نہ کر سکیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہود اپنی ناپاک اور سازشی فطرت کے باوجود مسلمانوں کے سامنے نہ آسکے۔

اور جب یہود کی شرارتیں انتہا پر پہنچ گئیں اور ان کی طرف سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے اور جزیرۃ العرب سے اسلام کا نام و نشان تک مٹا دینے کی سازشیں طشت از باہا ہو گئیں تو اب اپنے قریش کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کے ہاتھ مسلح کی زنجیر سے جکڑ دیئے تاکہ وہ یہود کے ساتھ تعاون نہ کر سکیں۔

یہ ایک بہت بڑا فائدہ تھا جو صلح حدیبیہ سے حاصل ہوا۔ حجاز کی بڑی افرادی طاقت تو یہر حال قریش ہی کے ہاتھ میں تھی اور ان کے ساتھ برسہا جنگ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ساری توجہ جنگ پر مرکوز تھی لیکن صلح حدیبیہ کے نتیجے میں جب پُر امن ماحول پیدا ہوا تو اپنے دعوت کی طرف توجہ مرکوز فرمائی، مختلف سرداروں اور حکمرانوں کو تبلیغی خطوط لکھے۔ یوں اسلام کی آواز دور دور تک پہنچ گئی۔

اس پُر امن ماحول کا ایک اور بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے کفار کا مسلمانوں سے میل جول ہوا اور انہیں مسلمانوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، مسلمانوں کے اخلاق اور معاملات دیکھ کر ہزاروں لوگ حلقہٴ اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عمر بن عاص، حضرت عثمان بن ابی طلحہ اور حضرت حاتم بن عدی رضی اللہ عنہم اسی زمانے میں مسلمان ہوئے۔ میرے بزرگوں اور دوستو! اللہ تبارک و تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتے ہیں:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ

اور شاید کہ تم کو بُری لگے ایک چیز اور وہ

خَيْرَ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوْا
 شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ
 يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۲۱۶

بہتر ہو تمہارے حق میں اور شاید تم کو
 بھلی لگے ایک چیز اور وہ بُری ہو
 تمہارے حق میں اور اللہ جانتا ہے اور تم
 نہیں جانتے۔

انسان کی عقل، انسان کی نظر اور انسان کا علم ہر چیز ناقص ہے
 جبکہ رب کائنات کا علم کامل ہے۔ اس کی نظر ماضی پر بھی ہے حال پر بھی
 ہے اور مستقبل پر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے انسان جس چیز میں اپنی ذلت
 سمجھتا ہو اس میں اس کی عزت ہو اور جسے وہ اپنی شکست سمجھتا ہو وہ
 اس کی فتح ہو۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی عقل و فکر کو اللہ تعالیٰ کے علم
 کے تابع کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان مبارک لوگوں میں سے بننے کی
 توفیق نصیب فرمائے۔

وَأَخْرَجَ عَوَاثًا مِنَ الْحَدِيثِ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

حوالہ جات

- (۱) مدارج النبوت ص ۲۹۱ سیرت احمد مجتبیٰ
- (۲) رسالت مآب ترجمہ روضۃ الاحباب ص ۲۴۲ سیرت احمد مجتبیٰ
- (۳) صحیح بخاری ص ۵۸۶ ج ۲
- (۴) سیرت احمد مجتبیٰ ص ۳۱۳ بحوالہ صلح حدیبیہ محمد احمد یا شمیل ص ۱۱۸
- (۵)
- (۶)
- (۷) صحیح مسلم (۸) زاد المعاد - حافظ ابن قیم ص ۲۲۱ ج ۲
- (۹) مدارج النبوت ص ۳۰۴ (مجتبیٰ)

عزوة خیبر

”خیبر“ میں یہودی بھی بڑی کثرت سے رہتے تھے
 جو اپنی قوم کو پیغمبروں کی قوم کہتے تھے
 دنائت کے سبب عقل و فرد کو کھو گئے یہ بھی
 نبی تشریف لے آیا تو دشمن ہو گئے یہ بھی
 عرض یہ لوگ بھی اندر ہی اندر سخت دشمن تھے
 دغا باز اور محسن کش تھے اور پُر فتن تھے
 رسول اللہ کی عظمت کے گرچہ دل سے قائل تھے
 مگر یہ ان کی فطرت تھی، عداوت ہی پہ مائل تھے

(حفیظ جالندھری)

» مدینہ سے تقریباً چودہ سو مجاہدین روانہ ہوئے ان میں صرف دو سوار تھے باقی سب پیدل تھے، پورا لشکر جوش و ولولہ سے سرشار تھا، دنیا کی نظر میں یہ عجیب دیوانے لوگ تھے، پھٹے ہوئے لباس، ٹوٹے ہوئے جوتے، زنگ آلود تلواریں، میلاھا میل کا پاپیادہ سفر، کھانا محدود بلکہ کبھی بالکل ہی مفقود، بقول کسے صورت یہ تھی کہ کبھی تو چٹنا کبھی کچھ بھی نہ بنا، ربنا آتنا، وطن سے دور، شہادت کا امکان لیکن اس کے باوجود عجب کیف و مستی ان پر طاری ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میدان جنگ کی طرف نہیں جا رہے بلکہ کسی تماشا گاہ کی طرف جا رہے ہیں «

غزوة خیبر

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلَى رَسُوْلِكَ الْكَرِيْمِ اِمَّا بَعْدُ
فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

لَا اَنْتُمْ اَسَدٌ رَّهْبًا فِي
صُدُوْرِهِمْ مِنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ
بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ؕ
لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِي ثُرَى
مُحَضَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ
بِاَسْهُمٍ بَيْنَهُمْ سِدًّا يَدَّ
تَحْسِبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتَّى
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝
(الحشر - آیت ۱۳-۱۴)

البتہ تمہارا ڈر زیادہ ہے ان کے دلوں
میں اللہ کے ڈر سے یہ اس لئے کہ وہ
لوگ سمجھ نہیں رکھتے، لڑنے سکیں گے
تم سے سب مل کر مگر بستیوں کے کوٹ
میں یا دیواروں کی اوٹ میں، ان کی
لڑائی آپس میں سخت ہے۔ تو سمجھے
وہ اکٹھے ہیں اور ان کے دل جدا جدا
ہو رہے ہیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ
عقل نہیں رکھتے۔

محترم حاضرین و سامعین! اس سے پہلے آپ کے سامنے جن غزوات
کا بیان ہوا ہے خواہ وہ غزوة بدر ہو، خواہ غزوة احد ہو یا کہ غزوة
خندق ہو۔ یہ تمام غزوات اصل میں مشرکین اور عا کفار کے
ساتھ پیش آئے۔ اگرچہ یہود در پردہ قریش کی مدد کرتے تھے،
لیکن انہیں سامنے آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی کیونکہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی ان کے ساتھ امن و سلامتی کا معاہدہ کر لیا تھا جس کی رو سے وہ اس امر کے پابند تھے کہ نہ تو وہ خود مسلمانوں کے ساتھ جنگ کریں اور نہ ہی مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں۔ لیکن وعدہ خلافی، عہد شکنی، کہہ بکرنی، خیانت، دغا بازی، جھوٹ اور فراڈ یہود کی فطرت میں داخل تھی۔ اس فطری کمزوری نے انہیں اپنے قول و قرار پر کبھی قائم نہیں رہنے دیا قریش کو اُکسانے والے یہود ہی تھے، مسلمانوں کو جھوٹے اور مشرکین کو سچے ہونے کی سند دینے والے یہود تھے،

مہاجرین و انصار میں نفرت و عداوت ڈالنے کی کوشش کرنے والے یہود تھے،

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جان لینے کی تدبیر کرنے والے یہود تھے،

غزوہ احد میں بھی ان کے دل قریش کے ساتھ تھے، غزوہ خندق میں تو سب سے بڑا کردار تھا ہی یہود کا، مدینہ منورہ میں یہود کے تین بڑے گروہ تھے: ایک بنو نضیر، دو سکر بنی قینقاع اور تیسرے بنی قریظہ۔ بنو نضیر اور بنی قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا، بنو نضیر نے خیبر کے قریب و جوار میں پناہ لی۔ وہاں پہلے ہی یہودی آباد تھے اور بڑے خوشحال اور مالدار تھے۔ یہودی سرداروں نے اپنی حفاظت کے لئے خیبر میں قلعے بنا رکھے

تھے جن کی تعداد بعض مؤرخین نے سات اور بعض نے چودہ لکھی ہے۔ ان کے پاس جو فوج تھی اس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی۔

خیبر کے یہودیوں کو اپنی طاقت پر بڑا گھمٹ ڈٹھا اور وہ اب یہ تدبیر کر رہے تھے کہ مدینہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ میرے آقا اردگرد کے حالات پر نظر رکھتے تھے، آپ کے نمائندے آپ کو پل پل کی خیبر دیتے رہتے تھے اور آپ مسجد نبوی کے صحن میں بیٹھ کر دشمنوں کی تدبیروں کا توڑ کرتے رہتے تھے۔

اللہ والا آج جب کہ مسلمان تنزل کا شکار ہیں اور دن بدن بستی کی طرف جا رہے ہیں، اللہ والا اسے سمجھا جاتا ہے جسے دنیا کی بالکل خبر نہ ہو، نہ اسے یہ خبر کہ امریکہ حرمین شریفین پر قبضہ جانے کے لئے کیا تدبیریں کر رہا ہے،

نہ اسے یہ خبر کہ قبلہ اول کو یہودی عبادت گاہ میں تبدیل کرنے کے لئے کیا سازشیں ہو رہی ہیں، نہ اسے یہ علم کہ مسلمانوں کی معدنیات اور ان کے پٹرول کے کنوؤں پر تسلط جانے کے لئے کیا منصوبے بن رہے ہیں۔

نہ اسے یہ احساس کہ مسلمانانِ عالم کو معاشی اور سیاسی طور پر مفلوج کرنے کے لئے کیا کیا گٹھ جوڑ ہو رہے ہیں

نہ اسے یہ پتہ کہ اکھٹ ڈبھارت بنانے اور پاکستان کا وجود ختم کرنے کے لیے کونسے منصوبے زیرِ غور ہیں،

نہ اسے یہ علم کہ کشمیر اور افغانستان کے مسلمانوں کو عبرت ناک سبق سکھانے کے لئے کیا کیا ہتھکنڈے اختیار کیے جا رہے ہیں،

یہ تو پھر عالمی حالات ہیں، بہت سے لوگوں کی سوچ یہ ہے کہ صحیح اللہ والا وہ ہوتا ہے جو گھریلو ذمہ داریوں اور معاشرتی فرائض سے بھی بے خبر ہوتا ہے، اسے تجارت، ملازمت اور گھر بار سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرمایا کرتے ہیں کہ آج کل لوگ صوفی اسے کہتے ہیں جس کا ہر کام بے ڈھنگا ہو۔ تحریر بے ڈھنگی، تقریر بے ڈھنگی، لباس بے ڈھنگا، انداز و اطوار بے ڈھنگے لیکن جب مسلمانوں کو شعور حاصل تھا اس وقت اللہ والے کا مفہوم اور صوفی کا مفہوم کچھ اور تھا۔

باخبر نبی | میرے بزرگو اور دوستو! آپ سوچیے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی اللہ والا ہو سکتا ہے؟ کوئی صوفی صافی ہو سکتا ہے؟ کوئی متقی پرہیزگار ہو سکتا ہے؟ کوئی زاہد شب بیدار ہو سکتا ہے؟

اللہ کی قسم ہرگز نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں ہو سکتا، اگر میرا آقا اللہ والا نہیں تھا تو دنیا میں کوئی بھی اللہ والا نہیں اگر میرا آقا صوفی نہیں تھا تو دنیا میں کوئی بھی صوفی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود میرے آقا کی سہت دیکھئے کہ دنیا کے

حالات پر آپ کی نظر کتنی گہری تھی،

عالمی طاقتوں کے عزائم سے آپ کتنے باخبر تھے، قریش اور یہود کی سازشوں کا آپ کو کتنا علم تھا، آپ یقیناً باخبر نبی تھے اور یہ مت سوچیے گا کہ آپ کے باخبر

ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور آپ کو وحی کے ذریعے باخبر کر دیا جاتا تھا،

بے شک آپ پر وحی نازل ہوتی تھی لیکن حالات سے باخبر رہنے کے لیے آپ ظاہری اسباب بھی اختیار فرماتے تھے۔

میں آپ کو ایک واقعہ کے ذریعے بات سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔

غزوہ بدر سے کچھ پہلے مسلمانوں نے قریش کے تین غلاموں کو گرفتار کر لیا اور ان سے قریش کے لشکر کے بارے میں مختلف سوالات کرنے لگے، ایک سوال یہ بھی تھا کہ لشکر کی تعداد کیا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں صحیح تعداد معلوم نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ روزاً کتنے اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں؟ انہوں نے کہا کسی دن دس اور کسی دن نو اونٹ ذبح کیے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ لشکریوں کی تعداد نو سو سے ہزار کے درمیان ہے اس لیے کہ ایک اونٹ سو افراد کے لیے کافی ہو جاتا ہے

یہ ایک مثال ہے باخبر رہنے کی ورنہ آپ حالات کی تحقیق کے لیے اپنے نمائندے بھی بھیجتے تھے اور دشمن کے ضمیر فروشوں سے بھی معلوم حاصل کرتے تھے۔

بہر حال جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود **اتدائی جہاد** کے ارادوں کی اطلاع ملی تو آپ نے مناسب سمجھا کہ دفاع کے بجائے اتدائی جہاد کیا جائے۔ یہ جوہیں نے دو لفظ

بولے ہیں دفاع اور اقدام، تو یہ اس لئے نہیں بولے کہ میں آپ پر اپنی علمیت کا بگڑاؤں کہ دیکھو جناب میں کتنے مشکل الفاظ بول سکتا ہوں، بلکہ میں نے یہ دو لفظ اس لئے بولے ہیں کہ آپ کو سمجھا سکوں کہ جہاد دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی ہوتا ہے۔ اگر اپنی جگہ پر رہتے ہوئے مقابلہ کیا جائے تو یہ دفاعی جہاد کہہ دیا ہے اور اگر آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کیا جائے تو یہ اقدامی جہاد کہلاتا ہے۔ آج کل بعض نام نہاد مذہبی مصلحین جنہیں مفسدین کہنا زیادہ مناسب ہوگا، وہ اقدامی جہاد کا انکار کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی جہاد کیے ہیں وہ دفاعی ہی تھے، اقدامی جہاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غزوات میں حصہ لیا ہے ان میں سے اکثر اقدامی تھے۔ غزوة ابواء، اقدامی تھا، غزوة بواط اقدامی تھا، غزوة بدر اقدامی تھا، غزوة بنی سلیم اقدامی تھا، غزوة حمراء الاسد اقدامی تھا، غزوة بنی نضیر اقدامی تھا، غزوة بنو مصطلق اقدامی تھا، غزوة بنو دینار اقدامی تھا، غزوة حنین اقدامی تھا، غزوة طائف اقدامی تھا، غزوة تبوک اقدامی تھا۔ جیسے یہ غزوات اقدامی تھے اسی طرح غزوة خیبر بھی اقدامی تھا۔

آپ نے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر یہود کا انتقام نہیں کیا بلکہ آپ نے خود آگے بڑھ کر خیبر پر چڑھائی کی۔

یقیناً کامل | سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو "مناجم کثیرہ" حاصل ہونے کی بشارت مسلمانوں کو آیت نمبر ۲۱

میں ہے :

وَعَدَ كُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
تَأْخُذُوهَا - وَعَدَهُ كَمَا هُوَ
غَنِيمَتُونَ كَمَا كُمْ أَنْ كُولُوكِ

اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے پورا ہونے کا آپ کو بھی کامل یقین تھا اور صحابہ کو بھی یقین تھا بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ منافقین بھی سمجھتے تھے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا اسی لئے ان کی بھی خواہش تھی کہ ہمیں بھی غزوة خیبر میں شرکت کی اجازت دی جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ وہ شرکت کی اجازت مانگیں گے لیکن لے نبی! آپ انہیں اجازت نہ دینا۔ آیت نمبر ۱۵ میں ہے :

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا
انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ
لِتَأْخُذُوا هَٰذَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ
يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلِمَ اللَّهِ
قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَّبَكُمْ
قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ
بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا
لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝۱۵

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہونے جب
تم چلو گے غنیمتیں لینے کو چھوڑو ہم بھی
چلیں تمہارے ساتھ، چاہتے ہیں کہ
بدل دیں اللہ کا کہا۔ تو کہہ دے تم
ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے، یوں ہی
کہہ دیا اللہ نے پہلے سے۔ پھر اب
کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے
فائدہ سے۔ کوئی نہیں پر وہ نہیں سمجھتے
ہیں مگر تھوڑا سا۔

اللہ تعالیٰ کے اس اعلان کے پیش نظر آپ نے صرف ان لوگوں کو شرکت کی اجازت دی جو بیعت رضوان میں بھی شریک تھے البتہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے دوسو مہاجرین بھی خیبر آکر شامل

ہو گئے اور انہیں شمولیت کی اجازت دے دی گئی۔
 یہ اللہ کے وہ مخلص اور منتخب بندے تھے جو ایمان کی خاطر سب
 کچھ چھوڑ چکے تھے اور جن کے ایمانی دعویٰ کی سچائی کے لیے کسی اور دلیل
 کی ضرورت نہیں تھی۔

جوش و ولولہ | مدینہ سے تقریباً چودہ سو مجاہدین روانہ ہوئے
 ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تھے،

پورا لشکر جوش و ولولہ سے سرشار تھا، دنیا کی نظریں یہ عجیب دیوانے
 لوگ تھے، پھٹے ہوئے لباس، ٹوٹے ہوئے جوتے، زنگ آلود تلواریں،
 میلہا میل کا پاپیادہ سفر، کھانا محدود کبھی بالکل ہی مفقود، بقول کسے
 صورت یہ تھی کہ کبھی تو چٹنا کبھی کچھ بھٹی بنا رہتا آتنا، وطن سے دور،
 شہادت کا امکان لیکن اس کے باوجود عجیب کیفیت و مستی ان پر
 طاری ہوتی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ میدان جنگ کی طرف نہیں جا رہے
 بلکہ کسی تماشا گاہ کی طرف جا رہے ہیں۔ جیسے آج کل کھیلوں کا کوئی بڑا
 مقابلہ ہو تو سارا شہر ہی اسٹیڈیم کی طرف چل پڑتا ہے سوائے اس
 شخص کے جو یا تو مجبور ہو یا لوگوں کی نظریں بے ذوق ہو۔ یونہی میرے
 مسلمان بھائیو! جب جذبہ جہاد زندہ تھا تو چھوٹے اور بڑے سب ہی
 شہادت گاہ کی طرف چل پڑتے تھے۔ بس وہی رہ جاتے تھے جن کے
 دلوں میں منافقت کی بیماری ہوتی تھی۔ سولہ سو صحابہ کاشکریہ کی
 طرف رواں دواں تھا، کوئی ذکر میں مصروف تھا، کوئی جہادی نعرے
 لگا رہا تھا اور کوئی اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لئے جڑی خوانی کر رہا تھا
 حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ جڑی کے طور پر یہ اشعار پڑھ رہے

تھے اور ان کے پڑھنے کا انداز ایسا تھا کہ اونٹ مست ہو کر تیز دوڑنے لگے، ان کے ترنم اور ولولہ انگیز اشعار نے پورے لشکر پر ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا، وہ پڑھ رہے تھے :

وَاللّٰهُ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
 اِنَّا اِذَا قَوْمٌ بَغَوْا عَلَيْنَا وَاِنْ اُرَادُوا فِتْنَةً اَبَيْنَا
 فَاَنْزَلْنَا سَكِينَةً عَلَيْنَا وَثَبَّتْ الْاَقْدَامُ اِنْ لَا قَيْنَا
 اے اللہ اگر تو ہدایت نہ فرماتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ و خیرات کر سکتے اور نہ ہی نمازیں پڑھ سکتے ،

۲۔ ہم وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی قوم ہم پر یورش کرتی اور فساد کا ارادہ کرتی ہے تو ہم اس سے صاف انکار کر دیتے ہیں ۔
 ۳۔ تو اے اللہ ہمارے اوپر سکینت نازل فرما اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدموں کو جمائے رکھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ حدی پڑھنے والا کون ہے ؟ پھر آپ نے اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ صحابہ مزاج شناس رسول تھے وہ سمجھ گئے کہ حضرت عامر بن اکوعؓ شہید ہو جائیں گے اس لئے کہ جس شخص کے بارے میں آپ کی زبان مبارک سے دعائے مغفرت نکلتی وہ ضرور شہید ہو جاتا تھا۔

محمد والخمیس | سپ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مجاہدین کا یہ قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ خیبر کے قریب جا پہنچا، جب مسلمان خیبر کے قریب پہنچے تو رات کا وقت تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

و سلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ رات کو لڑائی شروع نہیں فرماتے تھے۔ صحابہ کے مشورہ سے پڑاؤ ڈالنے کے لیے آپ نے ایسے میدان کا انتخاب فرمایا جو اہل خیبر اور بنو عطفان کے درمیان پڑتا تھا، جس کا یہ فائدہ ہوا کہ قبیلہ بنو عطفان ارادے اور کوشش کے باوجود یہودیوں کی مدد نہ کر سکا، ان کا دس ہزار لشکر اہل خیبر کی مدد کے لئے نکلا لیکن جب سلمان مجاہدین کو دیکھا تو چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس چلا گیا۔ پڑاؤ کی جگہ فوری طور پر ایک مسجد بنادی گئی، عبادت بھی جاری تھی تلاوت بھی جاری تھی، تبلیغ و دعوت بھی جاری تھی اور دشمن سے مقابلے کی تیاری بھی جاری تھی۔ کسی ایک کام کی وجہ سے دوسرے کام کو ترک نہیں کیا گیا۔ آج کئی لوگ ایسے نظر آتے ہیں کہ عبادت کرتے ہیں تو دعوت کا کام نہیں کرتے، دعوت کا کام کرتے ہیں تو جہاد کا فریضہ ادا نہیں کرتے لیکن میرے آقا کی زندگی میں یہ سارے کام پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔

یہودی سو رہے تھے اور مسلمان بیدار تھے، ہائے کیسے کہوں آج یہودی بیدار ہیں اور مسلمان سو رہے ہیں۔ یہودی کسان اپنی زمینوں کو کاشت کرنے کے لئے صبح صبح باہر نکلے اچانک آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کو دیکھا تو یہ کہتے ہوئے اُلٹے پاؤں بھاگ گئے :

” اللہ کی قسم یہ تو محمد ہیں اپنی جماعت کے ساتھ “

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اکبر خربت

خبر انا اذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين -
 اللہ اکبر! خیبر برباد ہو گیا۔ اور ہم جب کبھی کسی قوم کے میدان میں
 اترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لئے بہت بُری ہوتی ہے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ خیبر میں کسی قلعے تھے،
کافروں کے قلعے | کسی نے ان کی تعداد سات لکھی ہے، کسی نے
 دس اور کسی نے چودہ اور ان میں سے ہر قلعہ مختلف صحابی کے ہاتھوں فتح
 ہوا، قلعہ ناعم حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا،
 قلعہ صعوب اور قلعہ ابی بن معاذ پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ
 عنہ کی قیادت میں قبضہ ہوا یونہی مختلف قلعے مختلف صحابہ کے ذریعے
 فتح ہو گئے۔

ان قلعوں میں سے سب سے زیادہ مضبوط قلعہ قموص تھا، اس کا محاصرہ
 کئی دن تک جاری رہا لیکن وہ فتح نہیں ہو رہا تھا۔

ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
انتظار کی رات | فرمایا لا عطین الراية غدا رجلا يحبہ اللہ
 ورسولہ یفتح اللہ علیہ کل میں جھنڈا اس شخص کو دوں گا جس سے
 اللہ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں اور اللہ اسے فتح عطا کرے گا۔

یہ بہت بڑی سند تھی جو نبوت کی زبان سے اس شخص کو دی گئی تھی
 جسے کل جھنڈا عطا ہونے والا تھا، صحابہ کی یہ رات بے چینی اور انتظار
 میں گزری۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کے دل میں آنے والی صبح
 جھنڈا حاصل کرنے کی آرزو نہ ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہ شرف تو ان میں سے

صرف ایک کو حاصل ہونا تھا اور اسی خوش نصیب کو دیکھنے کے لیے تمام آنکھیں اٹھی ہوتی تھیں۔ اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی کو بلاؤ، کسی نے بتایا کہ انھیں آشوبِ چشم ہے اور آنکھوں میں درد بھی ہو رہا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ انھیں بارگاہِ رسالت میں لے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور لعابِ دہن بھی آنکھوں میں ڈالا، کہاں تو یہ حال تھا کہ آنکھیں کھلتی ہی نہ تھیں اور کہاں یہ حال ہو گیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ آنکھیں کبھی دکھی ہی نہ تھیں، نہ آشوب کی سُرخی باقی رہی اور نہ درد کی تکلیف باقی رہی۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد پھر زندگی بھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں۔ پھر فرمایا: ”علی! جاؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، پہلے اسلام کی دعوت دو اگر ان میں سے ایک بھی شخص ہدایت پا گیا تو یہ تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے؛“

اُس زمانے میں سُرخ اونٹ کی قیمت وہی تھی جو آج کل پجارو گاڑی کی ہے۔

ضربِ حیدری | حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جھنڈالے کر قلعہ قموص کی طرف روانہ ہوئے یہ قلعہ مشہور سردارِ مرتب کی کمان میں تھا اور لوگوں میں مشہور تھا کہ قوت و طاقت میں مرتب ہزار سواروں کے برابر ہے۔ وہ یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں نکلا:

قد علمت خیبرانی مرتب خیبر جانتا ہے کہ میں مرتب ہوں
 ساکی السلاح بطل مجرب ہتھیار سجانے والا، بہادر اور تجربہ کار
 اذالقلوب اقبلت تلھب جب لوگوں کے ہوش اڑ جاتے ہیں تو
 میں بہادری دکھاتا ہوں۔

مرحبا کے مقابلے میں حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ نکلے ،
مرحبا نے ان پر تلوار سے وار کیا جسے انہوں نے ڈھال پر روک لیا،
پھر انہوں نے جوابی حملہ کیا لیکن تلوار ٹھوم کر انہی کے گھٹنے پر آگئی، ایسا
زخم لگا کہ وہ شہید ہو گئے۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے
سمجھا کہ چونکہ وہ اپنی تلوار کا نشانہ بنے ہیں اس لیے ان کے اعمال
صالح ہو گئے وہ بہت غمگین اور پریشان تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حزن و ملال کو دیکھا تو اپنی دو
انگلیاں اکٹھی کر کے فرمایا: ”اس کے لیے دُہرا اجر ہے۔ وہ بڑا جانناز
مجاہد تھا، اس جیسا کوئی عرب، زمین کی پشت پر نہیں چلا ہوگا، وہ
شہید ہے۔“

میں بتا چکا ہوں کہ حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ وہی صحابی
ہیں جو اونٹوں کو تیز دوڑانے کے لیے عُدی پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم
وقت سمجھ گئے تھے کہ انہیں شہادت نصیب ہوگی۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ
رجز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے، انہوں نے ایسی گھن گرج
سے رجز پڑھا کہ میدان گونج اٹھا، وہ فرما رہے تھے:

اِنَا الَّذِي سَمَّيْتَنِي اُمِّي حَيْدَرَهٗ میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام
غضب ناک شیر رکھا ہے

اَكِيْلِكُمْ بِالسَّيْفِ كَيْلِ السَّنَدَرَهٗ میں اپنی تلوار کی سخاوت سے تمہیں

بڑے پیمانے عطا کروں گا۔
 کلیث غایبات شدید قسورۃ میں جنگل کے شیر کی طرح سخت حملہ آور
 ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرحب پر ایسی ضرب لگائی جو
 اس کے خود اور سر کو پھاڑتی ہوئی گردن تک جا پہنچی۔ مرحب جہنم
 رسید ہو گیا تو اس کا بھائی یا سر یا گل ہاتھی کی طرح تھوک پھینکتا ہوا
 اور تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا حضرت زبیر بن عوام نے اسے بھی پیوند
 خاک کر دیا۔

جیسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں قلعہ قموص فتح
 ہوا اسی طرح دوسرے صحابہ کی قیادت میں دوسرے قلعے بھی ایک ایک
 کر کے فتح ہو گئے یہاں تک کہ یہود نے خود ہی صلح کی پیش کش کی جسے
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔ آپ نے یہودیوں کو خیبر میں
 رہنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے لئے شرط یہ لگائی کہ جتنا بھی
 غلہ اور پھل پیدا ہوں گے اس کا آدھا مسلمانوں کو ملے گا۔

یہودیوں کی شکست سے خیبر سے مکہ تک امن قائم ہو گیا۔ یہی وہ
 وہ سازشی گروہ تھا جو کبھی قریش کو اور کبھی قبیلہ بنو غطفان اور کبھی
 کسی اور مسلمانوں پر حملے کے لیے اکٹھا رہتا تھا۔

دو خوش نصیب | میرے بزرگو اور دوستو! غزوہ خیبر کے اہم
 واقعات میں نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے
 ہیں آخر میں صرف دو واقعات بیان کر کے بات ختم کروں گا ان دونوں
 واقعات میں ہمارے لیے بڑی عبرت، بڑی نصیحت اور بڑا سبق ہے۔ یہ

اصل میں دو شہیدوں کے واقعات ہیں اور ان کی شہادت اور قابل رشک موت دیکھ کر دل میں خیال آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی ہی موت نصیب فرمائے۔

ان میں سے پہلا واقعہ ایک اعرابی کا ہے اس نے خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان قبول کر لیا اور آپ کی اتباع کا عہد کیا۔ فتح خیبر کے بعد جب مالِ غنیمت کی تقسیم کا موقع آیا تو آپ نے اس اعرابی کا حصہ بھی الگ کر لیا۔ اتفاق سے وہ اس وقت چراگاہ میں گیا ہوا تھا وہ جب واپس آیا تو لوگوں نے اس کا حصہ اس کے حوالے کر دیا وہ اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے مالِ غنیمت حصہ لینے کے لئے تو آپ کا ساتھ نہیں دیا تھا (اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ) میں نے اس لئے ایمان قبول کیا کہ مجھے اس جگہ تیر لگے میں شہید ہو جاؤں اور جنت میں پہنچ جاؤں۔ آپ نے فرمایا: ”اگر تمہاری نیت صحیح ہے تو اللہ ایسا ہی کریگا“ خیبر کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شہداء لائے گئے تو آپ نے اسے پہچانتے ہوئے فرمایا: ”اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچائی کا معاملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی خواہش کو سچ کر دکھایا آپ نے اپنے مبارک جبے میں اس کو کفن دیا پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے لئے دعا فرمائی ”اے اللہ! تیرا یہ بندہ تیرے راستے میں ہجرت کے لئے نکلا تھا، یہ تیری راہ میں شہید ہوا ہے اور میں اس کا گواہ ہوں“ (۱۲)

ارے کیا خوش نصیبی ہے ایک نو مسلم کی، سچے دل سے ایمان قبول کیا، دل میں شہادت کی سچی تمنا پیدا ہوئی، اللہ نے اس تمنا کو پورا بھی کر دیا، سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک جبے میں کفن دیا، خود ہی نماز جنازہ پڑھی اور اس کے ایمان و اخلاص کی گواہی بھی نبوت کی زبان نے دی۔ واہ اے نو مسلم! تیرے مقدر پر موروٹی مسلمان بھی رشک کریں تو کیوں نہ کریں۔

دوسرا واقعہ بھی ایک نو مسلم ہی کا ہے۔

خیبر کے ایک مالدار شخص کا حبشی غلام تھا جو اس کی بکریاں چراتا تھا اس نے جب خیبر والوں کو ہتھیار اٹھاتے ہوئے دیکھا تو پوچھا آپ لوگوں کا کیا ارادہ ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس شخص سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔

پتہ نہیں کیا بات تھی کہ اس غلام کے دل پر بڑا اثر ہوا اور اس نے اسی وقت طے کر لیا کہ نبوت کے اس مدعی سے ملنا چاہئے چنانچہ وہ بکریوں کا ریوڑ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے جواب دیا کہ میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں لوگوں سے کہتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، غلام نے کہا کہ اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا کہ اگر اسی عقبے پر موت آجائے تو تمہارے لئے جنت ہے، غلام نے ایمان قبول کر لیا پھر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے

پاس یہ بکریاں امانت ہیں ان کا کیا ہوگا؟ اللہ کے نبیؐ یہ نہیں فرمایا کہ یہ تو یہودی کی ہیں یہ ہضم کر جاؤ۔ آپ دنیا کو امانت کا سبق سکھانے کے لیے آئے تھے اس لیے آپ نے فرمایا کہ ان بکریوں کو میدان میں چھوڑ دو یہ خود اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی جائیں گی چنانچہ ایسے ہی ہوا اور وہ بکریاں اپنے مالک کے پاس خود واپس چلی گئیں۔ پھر اس نو مسلم غلام نے جہاد میں حصہ لیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا مسلمان اس کی نعش اٹھا کر اپنے خیمہ میں لے آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف رخ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ نے اس غلام کے ساتھ بڑے اکرام کا معاملہ فرمایا میں نے دیکھا کہ اس کے سر ہانے جنت کی دو حوریں موجود ہیں حالانکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لئے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ (۱۳)

ہاں تو ایسے بھی ہوتا ہے بعض لوگوں کی محنت کم ہوتی ہے مگر اجر بہت زیادہ مل جاتا ہے ایسے بد بخت بھی ہوتے ہیں جو زندگی بھر عبادت کرتے ہیں مگر ان کی اپنی ہی کسی حرکت کی وجہ سے ان کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا تو وہ جہنم کا ایندھن بن جاتے ہیں اور ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی معاصی میں گزر جاتی ہے مگر جب زندگی کا سورج غروب ہونے لگتا ہے تو وہ توبہ کر کے پاک صاف ہو جاتے ہیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے پھر آسمان کے فرشتے اور جنت کی حوریں ان کو استقبال کرتے ہیں اور اللہ کی جانب سے انہیں کہا جاتا ہے

فَادْخُلِي جَنَّاتٍ
 اُكْبَسَتْ فِيهَا اَنْسَابُكُمْ
 اُولَئِكَ فِيهَا مُقَدَّمُونَ

۱۰۰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بھی ایمان پر فرمائے اور ہمیں

جنت کا حقدار بنائے
وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

حوالہ جات

- (۱) اردو دائرہ اسلامیہ ص ۶۷ ج ۹
- (۲) سیرت المصطفیٰ کاندھلوی ص ۱۳۸
- (۳) فتح الباری
- (۴) سیرت النبی شبلی ص ۲۸۹ ج ۱
- (۵) سیرت احمد مجتبیٰ ص ۱۷۳
- (۶) نبی رحمت بحوالہ ابن کثیر ص ۳۲۲ ج ۵
- (۷) صحیح مسلم
- (۸) ابن ہشام ص ۳۲۹ ج ۲
- (۹) بخاری ص ۶۰۳ ج ۲
- (۱۰) بخاری ص ۶۰۳ ج ۲
- (۱۱) صحیح مسلم
- (۱۲) بخاری اور مسلم وغیرہ دیکھ لیں۔
- (۱۳) نبی رحمت ص ۲۱۲
- (۱۴) زاد المعاد ص ۳۹۳ ج ۱

فتح مکہ

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
 سلام اس پر کہ جس نے نکالیاں سن کر دعائیں دیں
 سلام اُس پر کہ دشمن کو حیاتِ جاوداں دیدی
 سلام اس پر ابوسفیاں کو جس نے اماں دے دی
 سلام اُس پر کہ جس نے فضل کے موتی بکھیرے ہیں
 سلام اُس پر بڑوں کو جس نے فرمایا "یہ میرے ہیں"
 سلام اُس پر فضا جس نے زمانہ کی بدل ڈالی،
 سلام اُس پر کہ جس نے کفر کی قوت کچل ڈالی

(ماہرِ الفتاویٰ)

”ابوسفیان کی آنکھیں بھی دھوکہ کھا گئیں لیکن جب حضرت
 عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا
 کہ وہ عظیم انسان جس کی عزت و عظمت کو وہ کسی دنیاوی بادشاہ
 کی طرح سمجھ رہا تھا وہ اپنی اونٹنی ”قصور“ پر سوار ہے، سر مبارک
 عاجزی سے جھکا ہوا ہے، آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے
 حضرت اسامہ قصوار پر آٹکے پیچھے سوار ہیں، سر پر کالا عمامہ ہے
 زبان مبارک پر سورہ فتح کی آیات ہیں، نہ کسریٰ کا تخت تھا، نہ
 قیصر کا تاج تھا، نہ ہٹو بچو کی صدا ہے تھیں، نہ کھوپڑیوں کے مینار
 تھے، نہ گشتوں کے کپتے تھے، نہ عزت و ناموس کی پامالی تھی، نہ
 شراب کے جام تھے — دنیا کی جنگی تاریخ میں ایک بالکل نئے
 باب کا اضافہ ہو رہا تھا۔ میرے آقا مکہ میں فاتحانہ انداز میں نہیں
 بلکہ عاجزانہ انداز میں داخل ہوئے“

فتح مکہ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

امَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا
 لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ
 مِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ
 وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ
 وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ⑤
 وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَظِيمًا ⑥

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح
 فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے
 ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا
 کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلائے تجھ کو
 سیدھی راہ اور مدد کرے تیری اللہ

زبردست مدد۔

میرے بزرگو اور دوستو! آج کی نشست میں فتح مکہ کا بیان کرنا
 چاہتا ہوں۔ اس غزوہ میں بھی ہم گنہگاروں کے لیے بے شمار سبق ہیں۔
 اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان سے کوئی عملی اور واقعی نصیحت
 حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں گذشتہ سے پیوستہ جمعہ عرض کر چکا ہوں کہ ۱۰ھ میں حدیبیہ
 کے مقام پر قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو معاہدہ کیا
 تھا، اس معاہدہ کی ایک شق یہ تھی کہ دس سال تک جنگ نہیں ہوگی اور

جو قومیں مسلمانوں سے ملنا چاہیں وہ مسلمانوں سے مل جائیں اور جو قریش سے ملنا چاہیں وہ قریش سے مل جائیں۔ چنانچہ بنو خزاعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے اور بنو بکر قریش کے حلیف بن گئے۔ معاہدہ کو ابھی دو برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے ان کی مدد کی۔ ان بیچاروں نے امان بھی مانگی، اللہ کے واسطے بھی دیتے، بھاگ کر خانہ کعبہ میں پناہ بھی لی لیکن ان کو ہر جگہ بے دریغ قتل کیا گیا۔ وہ جب اللہ کا واسطہ دے کر کہتے **اللہک اللہک** تو ظالم جواب میں کہتے **لا الہ الا اللہ** (آج خدا کوئی چیز نہیں) بنو خزاعہ کے مظلوم افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے سردار عمرو بن سالم نے بڑے پُر درد اشعار کی صورت میں اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کی داستان سنائی۔ اس نے کہا

ان قریشًا اخلفوك الموعدا ونقضوا ميثاقك المؤکدا
 هم بئیتونا بالوتیر هجدا فقتلونا رکتًا وسجدا
 قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی ہے، انہوں نے آپ سے جو موکلہ اور مضبوط معاہدہ کیا تھا وہ انہوں نے توڑ دیا ہے۔

انہوں نے وتیر میں ہم پر سوتے ہوئے حملہ کر دیا اور رکوع اور سجود کی حالت میں ہمیں تہہ تیغ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا گبھراؤ نہیں عمرو بن سالم تمہاری مدد کی جائے گی۔

جذبات کا نتیجہ | صورت حال بڑی جذباتی تھی عمرو بن سالم نے

جذبات بھڑکا دینے والے انداز میں بات کی تھی لیکن اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جذبات میں نہیں آئے بلکہ آپ نے صحیح صورت حال کی تحقیق اور قریش پر اتمامِ حجت کے لیے اپنا نمائندہ مکہ بھیجا اور قریش کے سامنے تین صورتیں رکھیں ایک یہ کہ خنزاعہ کے مقتولوں کی دیت ادا کر دو، دوسری یہ کہ بنو بکر سے لا تعلق کا اعلان کر دو اور تیسری یہ کہ معاہدہ حدیبیہ کے ختم ہونے کا اعلان کر دو (گویا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ)

قریش کے بعض سرداروں نے جواب دیا کہ ہاں ہم معاہدہ ختم کرنے پر راضی ہیں

یہ بات انہوں نے عجلت میں کہہ تو دی لیکن بعد میں انہیں احساس ہوا کہ یہ ہم نے تو بہت غلط جواب دیا ہے۔

اکثر ایسے ہی ہوتا ہے کہ انسان فوری جذبات میں کوئی بات کہہ دیتا ہے یا کوئی کام کر بیٹھتا ہے لیکن بعد میں پشیمان ہوتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحتل اور بردباری کا سبق دیا ہے۔

ابوسفیان اس معاہدہ کی توثیق کے لیے مدینہ منورہ گیا اور اس نے بڑی کوشش کی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہم سے سفارش کرانے کی کوشش کی لیکن کسی نے بھی اس کی حمایت نہ کی چنانچہ مایوس اور ناکام ہو کر مکہ واپس لوٹ گیا

مکہ کی تیاری | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی تیاری کا حکم دے دیا لیکن اس تیاری کو خفیہ رکھنے کی تاکید کی۔ اس

میں آپ اب مزید خونریزی نہیں چاہتے تھے، آپ کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ اچانک قریش کے سر پر پہنچ جاؤں اور مسلمانوں کی کثرت اور سپاہیانہ شان و شوکت دیکھ کر ہی وہ تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کاشکرت لے کر رمضان ۳ھ میں مکہ المکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور سات دن کے سفر کے بعد مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر ”مر الظهران“ کے مقام تک پہنچ گئے۔

باخبر کون اور بے خبر کون | قریش کو اپنے باخبر ہونے اور تجربہ کار ہونے پر بڑا ناز تھا لیکن سپہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ ہر میدان میں طفلِ مکتب ثابت ہوئے۔

اللہ کے نبی اپنے جاسوسوں اور نمائندوں کے ذریعہ قریش کی سازشوں سے باخبر تھے لیکن قریش کی بے خبری کا یہ عالم تھا کہ سلمان دس میل کے فاصلے پر پہنچ چکے لیکن انہیں کانوں کان خبر نہ ہوئی اور جب چہرہ امہوں وغیرہ کے ذریعہ پتہ چل ہی گیا تو بھی وہ یہ جان نہ سکے کہ مسلمانوں کا ارادہ کیا ہے؟ کیا یہ مکہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں یا طائف کی طرف پیش قدمی کرنا چاہتے ہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہر مجاہد الگ الگ آگ کا اولاد روشن کرے، آگ کے روشن ہونے سے پورا میدان بقعہ نور بن گیا جنہوں نے دور سے آگ کو دیکھا ان کے دل دہل گئے، ابوسفیان حالات کا اندازہ کرنے کے لیے ادھر سے گزرا تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا کہ ایسی شان و شوکت والا لشکر اور اس طرح کی روشنی تو میں نے

اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور وہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، ابوسفیان اسلام قبول کر کے آپ کے غلاموں میں داخل ہو گئے (۲)

یادگار دن | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکریوں کو ہدایت فرمادی تھی کہ مکہ میں داخل ہوتے وقت صرف اسی شخص پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت ہے جو خود مقابلے پر آئے یہ بھی فرمادیا تھا کہ کسی کے مال اور جائیداد میں بھی دست درازی کی اجازت نہیں۔

جمعہ کا مبارک دن تھا، رمضان کی بیس تاریخ تھی، ہجرت کا آٹھواں سال تھا اور عیسوی تاریخ ۱۱ جنوری ۶۳۰ء تھی، جب پہ سال را اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح ہدایات دے کر اپنے مجاہدوں کو مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا۔

یہ وہ دن تھا جس کا وادی بطنجا کو ہزاروں سال سے انتظار تھا، یہ وہ خواب تھا جس کی تعبیر کے لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے دعائیں مانگی تھیں۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۹﴾

یہی وہ شکر اور قائد شکر تھا جس کے بارے میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا "میرا محبوب سرخ و سفید ہے وہ دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہے"

یہی وہ فرشتہ صفت مجاہدین تھے جن کے بارے میں صدیوں پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توہات میں فرمادیا تھا :

” خداوند دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے ہاتھ میں ان کے لیے ایک آتشیں شریعت تھی“

پر شکوہ شکر اگرچہ عام زندگی میں تواضع اور عاجزی کا حکم دیا گیا ہے لیکن دشمن کے سامنے سچ دھج اور شان و شوکت کے اظہار کا حکم ہے۔ نبی آخر الزمان کی تعلیم یہ ہے کہ کمزوروں کے سامنے گردن جھکا کر چلو اور مت کبروں اور مشرکوں کے سامنے گردن اٹھا کر چلو تاکہ وہ تمہیں کمزور نہ سمجھ بیٹھیں۔

مسلمانوں کا لشکر ایک عجیب ترتیب اور مرعوب کن شان کے ساتھ مکہ کی طرف رواں دواں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو کسی ایسے بلند مقام پر کھڑا کر دیں جہاں سے وہ اسلامی لشکر کی سچ دھج کا نظارہ کر سکیں۔

ابوسفیان نے جو نظر ڈالی تو سامنے عجیب نظارہ تھا۔ پوری وادی میں انسانوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے، ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے، سروں پر خود، پرچم اٹھاتے، سینے تانے ہوئے، صفیں بناتے، کٹی ایک لوہے میں پھیسے ہوئے، نعرے لگاتے ہوئے ایک ایک قدم ناپ تول کر اٹھاتے ہوئے گزر رہے تھے۔ یہ فاتحانہ دستے سمند کی موجوں کی طرح متلاطم نظر آتے تھے۔

ابوسفیان نے جو یہ جاہ و جلال دیکھا تو اس کی نظریں دھوکا

کھا گئیں۔ وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا اے ابوالفضل
 آج تمہارے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے۔ انہوں نے کہا ابوسفیان
 یہ اقتدار کی چمک دمک نہیں یہ نبوت کا معجزہ ہے میرے آقا کی
 شان ہی کچھ ایسی تھی کہ بعض اوقات لوگوں کی نظریں دھوکہ کھا
 جاتی تھیں وہ میرے آقا کے غلاموں کی فرمانبرداری اور جانثاری کو
 دیکھتے تو انہیں ایک بادشاہ اور سردار ہونے کا دھوکہ ہو جاتا،
 لیکن جب وہ آپ کو اللہ کے حضور تڑپتا، روتا اور بلبلا تا دیکھتے
 تو انہیں خود اپنی بدگمانی پر افسوس ہوتا

عاجزانہ، نہ کہ فاتحانہ | ابوسفیان کی آنکھیں بھی دھوکہ کھا گئیں
 لیکن جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ

نے اس کی آنکھیں کھول دیں تو اس نے دیکھا کہ وہ عظیم انسان جس
 کی عزت و عظمت کو وہ کسی دنیاوی بادشاہ کی طرح سمجھ رہا تھا،
 وہ اپنی اونٹنی قصواء پر ہے، سر مبارک عاجزی سے جھکا ہوا ہے،
 آزاد کردہ غلام حضرت زید کے بیٹے حضرت اسامہ قصواء پر آچکے
 پیچھے سوار ہیں، سر پر کالا عمامہ ہے زبان مبارک پر سورہ فتح کی آیات
 ہیں۔ نہ کسری کا تخت تھا نہ قیصر کا تاج تھا، نہ ہٹو بچو کی صدائیں
 تھیں، نہ کھوپڑیوں کے تینار تھے، نہ گشتوں کے نشے تھے،
 نہ عزت و ناموس کی پامالی تھی، نہ شراب کے جام تھے۔ دنیا
 کی جنگی تاریخ میں ایک بالکل نئے باب کا اضافہ ہو رہا تھا، میرے
 آقا مکہ میں فاتحانہ انداز میں نہیں بلکہ عاجزانہ انداز میں داخل
 ہوئے۔

مسلمان مجاہدین بے شک ایک شان سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور اس لیے داخل ہو رہے تھے تاکہ دشمن مرعوب ہو جائے اور خون ریزی کی نوبت نہ آئے لیکن خود پہ سالارِ اعظم کا حال یہ تھا کہ تواضع اور عیدیت کا کوئی انداز نہ تھا جو آپ نے اختیار نہ فرمایا ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! آپ دنیا بھر کے فاتحین کے حالات کا مطالعہ کیجئے، ان کی سیرت دیکھئے، ان کے حالات پر نظر ڈالئے مفتوح اقوام کے ساتھ ان کا معاملہ دیکھئے۔ آپ کو کہیں بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی جھلک دکھائی نہیں دے گی۔ آپ کنڈر کا حال پڑھیں، آپ دار کی سیرت اٹھائیں، آپ ہلا کو اور چین گیز کی ہسٹری دیکھیں، آپ نیپولین اور ہٹلر کی کہانی پڑھیں یہ بڑے بڑے فاتحین تھے اگر آپ کا ضمیر زندہ ہے اور عقل ماؤف نہیں ہو گئی تو آپ کے دل تو اٹھ ہی دے گا کہ فاتحِ مکہ کے ساتھ تقابل میں ان لوگوں کا نام لینا بھی تحقیق اور تاریخ کی توہین ہے۔

فاتحِ مکہ نے عام اعلان فرمادیا ”جو ابوسفیان کے گھر میں جائے اسے امان ہے، جو مسجدِ حرام میں چلا جائے اسے امان ہے، جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اسے امان ہے“

ہے کوئی فاتح جس نے معافی کا ایسا عام اعلان کیا ہو۔ وہ ابوسفیان جس کے گھر میں سازشیں ہوتی تھیں اور وہ دارالفساد بنا ہوا مسکرتانے اسے دارالامان بنا دیا۔
نقطے اور ہاتھ کی تبدیلی | محترم سامعین! ان واقعات کو توجہ

سے سننے اور دلوں کو روشن کیجئے، اللہ کی قسم تمہیں ایسا آقا نہیں ملے گا۔ غلامی کرنی ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کیجئے۔ ارے غلامی مت کیجئے قیصر کی، کسریٰ کی، سکندر کی، دارا کی، نپولن کی، ہٹلر کی، ماورے تنگ کی، اسٹالن کی، کلنٹن کی، واشنگٹن کی، گاندھی کی، آندھی کی، طوفان کی — ارے غلامی کرنی ہے تو غلامی کیجئے آقائے دو جہان کی، حاملِ قرآن کی، بے مثال انسان کی، محبوبِ رحمن کی۔

آپ لوگوں کے جذبات کا تو مجھے پتہ نہیں لیکن جہاں تک میرا حال ہے بہت گنہگار ہوں، بے عمل ہوں، بد عمل ہوں لیکن سچ کہتا ہوں کہ مجھے اپنے آقا کی غلامی پر فخر ہے میرا نام محمد اسلم ہے اگر کوئی مجھے صرف اسلم کہے بے شک مولانا کہہ دے، قاری المقری کہہ دے، شیخ الحدیث کہہ دے لیکن محمد ہٹا دے تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے۔ ارے یہی تو ایک نسبت ہے سہارا پاس، یہ نسبت نہ رہی تو ہم کس کام کے ہیں؟ مجھے تو اپنے آقا کے واقعات بیان کرنے میں بڑا مزہ آتا ہے۔ آپ کی خبر نہیں، سنئے حضرات! اور توجہ سے سنئے میرے آقا کے غلام تھے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ انصار کے دستے کے امیر تھے وہ ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے جذبات میں آکر کہہ دیا:

”الیوم یوم الملحمة الیوم تستحلّ الکعبۃ الیوم اذلّ اللہ قریشا“ آج خونریزی کا دن ہے، آج انتقام کا دن ہے، آج کعبہ میں سب جائز ہوگا، آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل کر دیا، ہاں آج ہم حضرت سمنیہ پر ڈھانے والے ظلم و ستم کا بدلہ لیں گے،

آج ہم حضرت یاسرؓ کی مظلومیت کا بدلہ لیں گے ،
 آج ہم خیابؓ کو دہکتے کونلوں پر لٹانے کا بدلہ لیں گے ،
 آج ہم بلالؓ کو گلیوں میں گھسیٹنے جانے کا بدلہ لیں گے ،
 آج ہم ابو فکیہؓ کو ستانے کا بدلہ لیں گے ،
 آج ہم اپنے آقاؐ کے راستے میں کانٹے بچھانے کا بدلہ لیں گے ،
 آج ہم شعب ابی طالب کے بھوک سے بلکتے تڑپتے بچوں کا بدلہ
 لیں گے ،

آج ہم نبی کے جسدِ اطہر پر غلاطت ڈالنے کا بدلہ لیں گے ،
 ہاں سنگدل ظالمو! آج تمہیں بلالؓ و صہیبؓ اور عمارؓ و
 خبیثؓ کے ایک ایک دکھ کا بدلہ دینا ہوگا۔

اليوم يوم الملحمة آج بدلہ لیے جانے کا دن ہے ،
 آج ظالموں کے سرنگوں ہوں گے اور ان کی گردنیں کٹیں گی ۔
 انصار کے امیر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ اپنے جذبات
 میں یہ نعرہ لگا رہے تھے ، ابوسفیان نے سنا تو حضور اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ کا ایک جیالا یہ نعرہ لگاتا پھر رہا ہے
 اب صورت یہ تھی کہ حضرت سعد بن عبادہؓ مخلص ساتھی ہیں ، تنگی
 اور ترشی میں ساتھ رہے ہیں۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں انصار کی
 قیادت کا جھنڈا ہے اگر ان سے جھنڈا واپس لیا جاتا ہے تو ان
 کی دل شکنی ہوتی ہے اور اگر ان کے نعرے کا کوئی بھی ایکشن نہیں لیا
 جاتا تو ابوسفیان کی دل شکنی ہوتی ہے جو کہ اب نرے ابوسفیان نہیں
 رہے تھے بلکہ حضرت ابوسفیان بن چکے تھے اور قیامت تک کے

مسلمانوں پر لازم ہو چکا تھا کہ ان کا نام آئے تو ساتھ رضی اللہ عنہ بھی کہیں،

ان کا ماضی کچھ بھی سہی، ماضی تو عمر بن الخطاب کا بھی اچھا نہ تھا مگر جب ان لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا تو ہمارے لیے واجب الاحترام ہو گئے اب ہم ان کا نام رضی اللہ عنہ کے بغیر نہیں لے سکتے،

ارے جب اللہ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے انہیں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا تو ہم کون ہیں بیچ میں ٹانگ اڑانے والے، ارے چل نہ تو چل پھٹو! تو کون ہے بیچ میں بیچ بننے والا، تجھے کس نے فیصل بنایا ہے کہ صحابہ کے ایمان و تقویٰ کا فیصلہ کرنا پھرے وہ عرش والا کہتا ہے کہ وہ میسر ہیں، میں ان کا ہوں، میں ان سے راضی ہو چکا ہوں تم بھی راضی ہو جاؤ، تمہاری ناراضگی ان کا تو کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ ہاں تم ان سے ناراض ہو کر اپنا سب کچھ بگاڑ لو گے۔

اپنے آقا کو دیکھو کہ ابوسفیان کی دلجوئی کا کتنا اہتمام ہے، اسے یہ نہیں کہا کہ چل بے تو کون ہے سعد بن عبادہ کی شکایت کرنے والا، تو کل کا مسلمان اور سعد برسوں کا مسلمان، تو لشکر کو دیکھ کر ایمان لایا اور سعد پیغمبر کو دیکھ کر ایمان لایا، تو تیل دیکھتا رہا اور تیل کی دھار دیکھتا رہا اور سعد تو بس ایمان کی بہار دیکھتا رہا۔

میرے آقا! میں تیرے غلاموں کے غلاموں کے غلاموں کی جوتیوں اور حکمت و دانائی پر قربان! اس نازک صورتحال میں آپ نے کیا ہی حکیمانہ طریقہ اختیار فرمایا، سعد بن عبادہ کی دل شکنی بھی نہ ہوئی،

اور ابوسفیان کی دل جوئی بھی ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہ کیا کہ ایک نقطہ بدل دیا اور ایک ہاتھ بدل دیا۔

نقطہ تو یوں بدلا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ کہہ رہے تھے :

”الیوم یوم الملحمة“ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لام“ کی جگہ

”راء“ کو رکھ دیا اور فرمایا سعد یوں نہ کہو ”الیوم یوم الملحمة“

بلکہ یوں کہو ”الیوم یوم المرحمة“ آج رحم کرنے کا دن ہے ،

آج معاف کرنے کا دن ہے ، آج درگزر کرنے کا دن ہے ۔

ارے کمزوری اور مجبوری میں تو ہر کوئی معاف کر دیتا ہے مزہ

تو تب ہے کہ طاقت اور اختیار کے ہوتے ہوئے معاف کیا جائے۔

اور ہاتھ یوں بدلا کہ پہلے جھنڈا حضرت سعدؓ کے پاس تھا

آپ نے ان سے جھنڈا لے کر ان کے صاحبزادے حضرت قیسؓ

کے حوالے کر دیا۔ حرف اور ہاتھ کی تبدیلی سے ابوسفیان کی

مشکایت بھی دور ہوگئی کہ انتقامی نعرہ لگانے والے سے جھنڈا

لے لیا گیا اور اس کا نعرہ بھی تبدیل کر دیا گیا اور حضرت سعدؓ بھی

ناراض نہ ہوئے کیونکہ اگر اسلامی پرچم ان سے لیا گیا تھا تو کسی اور کو

تو نہیں دیا گیا بلکہ انہی کے بیٹے کے حوالے کیا گیا۔ اور آپ جانتے

ہیں کہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ اگر کوئی اعزاز اس کے بیٹے کو

مل جائے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز خود مجھے ہی ملا ہے ۔

سب سے بڑا انسان | میرے مسلمان بھائیو! میں آپ کو کیسے

سمجھاؤں کہ ہمارا آقا اس کائنات کا سب سے

بڑا قائد، سب سے بڑا حکیم، سب سے بڑا ادانا، سب سے بڑا

نفسیات دان، سب سے بڑا مرث، سب سے بڑا مرتی اور سب سے بڑا انسان تھا۔

انسانیت کا عروج دیکھنا ہو اور ملکوتیت کا ظہور دیکھنا ہو تو میرے آقا کی سیرت کا مطالعہ کیجئے۔ آپ میرے دعوے کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، آپ تو پھر بھی ایمان بالغیب رکھنے والے لوگ ہیں، میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ اگر کوئی سمجھدار غیر مسلم بھی تعصب کی کالی عینک اتار کر مکئی، مدنی، ہاشمی، عربی آقا کی سیرت کا مطالعہ کر لے تو وہ بھی وہی کہے گا جو میں کہہ رہا ہوں۔

آپ دیکھیں کہ سو بڑے انسان جو کتاب لکھی گئی ہے اس کا مصنف عیسائی ہے لیکن وہ مجبور ہے کہ سو بڑے انسانوں میں سب سے بڑا انسان وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں کہتا، ارسطو اور افلاطون کو نہیں کہتا بلکہ وہ سب سے بڑا انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتا ہے۔ اپنے آقائے کائنات کی بڑائی دیکھنی ہو اور آپ پوری سیرت کا مطالعہ نہ کر سکتے ہوں تو صرف فتح مکہ ہی کا مطالعہ کر لیجئے

حرم کی صفائی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں اپنے مقام پر پہنچ گئے تو اب آپ بیت اللہ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے وہاں جا کر بیت اللہ کا طواف کیا اس وقت بیت اللہ کے گرد اگر دہین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے آپ کے دست مبارک میں کمان تھی آپ اس کمان سے ہر بت گراتے جلاتے

تھے اور زبان مبارک سے یہ آیت تلاوت فرماتے تھے
 جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَّقَ الْبَاطِلُ حَقٌّ آجِکَا اور نَاحِی نَابُودْ ہو گیا، یَقِینًا بَاطِل
 اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا ۙ تھابھی نَابُودْ ہونے والا۔

(بنی اسرائیل)

حسن سلوک | طواف کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ رضی سے کعبہ
 کی چابی لی اور اندر داخل ہو کر اس کے ہر گوشے میں اللہ اکبر کے
 ترانے گائے اور پھر نماز شکرانہ پڑھتے ہوئے رب العزت کے
 سامنے پیشانی کو خاک پر رکھ دیا۔

عثمان بن شیبہ کعبہ کے کلید بردار تھے، کعبہ کو کھولنے اور بند
 کرنے کی ذمہ داری اور شرف انہی کو حاصل تھا، نبوت کے ابتدائی
 دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک دن چابی طلب
 فرمائی تھی تو انہوں نے سخت جواب دیا تھا مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے انتہائی بردباری سے انہیں جواب دیا تھا کہ عثمان! ایک دن آئیگا
 جب یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی پھر میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا
 عثمان بن طلحہ کہتے ہیں پتہ نہیں کیا بات تھی کہ میرے دل نے گواہی
 دی کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔

اور آج انہوں نے اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسول کی پیشنگوئی
 کو پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا، وہ پریشان تھے کہ معلوم نہیں اب
 مجھے کلید کعبہ واپس ملتی بھی ہے یا نہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے باہر تشریف لائے تو کنجی
 آپ کے دست مبارک میں تھی۔ آپ کو دیکھتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ

کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! حاجیوں کو زہرم پلانے کی سعادت تو ہمیں پہلے ہی حاصل ہے، بیت اللہ کی درباری کا شرف بھی ہمیں عطا فرمادیں لیکن اللہ کے رسول نے یہ چاہی اپنے جانشین حضرت علی کو نہیں دی بلکہ دوبارہ عثمان بن طلحہ کو عنایت کر دی اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی سنا دی کہ یہ چاہی قیامت تک تمہارے پاس رہے گی اور ظالم کے سوا کوئی تم سے اس کو چھین نہ سکے گا (۳) چنانچہ بیت اللہ کی چاہی آج تک ان ہی کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی دیر بیت اللہ میں اللہ کی تحمید و تمجید میں مصروف رہے

فیصلے کے منتظر

اتنی دیر میں اہل مکہ مسجد حرام میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ آپ باہر تشریف لائے تو مسجد حرام کھچا کھچ بھر چکی تھی، کعبہ کا دروازہ کھلا اور رحمت کے بادلوں سے نبوت کا حسین چہرہ برآمد ہوا آپ نے دروازے کے دونوں بازو تھام لیے، آپ اوپر تھے لوگ نیچے تھے۔ ایک چہرے پر ہزاروں آنکھیں ٹکی ہوئی تھیں، ایک زبان سے نکلنے والے ارشادات کے لیے ہزاروں انسان گوش بر آواز تھے آپ نے اس موقع پر نہ تو کوئی جذباتی تقریر فرمائی، نہ قریش کی نیا دنیوں کا ذکر کیا، نہ انتقام لینے کی بات کی، نہ اپنی سیاست اور قیادت کی تعریف فرمائی، نہ ہی مرعوب کن دھمکیاں دیں بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، صَدَقَ وَعْدُهُ
اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ

وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد
 وَحَدَّاهُ کی اور تمام لشکروں کو اسی
 اکیلے نے شکست دی۔

اس کے بعد کائنات کے سب سے بڑے انسان نے قریش کو
 مخاطب کرتے ہوئے ان سے سوال کیا ”اے قریشیو! تمہیں کچھ
 معلوم ہے کہ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں“
 فاتحِ اعظم کے اس اچانک سوال نے ان لوگوں کی گردنیں جھکا دیں اور
 انہیں اپنا ایک ایک جرم یاد آنے لگا۔ وہ یہودہ گالیاں بکنا، وہ جسم
 اطہر پر پتھر پھینکنا اور راستے میں کانٹے بچھانا، وہ ایمان والوں کو
 تختہ مشق بنانا، انہیں انگاروں پر لٹانا، ٹانگوں میں رتی ڈال کر
 گلیوں میں گھسیٹنا، وہ حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کرنا اور ان کا
 کلیجہ چباننا اور ناک کان کا ہار بنانا، وہ حضور کی بیٹیوں کو طلاقیں
 دلوانا اور بھوک سے چلاتے بچوں پر قمقمے لگانا۔ ہاں انہیں اپنا
 ایک ایک جرم یاد تھا، اسی مکہ کی گلیاں تھیں اور یہیں پر ادھر ادھر
 گلیوں میں بازاروں میں، پہاڑوں پر اور وادیوں میں نہتے اور کمزور مسلمانوں
 کو ایمان سے منحرف کرنے کے لیے ہر روز کوئی نئی تدبیر سوچی جاتی تھی،
 ظلم کا کوئی نیا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا
 انہوں نے زر سے، زور سے اور زور سے مسلمانوں کو مٹانے
 میں سارا زور لگا دیا تھا۔

مکہ آقا کے سوال نے قریش کے سامنے ان کے تیرہ سالہ
 مظالم کی ایک فہم سی چلا دی۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے ان جرائم کی

سزا موت کے سوا کچھ بھی نہیں اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ دس ہزار
تلواریں اور بیس ہزار ہاتھ ایک اشارہ ابرو کے منتظر ہیں اگر یہ
اشارہ ہو گیا تو ہمارا انجام ابو جہل سے کم تر نہیں ہوگا لیکن انہوں نے
ہمت کر کے کہہ دیا "اخ کریم و ابن اخ کریم" آپ
کریم النفس ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں، ہمیں آپ سے
کریمانہ سلوک ہی کی توقع ہے۔

آپ نے فرمایا جاؤ میں تم سے وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی
یوسف نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آجِ تَمَّ بِرِ كُوْنِي الزَّامُ نَهِيْنَ، جَاؤْ تَمَّ
اِذْ هَبُوْا فَاَنْتُمْ الطَّلَاقُ (۴) سب آزاد ہو۔

محسن انسانیت کے اس لطف و کرم نے ان پتھر کے انسانوں
کو موم کر دیا، آپ نے ان کی گردنیں نہیں ان کے دل جیت لیے۔
اسلام کو تلوار کا مذہب کہنے والے لوگو! آؤ دیکھو کہ اسلام کیسے
پھیلا اور دلوں کو کیسے جیتا گیا۔

ظالمو! مسلمان مجاہدین کی تلواروں نے تو چند سرکشوں کی
گردنیں اڑائیں تو تم نے آسمان سر پر اٹھا لیا کہ اسلام بس تلوار سے
پھیلا ہے لیکن تم جو اپنے گولہ بارود سے لاکھوں کروڑوں
انسانوں کو موت کی نیند سلا رہے ہو تو یہ بتاؤ کہ اس سے کیا پھیل
رہا ہے۔ میں بتانا ہوں تمہارے گولہ بارود سے دہشت پھیل
رہی ہے، غربت پھیل رہی ہے، جہالت پھیل رہی ہے، قساوت پھیل
رہی ہے، غلاظت پھیل رہی، خباثت پھیل رہی ہے، شرارت

پھیل رہی ہے، ظلمت پھیل رہی ہے لیکن اسلام کے جہاد سے اور مسلمان مجاہدین کی تلوار سے متکبروں کا قلع قمع ہوا، سرکشوں کی گردنیں کٹیں، فرعونوں کے سر جھکے، قیصرہ سے نجات ملی، انسانوں کو امن ملا، معاشی خوش حالی حاصل ہوئی اور معاشرے کو عدل اور مساوات کا نظام ملا۔

عدل و مساوات | میں صرف ایک واقعہ سنا کر بات کو ختم کر رہا ہوں۔ فتح مکہ کے موقع پر یہ ہوا کہ بنو مخزوم قبیلے کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا، اس نے چوری کر لی، معزز قبیلے کی عورت تھی۔ قبیلے والوں نے سوچا کہ اگر اسلامی اصول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔ انہوں نے اسے بچانے کے لیے کسی مضبوط سفارش کی تلاش شروع کر دی آخر میں ان کی نظریں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پر جم گئیں وہ جانتے تھے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت محبت کرتے ہیں، ان کے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے تھے۔ حضرت اسامہ ان کے اصرار کی وجہ سے سفارش کے لیے تیار ہو گئے انہوں نے جب اس معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا آپ نے فرمایا اسامہ! کیا تم اللہ کی مقرر کی ہوئی حد و دین سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے ہو۔ اللہ کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔

یہ میں نے صرف ایک مثال دی ہے کہ اسلامی غزوات اور مجاہدین کی تلوار سے انسانیت کو کیا ملا، ورنہ اللہ نے چاہا تو کسی دو سے موقع پر انشاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے بات ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

غزوة تبوک

کھجوریں تک ملیں تھیں نہ جن کے پیٹ بھرنے کو
 یہ اللہ کے مجاہد تھے چلے تھے جنگ کرنے کو
 بہت سے سرسبز محروم گھوڑے اور ناقے سے
 بہت ایسے تھے جن کی رات بھی کٹتی تھی ناقے سے
 خیالِ عظمتِ ملتِ مکین تھا ان کے سینوں میں
 کوئی سامان نہ تھا، ذوقِ یقین تھا ان کے سینوں میں
 حفیظ جالندھری

” اور یہ لوگ ہیں بھی مجبور، ان کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ صرف پھونکیں مارنے سے کافروں کا ستیاناس ہو سکتا ہے، اور اگر کافر بم ماریں تو ایسے ایسے پہنچے ہوتے لوگ بھی ہیں جو فٹ پاں کی طرح اسے کیچ کر سکتے ہیں اور وہ سننے والوں کو ایسی ہی کہانیاں سناتے ہیں۔ لہذا اگر یہ لوگ جہاد کی آیتیں پڑھ کر عرس شریف اور کرامتوں کا بیان کرتے ہیں تو یہ اپنی ذہنی سطح اور کج فکری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر میں جہاد بالسیف سے جہاد بالاکل کی اہمیت زیادہ ہو اور وہ میدان جنگ میں گشتوں کے پُشتے لگانے سے زیادہ دسترخوان پر بیٹھ کر مرغ خان اور بٹیر خان کی ہڈیوں کا پُشتہ لگانے کو بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہوں۔“

غزوة تبوک

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اما بعد:

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ
خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا
أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ
وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي
الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ
أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا
يَفْقَهُونَ ۝ (التوبة)

خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے پر
جدا ہو کر رسول اللہ سے اور گھبرائے اس سے
کہ لڑیں اپنے مال سے اور جان سے اللہ کی
راہ میں اور بولے کہ مت کوچ کرو گرمی
میں، تو کہہ دو زخ کی آگ سخت گرم ہے
اگر ان کو سمجھ سوتی .

محترم حاضرین و سامعین! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو
ستائیس غزوات میں حصہ لیا تھا مگر ان سب کا تفصیلی تذکرہ ان
نشتوں میں نہیں کیا جاسکتا، میں تو اپنا اور حاضرین کا ایمان
تازہ کرنے کے لیے چمیدہ چمیدہ واقعات اور غزوات پر روشنی ڈال
رہا ہوں بہت سے لوگ ہیں جو تقریروں میں اوٹ پٹانگ کہانیاں

سننے کے بڑے شوقین ہوتے ہیں اور عوامی خطیبوں کو ایسی باتیں یاد بھی بہت ہوتی ہیں، کچھ قصے، چند لطیفے اور دو چار اشعار یاد ہوں تو بڑی کامیاب تقریر کی جاسکتی ہے۔ ہاں محض منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے ایک دو آیتیں اور دو تین حدیثیں بھی سنا دی جاتی ہیں جن میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان آیتوں اور حدیثوں کی موضوع سے کوئی مناسبت بھی ہو، بس لوگوں کو یہ پتہ چل جانا چاہئے کہ ہمارے خطیب صاحب کو قرآن بھی آتا ہے اور حدیثیں بھی آتی ہیں بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ خطیب صاحب آیت تو وہ پڑھتے ہیں جس میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہوتا ہے لیکن تقریر ساری کی ساری گیارہویں کے ختم کے بارے میں ہوتی ہے۔ یا آیت تو وہ پڑھی جاتی ہے جس میں جہاد کا حکم ہوتا ہے لیکن حضرت کا خطاب پیرجی کے عرس اور درویشوں کی کرامتوں کے بارے میں ہوتا ہے۔

اور یہ لوگ ہیں بھی مجبور، ان کا ذہن یہ بن گیا ہے کہ صرف پھونکیں مارنے سے کافروں کا ستیاناس ہو سکتا ہے اور اگر کافر ہم ماریں تو ایسے ایسے پہنچے ہوتے لوگ بھی ہیں جو فٹ بال کی طرح اسے کیج کر سکتے ہیں، اور وہ سننے والوں کو بھی ایسی ہی کہانیاں سناتے ہیں۔ لہذا یہ لوگ اگر جہاد کی آیتیں پڑھ کر عرس شریف کا اور کرامتوں کا بیان کرتے ہیں تو یہ اپنی ذہنی سطح اور کج فکری کی وجہ سے مجبور ہیں اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی نظر میں جہاد بالسیف سے جہاد بالاکل کی اہمیت زیادہ ہو اور وہ میدان جنگ میں کشتوں کے پشے لگانے سے زیادہ دسترخوان پر بیٹھ کر مرغِ فنا اور

بٹیر خاں کی ہڈیوں کا پُشتہ لگانے کو بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہوں۔
 اللہ تعالیٰ ان سادہ لوحوں کو عقل و فہم عطا فرمائے۔ کوئی ان سے
 پوچھے کہ اللہ کے بندو! اگر محض دعائیں کرنے اور بھونکنے مارنے سے
 دشمن کا خاتمہ ہو سکتا تھا تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں
 جانے کی کیا ضرورت تھی؟

أحد میں اپنے ستر پیاروں کی لاشیں اٹھانے کی ضرورت کیا تھی؟
 غزوہ تبوک میں سات سو کلو میٹر کا راستہ طے کرنے کی کیا ضرورت تھی
 غزوہ احزاب میں پانچ ہزار لمبی اور نو گز چوڑی خندق کھودنے
 کی کیا ضرورت تھی؟

اللہ کے بندو! جہاں جہاد کا حکم ہے وہاں دعائیں بھی تمہی قبول
 ہوں گی جب جہاد کے سارے تقاضے پورے کیے جائیں گے۔

اگر جہاد کا تقاضا سفر کرنے کا ہو تو سفر کرنا پڑے گا۔

اگر جہاد کا تقاضا تیر و تفنگ یا گولہ بارود چلانے کا ہو تو یہ چلانا

ہی ہوگا

اگر جہاد کا تقاضا مال خرچ کرنے کا ہو تو مال خرچ کرنا پڑے گا۔

اگر جہاد کا تقاضا جان لینے اور جان دینے کا ہو تو یہ تقاضا پورا

کرنا ہوگا۔

اگر یہ تقاضے پورے نہ کیے جائیں تو نہ ختم یسین کام آتا ہے، نہ

قنوت نازلہ کام آتی ہے، نہ دم درود کام آتے ہیں اور نہ ہی دعائیں

کوئی اثر دکھاتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ تلوار چلانے کی نوبت نہ آئے،

ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پیش نہ آئے، لاشیں اٹھانے کا موقع نہ

آئے، جیسا کہ غزوہ تبوک میں ہوا۔ لیکن مجاہد کو جہاد کے ہر تقاضے کے لیے تیار رہنا ہوگا

سپر پاور سے مقابلہ | غزوہ تبوک اصل میں اس وقت کی ایک انتہائی منظم اور دولت مند

سپر پاور سے مقابلہ تھا اور یہ عرب سے باہر کی طاقت تھی ورنہ عرب کافروں میں تو اب کوئی دم خم باقی نہیں رہا تھا۔ خیر فتح ہوا تو یہودیوں کی کمر لوٹ گئی، مکہ فتح ہوا تو قریش کی کمر لوٹ گئی، غزوہ حنین ہوا تو قریش کے بعد کی جو دو نمبر طاقت تھی یعنی قبیلہ ہوازن ان کی کمر لوٹ گئی اور یوں سمجھیں کہ حنین میں جو جنگ ہوئی یہ عربوں کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آخری جنگ تھی، اس جنگ نے ان کی طاقت کو ختم کر دیا اور ان کے دلوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے کھول دیا۔ عربوں نے تو اسلام کے سامنے سب جھکا دیئے لیکن رومیوں کے سر مزید اکرٹ گئے اسی زمانے میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست دی تھی گو یا امریکیوں نے روسیوں کو شکست دی تھی اس لیے کہ اس وقت دنیا کی بڑی طاقتیں یہی دو تھیں یا رومی تھے یا ایرانی تھے۔ عربوں کو یہ دونوں ویسے ہی حقیر سمجھتے تھے، خود عربوں کا یہ حال تھا کہ وہ رومیوں پر حملہ کرنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے بالکل ہمارے جیسی ان کی سوچ تھی۔

کیا آج کوئی سوچ سکتا ہے کہ پاکستان امریکہ پر حملہ کرے گا؟ اگر کوئی محض اس بارے میں سوچے ہی تو بابا لوگ اسے پاگل قرار دیدیں گے اور اس کے دیوانہ ہونے کے بارے میں کسی مہٹر کو شک نہیں ہوگا۔

لیکن میسر دو ستوا! سن لو اور کان کھول کر سن لو! آج امریکہ ایک بین الاقوامی غنڈے کی شکل اختیار کر چکا ہے، اس کی زیادتیاں حد سے تجاوز کر چکی ہیں۔ ہم کمزور ہی نہیں لیکن انشاء اللہ وہ وقت بہت قریب ہے جب دنیا بھر کے ستائے ہوئے انسان امریکہ پر حملہ آور ہوں گے اور ان حملہ آوروں میں پاکستانی بھی شامل ہوں گے۔

تو جیسے ہم امریکیوں کے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر سمجھتے ہیں اسی طرح عرب بھی اپنے آپ کو رومیوں کے مقابلے میں بہت کمزور سمجھتے تھے اور اس چیز نے ان کے دماغ بہت اونچے کر دیئے تھے، ان کے تکبر اور نخوت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے اپنے قاصد حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو بصری کے حاکم شہر حبیل کے پاس بھیجا تو اس نے میرے آفتاب کے سفیر کو بڑی بے دردی سے شہید کروادیا حالانکہ سفیروں کو قتل کرنے کا کسی بھی ملک اور کسی بھی معاشرے میں دستور نہیں تھا۔

شہر حبیل تو قیصر روم کا چھوٹا سا دم چھلہ اور چچہ تھا جب اس کے دماغ میں اتنا خناس اور اتنا تکبر بھرا ہوا تھا تو قیصر کے خناس کا اندازہ آپ خود لگالیں اور نرا خناس ہی نہ تھا قیصر کے پاس طاقت تھی، دولت تھی، دنیا کی سب سے بڑی منظم اور تربیت یافتہ فوج تھی، اسلحہ تھا، جنگ کا تجربہ تھا، حوصلہ تھا، گھمنٹ اور اعتماد تھا۔ وہ حال ہی میں کسے کو شکست دے کر آیا تھا، جب اس نے سنا کہ دنیا میں میسر علاوہ ایک نئی طاقت بھی ابھر رہی ہے اور وہ عرب جو ہمیشہ سے قبیلوں، فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہے ہیں وہ منظم

ہمور ہے ہیں تو اس نے سوچا کہ اس طاقت کو ابھرنے سے پہلے دبا دیا جائے۔ ویسے وہ شہدے میں موتہ کے مقام پر مسلمانوں سے زخم اٹھا چکے تھے ان زخموں کا بدلہ لینا بھی ضروری تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ نے دفاعی جہاد کے بجائے اقدامی جہاد کا فیصلہ کیا تاکہ لوگوں کے دلوں سے مادی سپر پاور کا رعب اور خوف نکل جائے۔ آپ تو دنیا میں آئے ہی اس لیے تھے تاکہ ان انسانوں کو یہ باور کرا دیں کہ سپر پاور صرف اللہ ہے اس کے مقابلے میں سب زیر و ہیں۔ چین زیر و، فرانس زیر و برطانیہ زیر و — لیکن حیرت ہے اس بات پر کہ آج کا زوال پذیر مسلمان ان میں سے بہت سوں کو سپر پاور سمجھتا ہے اور اس کے عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے سپر پاور ہونے کا یقین اس کے دل سے نکل چکا ہے۔

وہ مسلمان جو نماز کی ہر رکعت میں اللہ اکبر کہتا ہے، اس کے دل سے اللہ کی کسب رسانی کا یقین نکل چکا ہے۔

مقابلہ ایشیا | اللہ کے نبی روم اور ایران کو خدائی طاقت کے مقابلے میں پرکاش کی حیثیت نہیں دیتے

تھے لیکن بہر حال ظاہری اسباب کا اختیار کرنا بھی ضروری تھا آپ نے چندے کی اپیل کی، صحابہ نے اپنے اپنے انداز میں اس اپیل کے جواب میں لبیک کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دنوں کاروبار عروج پر تھا دل میں خیال آیا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے معاملے میں آج ابو بکرؓ سے سبقت کا بہترین موقع ہے، گھر گئے اور گھر کی ہر چیز کو

مساوی تقسیم کیا اور آدھا حصہ لے کر آقاؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے
 آقائے پوچھا عمر! اہل و عیال کے لیے کتنا چھوڑ کر آئے ہو عرض کیا
 آدھا ان کے لیے چھوڑ آیا ہوں اور آدھا آپ کی خدمت میں حاضر
 کر دیا ہے۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ بھی اپنا مال و متاع لے کر
 حاضر ہو گئے، پوچھا ابو بکر! بیوی بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟
 عرض کیا آقا جو کچھ تھا یہاں لے آیا ہوں اور بیوی بچوں کے لیے اللہ
 اور اس کے رسولؐ کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ عمر رضیے اختیاری کہہ اٹھے
 ابو بکر! تم سے آگے کوئی نہیں نکل سکتا
 کہنے والے نے غالباً اسی موقع کی مناسبت سے سیدھے سادے
 انداز میں کہا ہے

پروانے کے لیے چراغ اور بلبل کیلئے پھول بس
 ابو بکر کے لیے ہے خدا کا رسول بس
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو سو اونٹ، سو گھوڑے اور ایک
 ہزار دینار پیش کر دیئے۔ ان کا عطیہ سب سے بڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھ گئے اور دعا فرمائی :

”اے اللہ میں عثمان سے راضی ہو گیا تو بھی راضی ہو جا“
 پھر صحابہ کرامؓ سے فرمایا: لوگو! تم بھی عثمان کے لیے دعا کرو
 حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم پیش
 کیے۔ دینے والوں نے اتنا دیا کہ مسجد نبوی کے صحن میں ڈھیر لگ گیا۔
 ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ”جیش العسرة“
 وہ کیسے لوگ تھے | کی تیاری میں حصہ لے رہا تھا۔ ان کے ایشیا

اور تڑپ کے عجیب و غریب واقعات تاریخ نے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیے ہیں۔ ان واقعات کو بار بار پڑھئے اور سنیے اور ایمان تازہ کیجئے

حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک غریب صحابی تھے ان کے دل میں بھی "جیش العسرة" کی تیاری میں حصہ لینے کا خیال آیا لیکن پاس کچھ بھی نہ تھا۔ انہوں نے رات بھر ایک یہودی کے کھیت کو کنویں سے ڈول کھینچ کھینچ کر سیراب کیا، صبح ہوئی تو یہودی نے تقریباً چار سیر کھجوریں مزدوری کے طور پر دیں، انہوں نے دو سیر بیوی بچوں کے لیے چھوڑیں اور باقی دو سیر لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے لیکن جب مسجد نبوی کے صحن میں داخل ہوئے تو مال و متاع کا ڈھیر دیکھ کر جھجک گئے، اپنی کھجوروں کی پوٹلی حقیر سی محسوس ہوئی۔

یتیموں کے آقا، غریبوں کے آقا، مزدوروں کے آقا، کمزوروں کے آقا نے دیکھ لیا اور پہچان لیا کہ میرے مخلص جانثار کے قدم کیوں رگ گئے ہیں، فرمایا: ابو عقیل! یہ کیا ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ! رات بھر مزدوری کا کچھ حصہ نذر کرنے کی نیت سے آیا تھا لیکن یہ ڈھیر دیکھ کر ہمت نہیں ہو رہی۔

میں قربان جاؤں کائنات کے آقا کی دل جوئی اور دلداری کے انداز پر، آپ نے حکم دیا: اے لوگو! ابو عقیل کی یہ کھجوریں سارے ڈھیر کے اور بکھیر دو، چنانچہ ایسے ہی کیا گیا۔
میرے آقا نے بتا دیا کہ لوگو! عطیے کی مقدار نہ دیکھو دینے والے

کے اخلاص کو دیکھو، اس کے نیک جذبے کو دیکھو، اس کی سچی تڑپ کو دیکھو۔ منافقین کا گروہ بھی عجیب تھا۔ اگر کوئی صحابی زیادہ مال لاتا تو کہتے ریاکار ہے، اگر کوئی تھوڑا لاتا تو کہتے اللہ اس کے عطیے سے بے نیاز ہے، اللہ تعالیٰ نے نفاق کی آگ میں جلنے والے ان کم ظرف لوگوں کا ذکر اپنی مقدس کتاب میں یوں کیا ہے :

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ
وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ
الْإِجْتِهَادَ مِنْهُمْ
فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ
سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ
جو لوگ ان مسلمانوں پر طعنہ زنی کرتے ہیں
جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور ان لوگوں
پر جنہیں سوائے اپنی محنت مزدوری کے
اور کچھ میسر ہی نہیں، پس یہ ان کا مذاق
اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان سے تمسخر کرتا ہے
انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔
(التوبہ - آیت ۷۹)

حسرت کے آنسو | ایک اور واقعہ سنئے۔ سات مفلس مگر

مخلص مومن بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، عرض کیا اے اللہ کے نبی! جہاد میں حصہ لینے کا بہت شوق ہے لیکن سواری خریدنے کی طاقت نہیں اگر سواری کا انتظام ہو جائے تو ہمیں بھی جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس اونٹ نہیں جو تمہیں دیدوں۔

اللہ اکبر! کچھ نہ پوچھے کہ ان مخلصوں کے دل پر کیا گزری، رات بھر روتے رہے اور عالم الغیب والشہادۃ سے باتیں کرتے رہے اے اللہ! آج اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے خرچ کرنے کا موقع آیا ہے اور سبھی

اپنی اپنی استطاعت کے مطابق خرچ کر رہے ہیں لیکن ہم ناداروں کے پاس کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو تیری راہ میں دے سکیں، یا اللہ! میں موقع کے لیے تو تو نے کچھ دیا ہوتا

واہ میرے اللہ! میں تیری رحمت پر قربان، تو نے رات کی تاریک تنہائیوں میں مبارک آنکھوں سے گرنے والے ان آنسوؤں کا ذکر اپنی دائمی کتاب میں کر کے ان آنسوؤں کو بھی افتخار بخش دیا۔ سورہ توبہ کی آیت ۹۲ میں ہے :

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَلَّوْا
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أُجِدُّ مَأْ
أَحْمَلُكُمْ عَلَيْهِمْ تَوَلَّوْا وَ
أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ
حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ
اور نہ ان لوگوں پر کہ جب تیرے پاس آئے تاکہ تو ان کو سواری دے تو تو نے کہا میرے پاس کوئی چیز نہیں کہ تم کو اس پر سوار کروں تو الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے بہتے تھے آنسو اس غم میں کہ نہیں پاتے وہ چیز جو خرچ کریں۔
(التوبہ آیت ۹۲)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مدارج النبوة میں لکھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سات روئے والوں کو دیکھا تو ان کا دل بھرایا، چنانچہ حضرت یامین رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے سواری کا انتظام کر دیا۔

قبولیت توبہ ہے | زاد المعاد میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے علیہ بن زید کا واقعہ لکھا ہے کہ دل میں جہاد کی ٹرپ تھی مگر جیب خالی تھی۔ وہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے جہاد کی ترغیب سنتے تو آنکھیں بے اختیار برسنے لگتیں، دل ٹرپنے

لگتا، دیکھ رہے تھے کہ کئی آرہے ہیں سواریاں مانگنے والے مگر بارگاہِ نبوی سے مایوس لوٹ رہے ہیں، سو چا بارگاہِ نبوی نہیں، تو بارگاہِ الہی ہی سہی، وہاں تو درخواست پیش کر کے دیکھوں۔ چنانچہ تہجد کے وقت کھڑے ہو گئے اور عجیب انداز میں اپنی درخواست مجیب الدعوات کے حضور پیش کر دی۔ عرض کیا :

”اے اللہ! آج جہاد کا عمل درپیش ہے ترے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ترغیب دے رہے ہیں اور میں بالکل تہیدست ہوں، خود حضور کے پاس بھی کچھ نہیں کہ وہ میری مدد کر سکیں۔ اے میرے مالک و خالق! میرے پاس میری عزت اور جان کے سوا کچھ نہیں میں تیری راہ میں اسی کا صدقہ دیتا ہوں تو اپنے فضل سے اسے قبول فرما، نماز فجر کے بعد امام اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حاضرین سے سوال کیا تو حضرت علیہ بن زید رضی اللہ عنہ ڈرتے ڈرتے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: ”علیہ خوش ہو جاؤ، اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تیرا صدقہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے“

اے کاش | محترم سامعین! سارے صحابہ کے واقعات ہی بڑے عجیب ہیں ان میں سے کس کس صحابی کا تذکرہ کروں، غنہ و تبوک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ تھے ان میں سے ایک حضرت ذوالبجادیں رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بجا دکھڑے کو کہتے ہیں اور ذوالبجادیں کا معنی ہے دو کپڑوں والا! اور ان کو ذوالبجادیں اس لیے کہتے ہیں کہ جب انھوں نے ایمان قبول کیا تو

ان کے چیلنے ان سے سب کچھ چھین لیا، مال و متاع چھین لیا، سواری چھین لی اور حدیہ کہ بدن کے کپڑے بھی چھین لیے، ماں کو اپنے ننگے بیٹے پر ترس آیا اس نے ایک کھبل دیدیا انہوں نے اس کے دو ٹکڑے کیے آدھے کا تہبند بنایا اور آدھا اوپر سے اوڑھ لیا اور مکہ سے پیدل چلتے ہوئے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کون ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول! میرا نام عبد العزیز تھا، لات و عزیزی کا پجاری تھا اور اب موحد ہو گیا ہوں۔

اللہ اکبر! یہ جواب ان پر کتنا صادق آ رہا تھا، وہ واقعی موحد ہو گئے تھے، اللہ کے لیے سب کچھ چھوڑ آئے تھے، وطن چھوڑ دیا، نوم چھوڑ دی، خاندان چھوڑ دیا، رشتے دار چھوڑ دیئے، مال و متاع، مکان اور جائیداد چھوڑ دی یہاں تک کہ لباس بھی چھوڑ دیا، مشرکوں سے کہہ دیا کہ ظالمو! لے لو جو کچھ لینا ہے۔ میں سب کچھ چھوڑ سکتا ہوں لیکن ایمان نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج سے تمہارا نام عبد اللہ اور لقب ذو البجادین ہے۔

جب سلامی لشکر تبوک روانہ ہوا تو حضرت عبد اللہ بھی اس میں شامل ہو گئے اور اقل کے حضور عرض کیا کہ میرے لیے شہادت کی دعا فرمادیجئے اللہ کے نبی نے کیکر کے درخت کی چھال لیکر ان کے ہاتھ پر باندھ دی اور فرمایا اے اللہ! میں اس کا خون دشمنوں پر حرام کرتا ہوں۔ حضرت عبد اللہ نے عرض کیا اللہ کے رسول! آپ نے یہ کیا کر دیا میں تو شہادت کی آرزو لیکر آیا ہوں، آپ نے فرمایا اگر انسان جہاد کے راستے میں طبعی موت

مر جائے تو وہ بھی شہید ہوتا ہے اللہ کی شان دیکھئے کہ حضرت ذوالجہادین کو راستے میں بخار ہو گیا اور وہ اسی بخار میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لاش کو خود قبر میں اتارا اور تدفین کے بعد دعا فرمائی ” اے اللہ! میں اس سے خوش تھا تو بھی راضی ہو جا!“ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے یہ دعائی تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا کہ اے کاش اس قبر میں لٹایا جانے والا میں ہوتا۔

لشکرِ اسلام | یہ تو ان مخلص صحابہ کے جذبات تھے وہ چاہتے تھے کہ زندگی نصیب ہو تو اللہ کی رضا والی اور موت نصیب ہو تو وہ بھی اللہ اور رسول کی رضا والی۔

ان میں سے ایک ایک کی آرزو یہ تھی کہ مجھ سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جائے، اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو آپ سوچتے کہ مشکل حالات میں کوئی ایک بھی لشکر میں جانے کے لیے تیار ہوتا؟

حالات یہ تھی کہ موسم انتہائی گرم تھا، آسمان انکارے برسا رہا تھا اور زمیں تو بے کی طرح تپ رہی تھی، کھجوریں پکی ہوئی تھیں جو کہ ان کا ایک بڑا ذریعہ معاش تھا۔ مقابلہ اس وقت کی سپر پاور سے تھا، سات سو میل کا سفر تھا ایک سواری کئی کئی مجاہدوں کے حصے میں آتی تھی، فقر و فاقہ عروج پر تھا۔ اس لیے تو اس غزوہ کو ”غزوة العسر“ اور اس لشکر کو ”جیش العسرة“ بھی کہا جاتا ہے۔ ان ساری تکلیفوں اور رکاوٹوں کے باوجود تیس ہزار مجاہدین، اسلام کی عظمت اور حفاظت

پرتربان ہونے کے لیے تیار ہو گئے، صرف منافق تھے جو پیچھے رہ گئے
مسلمانوں کے اسی جوش اور جذبے کا نتیجہ تھا کہ رومی ہمت ہار گئے اور
انہوں نے مسلمانوں پر حملے کا ارادہ ترک کر کے پاپائی اختیار کر لی۔
چونکہ اس غزوہ کا اصل مقصد یہی تھا کہ رومیوں کو مرعوب کر دیا جائے
تاکہ انہیں اسلامی ریاست پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہو اور یہ مقصد
حاصل ہو چکا تھا اس لیے سپہ سالارِ اہم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس
ملک میں گھس کر ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور تبوک میں کئی راتیں
گزار کر مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔

امتحان اور کامیابی | آپ خیر و عافیت سے مدینہ پہنچ گئے تو
منافقین خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اپنے شریک نہ ہونے کے بارے
میں جھوٹے عذر پیش کرنے لگے، سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے ان
منافقوں کا بڑا تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی لیے اس سورت کو
”سورۃ الفاضحہ“ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سورت میں انہیں اللہ تعالیٰ
نے بے حد رسوا کیا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے
کریمانہ اخلاق کی بناء پر انہیں نہ تو کوئی سزا دی نہ ہی انہیں ملامت
کی اور نہ ہی انہیں یہ فرمایا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، صرف تین مخلص مسلمان
ایسے تھے جنہیں سزا ملی اور سزا بھی ایسی کہ ان پر زندگی کی ایک
ایک گھڑی سالوں پر بھاری ہو گئی۔

حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن
ربیع رضی اللہ عنہم یہ تینوں مخلص مسلمان تھے، بدری صحابہ میں سے
تھے لیکن ان سے سستی اور کوتاہی ہو گئی یہی سوچتے رہے کہ آج چلے

جائیں گے کل جائیں گے۔ اس آج اور کل کے چکر میں مدینے پڑے رہے
یہ آج اور کل کا چکر بھی نفس کا فریب ہوتا ہے، آج کا کام آج ہی کرنا
چاہئے، کل پر کبھی نہیں چھوڑنا چاہئے ورنہ وقت بہت آگے نکل جاتا ہے
اور انسان پیچھے رہ جاتا ہے کیونکہ وقت تو کسی کا انتظار نہیں کرتا۔
ابو خنیثہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی لشکر میں شامل ہونے سے رہ گئے
تھے، دو بیویاں تھیں، دونوں نے سخت گرمی میں ٹھنڈے سائبان میں
ان کے لیے بستر تیار کر رکھا تھا، دسترخوان بچھا ہوا تھا، دسترخوان
پر کھانے پینے کی نعمتیں چنی ہوئی تھیں، حضرت ابو خنیثہ رضی اللہ عنہ باہر
سے واپس آئے تو گھر کے دروازے پر رُک گئے، بیویاں کہہ رہی
ہیں ابو خنیثہ اندر آؤ یہاں راحت ہی راحت ہے، ٹھنڈک ہی ٹھنڈک
ہے، عیش ہی عیش ہے لیکن ضمیر کہہ رہا ہے ابو خنیثہ! اس جھلسا دینے
والی گرمی میں تیرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مصروفِ جہاد
ہوں اور تو اس ٹھنڈی جھونپڑی میں دنیا کے مزے لوٹ رہا ہو کیا
یہ مناسب ہے؟ اس خیال کا آنا تھا کہ بیویوں سے کہہ دیا میں تبوک
جا رہا ہوں۔ اونٹ پر بیٹھے اور تیزی سے سفر طے کرتے ہوئے آقا کی
خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا
تو فرمایا ”ابو خنیثہ مبارک ہو تم ہلاکت کی گود سے نکل آئے ہو“ (۳)
تو دوستو! بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اپنی عملی کوتاہیوں
کا تدارک اپنی قربانی اور چستی سے کر لیا کرتے ہیں لیکن وہ تینوں مخلص
صحابہ ایسا نہ کر سکے، حالانکہ مخلص تھے، بدر کے شرکار میں سے تھے
جن کی فضیلت مسلم ہے لیکن بعض اوقات بڑوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے

اور چونکہ وہ بڑے لوگ تھے، مقربین میں سے تھے اس لیے انہیں سزا بھی بڑی دی گئی ورنہ جو چھوٹے لوگ تھے جن کے دلوں میں نفاق بھرا ہوا تھا انہیں تو اللہ کے نبی نے کچھ بھی نہیں کہا، کسی نے کہا پیٹ میں درد تھا، کسی نے کہا مجھے قبض تھی، کسی نے کہا بی بی بیمار تھی، کسی نے کہا بابا بیمار تھا، کسی نے کہا میں اصل میں دل پھینک انسان ہوں جہاں حسن نظر آتا ہے میں ڈھیر ہو جاتا ہوں اور چونکہ رومی عورتیں خوب صورت ہوتی ہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں تو حسن کے تیروں سے مجھنا چیز کا کلیجہ پھلنی ہو جائے گا، ویسے تو میں بڑا جیالا، بڑا مجاہد اور بڑا جانثار ہوں لیکن میرے ساتھ مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہرجائی واقع ہوا ہوں۔

سچ بولنے والے | تو مت افقوں نے جھوٹ بول بول کر اپنی جان چھڑالی لیکن وہ جو مخلص تھے انہوں نے سچ بول دیا کہ اے اللہ کے رسول کوئی عذر نہ تھا بس کوتاہی ہو گئی آپ نے فرمایا تو جاؤ پھر اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ ادھر اللہ کے نبی نے تمام مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی بھی ان تینوں سے بات چیت نہ کرے۔

حضرت کعب بنی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں وہ وقت بھی بڑا عجیب تھا ہر مسلمان نے ہم سے قطع تعلق کر لی، اگر کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتا تو وہ اپنا رخ پھیر لیتا، زمین بدل گئی، آسمان بدل گیا، سارا مدینہ بدل گیا ہم اپنوں ہی میں اجنبی بن کر رہ گئے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہاں ہمارا کوئی جاننے والا ہی نہیں، سگے رشتہ دار ہمیں چھوڑ گئے۔

فرماتے ہیں کہ ابوقتادہ میرا چچا زاد بھائی تھا ہماری آپس میں بڑی دوستی اور بڑی محبت تھی میں ایک دن اس کے باغ میں گیا اور اسے سلام کیا لیکن اس نے میرے سلام کا جواب ہی نہ دیا مجھے بڑا دکھ ہوا، میں نے کہا ابوقتادہ تم میرا خون ہو اور یہ بھی جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوں، پھر تم میرے سلام کا جواب کیوں نہیں دیتے، میری ساری گفتگو سُن کر بھی ابوقتادہ خاموش رہے اور ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا، میں نے تیسری بار انہیں اللہ کی قسم دے کر سوال کیا تو ابوقتادہ نے جواب میں صرف یہ کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ جواب سن کر تو میرا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا، میرے دل میں خیال آیا کہ اب تو میرے ایمان کی تصدیق کرنے والا بھی کوئی نہیں اے کاش زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

یہ وقت بھی دیکھنا تھا | حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں بازار سے گزر رہا تھا کہ مجھے ایک تاجر نے غسان کے عیسائی بادشاہ کا خط پہنچایا جس میں اس نے لکھا تھا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارا آقا اور اس کے ساتھی تم پر زیادتی کر رہے ہیں تم خط ملتے ہی میرے پاس آ جاؤ، یہاں تمہیں نوازا جائے گا اور تمہیں عزت دی جائے گی۔ خط پڑھ کر میری زبان سے بے اختیار اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُوْنَ نکلا اور میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے اس آزمائش میں نہ ڈال۔ یا اللہ کیا میں اب ایسا گرا پڑا

ہو گیا ہوں کہ کافر میرے ایمان کا سودا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے وہ خط لیکر چلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا اور تاجر سے کہا یہ ہے تیرے بادشاہ کے خط کا جواب !

میرے ایمان کا سودا کرتے ہو؟ اور شاہی دربار کی عزت کا لالچ دیتے ہو؟ تم کافر کیا جانو کہ ہم مسلمانوں کی نظر میں مدنی آقا کی غلامی کے مقابلے میں دنیا کے بادشاہوں اور ان کا قرب مکھی کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ کہاں غنٹاں، کہاں مدینہ والا شان، کہاں عیسائی سرکار، کہاں مدنی آقا کا دربار، کہاں کفر کی غلاظت، کہاں ایمان کی حلاوت، کہاں شیطان کی عبادت کہاں رحمن کی اطاعت !

مسلمانوں کے بائیکاٹ کو چالیس دن گزر گئے تو نیا حکم یہ آیا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ ہو جاؤ۔

میرے بزرگو اور دوستو! صحابہ حقیقت میں حکم کے بند تھے، عجیب انسان تھے وہ، ان کے رگ وریشہ میں ایمان ایسا رچا بسا تھا کہ وہ بالکل بدل کر رہ گئے تھے۔

جب بیویوں سے علیحدہ ہونے کا حکم آیا تو حضرت کعب بن جحش نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے سوال کیا کہ بیوی کو طلاق دے دو؟ انہوں نے بتایا کہ نہیں یہ مقصد نہیں، بس علیحدہ ہو جاؤ۔ کیسا سخت امتحان تھا جس سے وہ دوچار ہو گئے تھے۔ لیکن یہ محض اللہ کا کرم تھا کہ اس سخت امتحان میں بھی ان کے قدم ڈمگائے نہیں۔ البتہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ غم دل و جان کو کھائے

جاری تھا کہ اگر اسی حالت میں میرا انتقال ہو جائے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم میری نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے اور اگر خدا نخواستہ
آقا کا انتقال ہو گیا تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا اور قیامت تک
کوئی مسلمان بھی مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں کرے گا۔

آزمائش اور آسائش | جب پچاس دن گزر گئے تو آزمائش
کے دن ختم ہو گئے اور آسائش کا دور شروع ہو گیا۔ یہ تینوں صحابہ
جس طرح امتحان کے دنوں میں مرکز اسلام سے وابستہ رہے تھے
اس وابستگی نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر
میں ان کا وقار بڑھا دیا اور ایسا بڑھا دیا کہ ان کی توبہ کا اعلان خود
رب العالمین نے کیا اور ایسے اعلان نہیں کیا کہ صرف اپنے نبی کے
دل میں الہام کر دیا ہو بلکہ باقاعدہ آیات نازل ہوئیں تاکہ قیامت
تک مسلمان ان آیات کی تلاوت کرتے رہیں اور یہ نصیحت حاصل
کرتے رہیں کہ جو مخلصین آزمائشوں میں پورے اترتے ہیں انہیں
یوں نوازا جاتا ہے۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ سہ

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ہمارے جیسے جو ماڈرن عاشق اور دیوانے ہوتے ہیں وہ جب
تک کھانے پینے کو ملتا رہے چمٹے رہتے ہیں اور جب ذرا تکلیف
پہنچتی ہے تو راستہ بدل لیتے ہیں سہ

اک ذرا سی بات میں برسوں کے یار انے گئے

مگر اتنا تو ہوا کہ کچھ لوگ پہچانے گئے

حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں پچاسویں دن

فجر کی نماز پڑھ کر غمگین سا ہو کر چادر اوڑھ کر لیٹا ہوا تھا کہ پکارنے والے نے کوہِ سلع کی چوٹی پر چڑھ کر زور سے پکارا اے کعبہ بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی میں یہ آواز سنتے ہی سجدے میں گر گیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش برسنے لگی، جس شخص نے سب سے پہلے آکر مجھے خوش خبری سنائی میں نے اپنے کپڑے اتار کر اسے ہدیہ کر دیئے اور پھر البوقتادہ سے کپڑے مانگ کر اپنے آقاؐ اور محبوب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے چاند کی طرح چمک رہا تھا، آپ نے فرمایا:

”جب سے تم نے جنم لیا ہے اس وقت سے لے کر آج تک تمہاری زندگی میں آج سے بہتر دن نہیں گزرا“

حضرت کعبہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟

حضور نے فرمایا یہ معافی اللہ کی طرف سے ہے۔
حضرت کعبہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول توبہ قبول ہونے کی خوشی میں ہیں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں۔
آپ نے فرمایا نہیں سارا نہیں، کچھ اپنے لیے بھی رکھ لو۔
حضرت کعبہؓ نے عرض کیا مجھے اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اس پریشانی سے نجات دی ہے، میرا عہد ہے کہ میں ساری زندگی سچ کے سوا کچھ اور نہیں بولوں گا۔

خطا کاروں کی دلجوئی | میرے دوستو! اگر ایک طرف ان تین مخلص مومنوں کی استقامت بے مثال تھی تو دوسری طرف

رب العالمین کی دلجوئی اور قبولِ توبہ کا انداز بھی دیکھئے
 اللہ تعالیٰ نے ان تینوں خوش نصیبوں کی قبولِ توبہ کا اعلان
 کرنے سے پہلے اپنے نبی کی توبہ اور مہاجرین و انصار کی توبہ قبول
 کرنے کا اعلان کیا، فرمایا :

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ قَوْمٍ مِنْهُمْ (التوبة - ۱۱)

اللہ مہربان ہو انبی پر اور مہاجرین اور انصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے

اور ان حضرات کے بعد پھر ان تینوں حضرات کی توبہ قبول کرنے کا

اعلان کیا، فرمایا :

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَصَافَتْ عَلَيْهِمُ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا گیا تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف، پھر مہربان ہوا ان پر تاکہ وہ پھر آئیں، بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

بعض حضرات نے اس ترتیب میں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر صرف ان تینوں کی توبہ کا ذکر کیا جاتا تو ممکن تھا کہ وہ احساسِ کمتری اور تنہائی کا شکار ہو جاتے، اس لیے کریم و رحیم رب نے دوسرے ایمان والوں کو

بھی شامل کر لیا پھر اس بات پر بھی غور کیجئے کہ ان حضرات کی معافی کا اعلان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر فرما دیا **إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُّ الرَّحِيمُ** - بیشک اللہ ہی ہے مہربان رحم والا۔

ارے یہ مت سمجھو کہ اللہ نے صرف ان تینوں کو معافی عطا کی، بلکہ جو خطا کار بھی اس کے سامنے ندامت کے آنسو بہاتا اور سچے دل سے گڑ گڑاتا ہے تو وہ اس کی توبہ ضرور قبول کرتا ہے اس لیے کہ وہ مبالغے کے ساتھ توبہ بھی ہے اور رحیم بھی۔ یعنی بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان۔

اؤ میرے دوستو! ہم بھی اپنے گناہوں سے توبہ کریں، اپنے انفرادی گناہوں پر بھی روئیں اور اجتماعی گناہوں پر بھی آہ وزاری کریں۔ یہ جو ہم نے جہاد کا عمل چھوڑ رکھا ہے اور مشرق سے مغرب تک مسلمان مادیت کے سیلاب میں ڈوبے ہوئے اور غفلت کی نیند سوتے ہوئے ہیں تو یہ بھی جرم ہے۔

ہم سے پہلوں نے جہاد سے پہلو تہی کی تو وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے اور ہمیں بھی وراثت میں یہی زنجیریں دے گئے اگر ہم نے بھی اس جرم پر اصرار کا سلسلہ جاری رکھا تو ہمارا اور آنے والی نسل کا مقدر بھی یہی غلامی ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی غزوة تبوک کے مجاہدین جیسا جذبہ جہاد، ان جیسی محبت و اطاعت اور ان جیسی استقامت و عزیمت نصیب فرمائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو جیسے کل کی سپر پاور نے گھٹنے ٹیکے تھے آج کی سپر پاور بھی گھٹنے ٹیکے گی۔

محترم حاضرین! غزوہ تبوک وہ آخری غزوہ ہے جس میں رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی۔ اس غزوہ کے
 بعد آپ نے حج فرمایا اور پھر سفرِ آخرت کی تیاری شروع فرمادی اسلیے
 انشاء اللہ اگلے جمعہ حجۃ الوداع اور اس کے بعد آپ کے سفرِ
 آخرت کا بیان ہوگا۔

وَ أَخِرْدَعُوْنَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

حجۃ الوداع

میں شش جہت کی فضا کو جلووں سے تیرے لبریز دیکھتا ہوں
 تیرے محبت بھرے فسانے کو زندگی خیز دیکھتا ہوں
 یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے اقوال خود بخود منہ سے بولتے ہیں
 یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے احوال خود دلوں کو ٹوٹتے ہیں
 یہ دیکھتا ہوں کہ جہاں کے ویرانے تیرے قدموں سے گلستاں ہیں
 یہ دیکھتا ہوں کہ تیرے دیوانے علم و حکمت کے پاسباں ہیں
 میں ان مناظر کو دیکھتا ہوں دمک رہی ہیں مری نگاہیں
 دمک رہی ہیں، چمک رہی ہیں، مہک رہی ہیں مری نگاہیں

علامہ تاجور نجیب آبادی

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی عمارت کے جو دوسرے اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے اور اس عمارت کے کسی محمار نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اس دعویٰ کی سعادت حاصل ہوئی، عرب و عجم کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہ اعلان کروا دیا کہ لوگو! میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انسانوں کے لیے دین کی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں لائے گا، جو پیغام دو سکرا نبیاء لیکر آئے وہ خاص زمانہ کے لیے تھا، خاص قوم کے لیے تھا، خاص وقت کے لیے تھا۔

یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں، میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجموں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتوں سب کے مسائل حل کر سکتا ہوں ۛ

حجۃ الوداع

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

اما بعد

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر
کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف
راہ چلنے کی۔ اور جو نہ مانے تو پھر اللہ
پر واہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی

وَاللَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ
الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ
كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ
الْعَالَمِينَ ﴿۱﴾ (آل عمران)

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! حج اسلام کا چوتھا رکن ہے اور
ہر صاحبِ استطاعت پر حج فرض ہے، یہ کوئی ایسی اختیار یاری
عبادت نہیں ہے کہ جو چاہے کر لے اور جو چاہے نہ کرے، بلکہ جو شخص
سفر اور رہائش وغیرہ کے اغراجات برداشت کر سکتا ہو اس پر حج
کرنا لازم ہے۔

حج کے بارے میں ہمارے ہاں عجیب تصورات پائے جاتے ہیں
بعض لوگ اسے محض عقیدت و محبت کا سفر سمجھتے ہیں جیسے کئی لوگ
مزارات وغیرہ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ تو حج کو بھی اسی قسم کا

ایک سفر سمجھتے ہیں جہالت کی انتہا یہ ہے کہ ایک صاحب نے بتایا کہ ان کے سامنے ایک جاہل کہنے لگا کہ بھائی مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ ہے اور مکہ میں (معاذ اللہ) اللہ کا روضہ ہے۔ مگر آج میرا یہ موضوع نہیں انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر حج کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں تفصیلی بات ہوگی۔ آج تو اصل میں سیرت کے حوالے سے جو گفتگو کئی جمعوں سے مسلسل چل رہی ہے اسی گفتگو کو پڑھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ اور جیسا کہ یہ بات پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ کتابی انداز میں ساری جزئیات بیان کرنا میرا مقصد نہیں ہے بلکہ صرف سیرت کی نمایاں جھلکیاں ناچاہتا ہوں تاکہ ہمارے خزاں زدہ دلوں میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار آئے اور اطاعت و اتباع کا جذبہ بھی پیدا ہو۔

محترم حاضرین! حج تو سبھ میں فرض ہو گیا تھا لیکن فرضیت کے فوراً بعد آپ تشریف نہیں لے گئے بلکہ اس وقت آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حجاج کا امیر بنا کر بھیج دیا اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا کہ وہ جا کر سورہ ہرات سُنادیں اور یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کسی مشرک کو بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کی اجازت عطا فرمائی تو سبھ میں آپ نے حج کا ارادہ فرمایا۔

اس حج کو حجۃ البلاغ کہتے ہیں کیونکہ آپ نے امت تک دین

پہنچا دیا تھا اور امت نے اس کو پہنچانے کی شہادت بھی دے دی۔
اس حج کو حجۃ الاکمال بھی کہتے ہیں کیونکہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ
نے تکمیلِ دین کی آیت نازل فرمائی۔

اس حج کو حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اور یہی زیادہ مشہور ہے
کیونکہ آپ نے اس حج میں اپنی امت کو الوداع کہا اور صاف
صاف فرمادیا کہ مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو، شاید میں اگلے
سال حج نہ کر سکوں۔

بے شمار لوگ | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ
فرمایا تو آپ کے ارادے کی اطلاع دور دور تک
پہنچ گئی اور بے شمار لوگ حج میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار
ہو گئے، حج کے لشکر میں اتنے لوگ شامل ہو گئے جن کا شمار کرنا
مشکل تھا۔ دائیں، بائیں، آگے پیچھے لوگ ہی لوگ تھے۔ بعض
روایات کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار یا چوالیس ہزار افراد
آپ کے ساتھ تھے۔

آپ ذوالقعدہ کی پچیس تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانہ
ہوئے، مسلمانوں کے تلبیہ کی آوازوں نے ایک سماں باندھ دیا۔
لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ
إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ۔

یہ تلبیہ بھی عجیب ترانہ ہے، اس میں محبت کا اظہار بھی ہے اور غلامی
کا اقرار بھی ہے۔ جب حجاج کرام آواز ملا کر تلبیہ پڑھتے ہیں تو ایمانی
جذبات بیدار ہوتے ہیں اور پڑ مردہ دلوں پر بہار آجاتی ہے۔

آٹھ دنوں کا سفر کر کے دین کے پروانوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کا یہ لٹ کر مکہ المکرمہ میں داخل ہو گیا۔ مکہ مکرمہ میں چار روز قیام فرمانے کے بعد آپ منیٰ تشریف لے گئے اور منیٰ میں ایک رات بسر کرنے کے بعد آپ عرفہ کی طرف روانہ ہوئے۔

عرفہ میں آپ نے زوالِ آفتاب کے بعد ایک تاریخی خطبہ | تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے پہلی بات

یہ ارشاد فرمائی : يَا أَيُّهَا النَّاسُ اني لا ادراني و اياكم نجتمع في هذه المجلس ابدا لوگو! میرا خیال ہے کہ میں اور تم اس مجلس میں دوبارہ کبھی اکٹھے نہیں ہوں گے۔

یہ ایسی اطلاع تھی جس کے ذریعے آپ اپنے سچے عاشقوں کو اپنی جدائی اور وفات کے عظیم صدمے کو برداشت کرنے کے لیے تیار فرما رہے تھے۔ سمجھنے والے سمجھ گئے اور ان کے دلوں پر قیمت گزر گئی۔

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی :

ان دماءکم و اموالکم لوگو! جیسے عرفہ کا دن حرمت والا
 و اعراضکم حرام علیکم ہے جیسے مکہ کا شہر حرمت والا ہے
 کحرمة یومکم هذا جیسے ذوالحجہ کا مہینہ حرمت والا ہے
 فی بلدکم هذا اسی طرح تمہارے خون، تمہارے
 فی شہرکم هذا مال اور تمہاری عزتیں بھی حرمت
 والی ہیں۔

لوگو! عنقریب تمہیں اللہ کے سامنے پیش ہونا ہوگا اور اللہ

تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا، میرے بعد
 گمراہ ہو کر ایک دوپٹے کی گردنیں نہ کاٹنے لگ جانا۔
 آج امت اس حکم کو فراموش کر چکی، مسلمان امت واحدہ
 نہیں رہے بلکہ فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو چکے، مذہبی، لسانی
 اور جماعتی اختلافات نے امت کو تقسیم سے دوچار کر دیا ہے۔
 روشنی یا تاریکی | الا کل شیء من امر الجاہلیۃ تحت قدمی
 موضوع لوگو! میں جاہلیت کی ہر بات
 کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔ ہاں ظلمت کا دور گزر چکا
 اب تو روشنی کا دور ہے۔

جاہلیت کا دور گزر چکا اب تو علم کا دور ہے،
 تنزل کا دور بند ہو گیا اور ترقی کا دروازہ کھل گیا ہے،
 ضلالت کے دن بیت چکے اور ہدایت کے شب و روز
 شروع ہو چکے،

دنیا میں میرے آقا کے آنے سے روشنی اور ترقی کا دور
 شروع ہوا۔ لیکن کم عقل انسانوں کی حماقت و سفاہت کو دیکھتے
 کہ یہ کم ظرف، کم فہم اور کم نظر لوگ میرے آقا کے دور کو تاریکی کا
 دور کہتے ہیں۔

اللہ کا کوئی بندہ ان ظلمت پرستوں سے پوچھے تو سہی کہ
 ظالمو! کیا تم شہوت پرستی کو روشنی کہتے ہو؟ نسوانیت کی
 تذلیل کو روشنی کہتے ہو؟ شراب نوشی اور بدکاری کو روشنی
 کہتے ہو؟ بے گناہ انسانوں پر ہم گرانے کو روشنی کہتے ہو؟ قوموں

اور ملکوں کو سامراجی زنجیروں میں جکڑنے کو روشنی کہتے ہو؟
 بے نسب بچوں کی ولادت کو روشنی کہتے ہو؟، سود، جوا، سٹ
 اور حرام خوری کو روشنی کہتے ہو؟ بہن، بیٹی اور ماں کے ناچنے
 اور تھرکنے کو روشنی کہتے ہو؟

یہ روشنی ہے یا تاریکی ہے؟

روشنی کا دور تو میرے آقا کا دور تھا، میرے آقا کے غلاموں
 اور غلاموں کے غلاموں کا دور تھا۔

جس دور میں انسان کی گردن اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں
 جھکتی تھی،

جس دور میں عورت کو ماں، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے عزت
 ملی، محبت ملی، شفقت ملی،

جس دور میں کوئی انسان بھوکا نہیں سوتا تھا، کوئی مظلوم
 داد رسی سے محروم نہیں رہتا تھا، کسی قوم کو رنگ یا زبان کی وجہ
 سے نفرت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا، کوئی ڈاکو اور بدعاش
 سزا اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ جسے تم روشنی کہتے ہو یہ روشنی
 تو زمانہ جاہلیت میں بھی تھی لیکن اسے روشنی صرف وہ لوگ کہتے
 تھے جو دن کے اجالے میں دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ یہ روشنی
 چمکا دڑوں کی روشنی تھی جو صرف اندھیرے میں دیکھ سکتے ہیں،

ارے احمقو! یہ ضلالت و بغاوت نہ کل روشنی تھی نہ آج
 روشنی ہے، یہ تو ظلمت کل بھی ظلمت تھی اور آج بھی ظلمت ہے اور اسی
 ظلمت کو میرے آقا نے اپنی تیئیس سال کی جان گسل محنت سے ختم

کر دیا اور ہر شہر، ہر محلے اور ہر بستی میں ہدایت کے چراغ روشن کر دیئے۔

میرے آقا نے جاہلیت کی ہر رسم کو اور ہر نشانی کو ختم کر دیا اور یہ حق صرف آپ ہی کو پہنچتا تھا کہ آپ یہ دعویٰ فرمائیں کہ :
كل شيء من امر الجاهلية جاہلیت کی ہر ایک بات میں اپنے
تحت قدمی موصوع . قدموں کے نیچے پامال کرتا ہوں۔

میں جاہلیت کے تمام جھگڑے ملیا میٹ کرتا ہوں، اب انتقام
در انتقام کا سلسلہ نہیں چلے گا

میں جاہلیت کے سارے سود ختم کرتا ہوں، اب سود در سود
کے معاملات نہیں ہوں گے اور ان دونوں باتوں کا آغاز میں
اپنے خاندان سے کرتا ہوں،

میں ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں، اس کا انتقام
نہیں لیا جائے گا۔ اور عباس بن عبد المطلب کا سود معاف کرتا
ہوں۔

یہ تھی میرے آقا کی زندگی کہ جو کچھ کہا اس پر سب سے پہلے خود عمل
کر کے دکھایا۔

چوتھی بات جو آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ
فاتقوا الله في النساء فانكم لوگو! خواتین کے بارے میں اللہ
أخذتموهن بآمان الله . سے ڈرتے رہو، تم نے اللہ کے نام
کی ذمہ داری سے ان کو بیوی بنایا،

تمہارا بھی عورتوں پر حق ہے اور عورتوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے

حقوق کے نام پر عورتوں کو بے وقوف بنانے والے لوگ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کریں اور عورتوں کے بارے میں آپ کی تعلیمات کو دیکھیں پھر وہ جان سکتے ہیں کہ عورت کیا ہے اور عورت کے حقوق کیا ہیں ورنہ آج کی عورت کے ذہن میں تو بس یہ بٹھا دیا گیا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا حق بے پردگی، عریانیت اور مردوں سے آزادانہ میل جول ہے۔

یہ جو مغرب پرست کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام عورتوں کے حقوق غصب اور سلب کرتا ہے تو یہ بات وہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسلام عورت کو شمعِ محفل نہیں شمعِ خانہ بننے کی تلقین کرتا ہے۔ جب تک عورت شمعِ خانہ تھی گھروں میں روشنی تھی، سکون تھا، محبت تھی، گھر ایک مدرسہ تھا جس میں تعلیم تھی، تربیت تھی اصلاح تھی اور جب سے عورت شمعِ محفل بنی ہے، ممکن ہے کچھ عیاش طبع لوگوں کی سوچ کے مطابق محفلوں میں روشنی پھیل گئی ہو مگر بے شمار گھرتا ریک ہو گئے ہیں نہ وہاں روشنی ہے، نہ سکون ہے، نہ محبت ہے، نہ مدرسہ ہے، نہ تعلیم ہے، نہ اصلاح و تربیت ہے۔ اللہ کے نبی کو خواتین کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ ہر اہم موقع پر آپ نے اپنے صحابہؓ کو اس طرف متوجہ فرمایا۔ حجۃ الوداع میں بھی متوجہ فرمایا اور جب آپ سفرِ آخرت پر روانہ ہونے والے تھے تو اس وقت بھی متوجہ فرمایا۔

کتاب اللہ | پانچویں بات جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ :

وقد تزلزلت فيكم ما لن
تضلوا بعده ان اعصمتم
به كتاب الله
لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ کر جا
رہا ہوں کہ جب تک تم اسے مضبوطی
سے پکڑے رکھو گے تم کبھی گمراہ نہ
ہو گے وہ چیز ہے کتاب اللہ!

تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمانوں نے کتاب اللہ کو تھامے
رکھا وہ ہر طرح کی ضلالت اور ذلت سے بچے رہے لیکن جب
مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا تو ضلالتوں اور ذلتوں نے
ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا۔ آج جب کہ ہر طرف فتنے ہی فتنے ہیں تو
سن لیجئے کہ ان فتنوں سے بچنے کا راستہ یہی ہے کہ مسلمان کتاب اللہ
کو مضبوطی سے تھام لیں۔

ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا
لوگو! سنو عنقریب عظیم فتنہ ہونے والا ہے، میں نے عرض
کیا یا رسول اللہ! اس وقت فتنہ سے نجات کا ذریعہ کیا ہوگا آپ نے فرمایا اللہ کی
کتاب اس میں پہلے لوگوں کے احوال بھی ہیں اور آئندہ ہونے والے امور کی
بھی خبریں ہیں، یہ کتاب حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی
ہے یہ کوئی مذاق نہیں ہے بلکہ اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ حق
ہے، جو مستکبر اس کتاب کو چھوڑے گا اللہ اسے ہلاک کر دے گا،
اور جو شخص قرآن کو چھوڑ کر کسی اور چیز میں ہدایت تلاش کرے گا
اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔

میرے دوستو! اس عظیم کتاب میں ہدایت ہے، نور ہے،

ایمان ہے، رحمت ہے، برکت ہے، دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے، اس کتاب میں قوت و طاقت ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان ہے، اس کتاب کو سینے سے لگانے سے عزت و عظمت حاصل ہوتی ہے اور اس کتاب سے قطع تعلق کرنے سے ذلت و رسوائی نصیب ہوتی ہے۔ آج ہم اس کتاب سے بہت دور ہو چکے ہیں، اکثر تو اسے پڑھتے ہی نہیں، جو پڑھتے ہیں وہ سمجھتے نہیں اور جو سمجھتے ہیں وہ عمل نہیں کرتے۔ ایسے لوگ گنہگار ہیں جو یہ تینوں حقوق ادا کرتے ہیں یعنی پڑھتے بھی ہیں، سمجھتے بھی ہیں اور عمل بھی کرتے ہیں۔

چھٹی بات آپ نے یہ ارشاد فرمائی :

ایہا الناس انہ لانیب لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی نبی ہے بعدی ولا امة بعدکم۔ اور نہ ہی تمہارے بعد کوئی نئی امت پیدا ہونے والی ہے۔

خوب سن لو! کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، خوش دلی سے اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو، اللہ کے گھر کا حج کرو، اپنے والیوں کی اطاعت کرو، اگر تم ایسا کرو گے تو تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

ساتویں بات آپ نے یہ فرمائی کہ لوگو! تم سے **حق ادا کر دیا** | قیامت کے دن میرے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ میں نے تم تک اللہ کا دین پہنچا دیا یا کہ نہیں، تو بتاؤ کہ تم کیا جواب دو گے۔ آپ نے جب سوال کیا اور مجمع کے کانوں سے ٹکرایا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار کا مجمع

پکار اٹھا :

قد بلغت وادیت ونصحت آپ نے اللہ کا دین ہم تک پہنچا دیا
آپ نے نبوت کا حق ادا کر دیا اور آپ

نے کھرے کھوٹے کے بارے میں اچھی طرح بتا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ میں اپنے نبی سے کہا تھا :

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا
أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ
وَأِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ

اے ہمارے پیغمبر جو کچھ آپ پر آپ
کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے
یہ (سب) آپ (لوگوں تک)

پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے نہ کیا تو
آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا ہی نہیں۔

اور پھر اللہ کے نبی نے اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے

میں نہ دن دیکھنا نہ رات دیکھی، نہ بہار دیکھی نہ خزاں دیکھی، نہ گرمی دیکھی

نہ سردی دیکھی، نہ صحت دیکھی نہ بیماری دیکھی، نہ محبت دیکھی نہ عداوت

دیکھی، نہ کالا دیکھا نہ گورا دیکھا، نہ غریب دیکھا نہ امیر دیکھا، نہ غلام

دیکھا نہ آقا دیکھا، نہ مکہ دیکھا نہ طائف دیکھا — ہر جگہ اور ہر وقت

ایک ہی فکر، ایک ہی درد، ایک ہی تڑپ اور ایک ہی مشن کہ کسی

طرح اللہ کے بندے اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ یہ کفر و شرک کی

علاقت سے نکل کر ایمان کے نور اور ایمان کی طہارت میں داخل

ہو جائیں۔ یہ درد آپ پر ایسا چھایا کہ تبلیغ و دعوت کا حکم دینے والے

اللہ کو بھی ترس آگیا اور اس نے اپنے حبیب کی تڑپ دیکھ کر کہا :

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ إِلَّا

م شاید کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر

يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

جان دیدیں گے۔

آپ جب توحید کی دعوت لیکر اٹھے تھے تو اکیلے تھے اور آج
صرف عرفات میں سو لاکھ سے زیادہ افراد اللہ کی توحید اور کبریائی
کا بیانگِ ذیل اعلان کر رہے تھے، ایمان غالب آچکا تھا اور کفر
مغلوب ہو چکا تھا

فریضہ دعوت کے پس منظر میں جب آپ نے موحدین اور
مؤمنین کے مجمع سے سوال کیا کہ کل قیامت کے روز اگر تم سے میرے
بارے میں سوال کیا گیا تو کیا جواب دو گے تو پورا مجمع بے ساختہ پکار اٹھا
قد بلغت وادیت ونصحت۔

جب قدوسیوں کے مجمع نے گواہی دے دی تو آپ نے انگشت
مبارک آسمان کی طرف اٹھائی اور پھر اسے مجمع کی طرف جھکاتے ہوئے
تین بار فرمایا: اللھم اشھد، اللھم اشھد، اللھم اشھد
اے اللہ! تو سُن لے اور گواہ رہنا کہ تیرے سچے اور مخلص بندے
کیا گواہی دے رہے ہیں۔ مجمع سے اقرار کروانے اور پھر مجمع کے اقرار
پر اللہ کو گواہ بنانے کے بعد آپ نے لوگوں کو حکم دیا:

الا لیبلغ الشاهد الغائب فلعل بعض
من یبلغه ان یكون اوعی له من بعض من
سمعه۔

لوگو! سنو جو موجود ہیں وہ ان لوگوں
کو تبلیغ کرتے رہیں جو موجود نہیں
ہیں، ممکن ہے کہ جن لوگوں کو تبلیغ
کی جائے وہ سننے والوں سے زیادہ
اس کلام کی حفاظت کرنے والے
ہوں۔

حق تبلیغ | میرے دوستو! جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

تبلیغ کا حق ادا کیا اسی طرح صحابہ کرام نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ وہ فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کے لیے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے وطن کا تعلق، کاروباری مصلحتیں اور بیوی بچوں کی محبت کوئی چیز بھی ان کے قدموں کو نہ روک سکی اور افریقہ، چین اور ایشیا کے دور دراز خطوں تک انہوں نے اللہ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پہنچا دیا۔

اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ مکہ اور مدینہ میں صحابہ کی قبریں کم ہیں اور عرب کے دوسرے علاقوں میں ان کی قبریں زیادہ ہیں۔ بلاشبہ صحابہؓ کو بھی مکہ اور مدینہ سے محبت تھی لیکن ایک طرف محبت تھی اور دوسری طرف آقا کا حکم تھا، انہوں نے حکم کو محبت پر غالب رکھا اور اس حکم کی تعمیل میں ایسے صحراؤں تک جا پہنچے جہاں ان سے پہلے کسی انسان نے قدم نہیں رکھا تھا۔

حضرت عقبہ بن نافع کا نام آپ نے سنا ہو گا وہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے اپنے دس ہزار ساتھیوں کے ساتھ شمالی افریقہ کے آخری کونے میں ایسی جگہ جا پہنچے جہاں بڑا خطرناک جنگل تھا وہاں انہوں نے مسلمانوں کے لیے ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا، ان کے ساتھیوں نے کہا حضرت یہ جنگل تو اڑدھوں، شیروں، چیتوں اور دوسرے مختلف درندوں سے بھرا ہوا ہے، یہاں کیسے شہر آباد کیا جا سکتا ہے لیکن حضرت عقبہ اپنا فیصلہ تبدیل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ انہوں نے لشکر میں جتنے صحابہؓ تھے انہیں اپنے خیمے میں آنے کی دعوت دی۔ یہ کل اٹھارہ صحابہؓ تھے، ان کے ساتھ

مل کر پہلے تو حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ سے خوب گڑ گڑا کر دعا کی
اس کے بعد یہ آواز لگائی :

ايتها السباع والحشرات
نحن اصحاب رسول
الله صلى الله عليه وسلم
ارحلوا عنا فاننا نزلون
فمن وجدناه بعد
قتلناه .

اے جنگل کے درند و اور کٹرے
مکھڑو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے اصحاب ہیں، ہم یہاں اپنا
ٹھکانہ بنانا چاہتے ہیں لہذا تم یہاں
کوچ کر جاؤ، اس اعلان کے بعد تم
میں سے جو کوئی بھی یہاں نظر آئے گا
ہم اسے قتل کر دیں گے۔

اللہ اکبر! لوگوں نے عجیب منظر دیکھا، وہ درندے جو عام حالات
میں انسان کی زبان نہیں سمجھتے آج اللہ نے انھیں اپنے نبی کے غلاموں
کی زبان سمجھادی اور صرف زبان ہی نہیں سمجھائی بلکہ ان کے دلوں میں
مجاہدین کا رعب اور خوف بھی ڈال دیا، لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے
اپنے بچوں کو اٹھائے ہوئے جنگل سے نکلے جا رہے تھے۔ یہ ایمان افزوز
منظر دیکھ کر بہت سے افریقی مسلمان ہو گئے۔

یہی حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ تھے جو جہاد کرتے کرتے افریقہ
کے آخری ساحل پر پہنچ گئے جہاں سے بحرِ ظلمات نظر آ رہا تھا۔
یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ تاریخی جملہ کہا تھا :

اللهم اشهد اني قد
بلغت المجهود ولولا هذا
البحر لمضيت في البلاد

اے اللہ! تو گواہ رہنا کہ میں نے
تیرے دین کی سر بلندی اور دعوت
میں کوشش کی انتہا کر دی ہے اور

اقاتل من كعربك اگر یہ سمندر بیچ میں نہ آگیا ہوتا تو
حتی لا یعبدا حد دونك میں تیری توحید کا انکار کرنے والوں
کے ساتھ قتال کرتا ہوا اور آگے جاتا یہاں تک کہ روئے زمین
پر آپ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جاتی .

اس کے بعد آپ نے اپنے گھوڑے کے اگلے پاؤں بجز ظلمات
کی موجوں میں ڈال دیئے اور اپنے ساتھیوں کو بلا کر کہا کہ ہاتھ اٹھاؤ
انہوں نے ہاتھ اٹھا دیئے تو حضرت عقبہ رضی عنہ نے یہ دعا فرمائی :

اللہم انی لم اخرج اے اللہ! میں فخر و غرور کی نیت سے
بطراً ولا اشراً و انك نہیں نکلا اور تو جانتا ہے کہ ہم بھی
تعلم انما نطلب السب اس مقصد کی تلاش میں ہیں جس
الذی طلبہ عبدك مقصد کی تلاش تیرے بند ذوالقرنین
ذوالقرنین وهو ان تعب کو تھی وہ یہ کہ صرف تیری عبادت ہو اور
ولا یُشرك بك شیء تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا
اللہم اننا مدافعون جائے۔ اے اللہ! ہم دین اسلام کا

عن دین الاسلام فكن لنا ولا دفاع کرنے والے ہیں پس تو ہمارا ہوجا
تكن علينا یا ذا الجلال والاكرام۔ اور ہمارے خلاف نہ ہو یا ذا الجلال والاكرام
یہ تھا وہ مختصر سا خطبہ جو میرے آقا نے اپنے پہلے اور آخری حج

میں عرفات کے مقام پر اپنے سوال لکھ سے زیادہ سچے چاہنے والوں کے
سامنے ارشاد فرمایا۔ اس خطبے کا متن اگر لکھا جائے تو یقیناً ایک
صفحہ میں سما جائے گا لیکن اللہ نے اسے نئی نئی کوجو «جوامع الکلم»
کی خصوصیت عطا فرمائی تھی تو یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ ایک صفحہ کا خطبہ گھنٹوں

لمبی تقریر پر بھاری ہے۔

اس خطبہ میں شرک و جہالت کی بنیادوں کا انہدام ہے، سارے مذاہب کی متفقہ حرام چیزوں کا بیان ہے، عورتوں کے حقوق کا اعلان ہے، کتاب اللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کی تاکید ہے، اپنی ذمہ داری کی ادائیگی پر امت کی جانب سے اقرار ہے اور پھر تبلیغ و دعوت کا فریضہ امت کے سپرد کیے جانے کی وضاحت ہے

تکمیل دین کی نعمت | آپ خطبہ سے فارغ ہو چکے تو وہیں عرفات میں سورہ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی :

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ
دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ
نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ
الْإِسْلَامَ دِينًا

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے
دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت
کو پورا کر دیا اور میں نے تمہارے لیے
اسلام کا دین ہونا پسند فرمایا ہے۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ اس آیت کو سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ

عنه رونے لگے، اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
رونے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں روتے
ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ کمال کے بعد
زوال ہوتا ہے کہیں اس کمال کے حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں میں
زوال نہ شروع ہو جائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا
کہ اے یا رِغَار! یہ تو خوشی کا موقع ہے آپ کی آنکھیں آنسو کیوں برسائے
رہی ہیں؟ تو حضرت ابو بکر نے جواب دیا کہ یہ آیت بتاتی ہے کہ میرے
آقا کی جدائی کا وقت قریب آگیا ہے اس لیے کہ آپ اس مقصد کیلئے

دنیا میں تشریف لائے تھے اللہ نے «الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ»
کہہ کر بتا دیا ہے کہ وہ مقصد پورا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے تقریباً چھ سو سال بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے ذریعے سے اپنے بندوں سے وحی کا جو رابطہ قائم کیا تھا
وہ رابطہ اب منقطع ہونے والا ہے

ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی کتاب
میں ایک ایسی آیت ہے کہ اگر وہ آیت تورات میں اترتی تو ہم اس دن
عید کا جشن مناتے، آپ نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے؟
یہودی نے سورہ مائدہ کی یہی آیت دہرائی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ
آیت جس دن، جس وقت، جس مقام اور جس موقع پر نازل ہوئی ہیں
اسے اچھی طرح جانتا ہوں، یہ آیت جمعہ کے دن، دوپہر کے بعد،
عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ کے جواب کا مطلب یہ تھا کہ تم ایک عید منانے کی بات
کر رہے ہو جب کہ ہم اس دن دو عیدیں مناتے ہیں، جمعہ بھی عید
ہے اور وقوف عرفات بھی عید ہے

بعض حضرات کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی پہلی عید یعنی عید الفطر،
نزول قرآن کا سالانہ جشن ہے اور دوسری عید یعنی عید الاضحیٰ
تکمیل دین کے شکرانے کا سالانہ جشن ہے۔

الْيَوْمَ | اس آیت کریمہ میں یہ جو فرمایا گیا «الْيَوْمَ» میں نے
آج کامل کر دیا ہے تو «الْيَوْمَ» سے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ نبوت کی طرف اشارہ نہیں کہ تیسیس سال پہلے

جس نعمت کا آغاز ہوا تھا وہ نعمت آج اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے بلکہ اس کا اشارہ ہزاروں سال کی جانب ہے۔

طبقات الارض کے ماہرین کہتے ہیں کہ یہ جو موجودہ عالم ہے یہ ابتداء ہی سے موجودہ صورت میں نہ تھا بلکہ ہزاروں سال میں اس پر ہزاروں تغیرات آئے ہیں تب جا کر اسے موجودہ خوبصورت شکل حاصل ہوئی ہے۔ گویا اس کا موجودہ حسن و جمال ہزاروں سال کی تربیت اور کانٹ چھانٹ کا نتیجہ ہے۔ بالکل اسی طرح ہم پورے یقین سے دعویٰ کرتے ہیں کہ مذہب کا تصور تو بہت پرانا ہے، جب پہلا انسان دنیا میں آیا تھا تو اکیلا نہیں آیا تھا بلکہ مذہب بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔ یوں کہہ لیجئے کہ اس دنیا میں انسان نے اپنی زندگی کا آغاز جہالت اور لامذہبیت کی تاریکی میں نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے سفر کی ابتدا علم اور مذہب کی روشنی میں کی تھی اس مذہب میں کچھ چیزیں ایسی تھیں جو بنیاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور کچھ چیزیں ایسی تھیں جو دیواروں اور چھت وغیرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ایمانیات اور عقائد بنیاد کی حیثیت رکھتے تھے اور عبادات اور معاملات وغیرہ کی حیثیت دیواروں اور چھت وغیرہ کی تھی۔

اس میں شک نہیں کہ ہر دور میں دین کی بنیاد تو ایک ہی رہی ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی لیکن دین کی عمارت کے جو دوسرے اجزاء ہیں ان میں تبدیلی آتی رہی ہے، اور اس عمارت کے کسی معمار نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس دعویٰ کی سعادت حامل ہوئی عرب و عجم کے آقا حضرت محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ یہ اعلان کروادیا کہ لوگو! آج جبکہ ہجرت کا دسواں سال ہے، ذوالحجہ کا مہینہ ہے، عرفات کا میدان ہے، وقوفِ عرفہ کا دن ہے، «الیوم» آج میں رب العالمین اعلان کرتا ہوں کہ میں نے انہوں کے لیے دین کی نعمت کو مکمل کر دیا ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب اس کا کوئی دوسرا ایڈیشن نہیں آئے گا، جو پیغام دو سکر انبیاء لیکر آئے وہ خاص زمانہ کے لیے تھے، خاص قوم کے لیے تھے، خاص وقت کے لیے تھے ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ہر زمانے، ہر قوم اور ہر علاقے کے لوگوں کے مسائل حل کر سکیں، یہ حق صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ وہ دعویٰ کرے کہ میں کامل ترین دین ہوں، میں کالوں اور گوروں، عربوں اور عجموں، مردوں اور عورتوں، امیروں اور غریبوں، جاہلوں اور عالموں، شہریوں اور دیہاتیوں سب کے مسائل حل کر سکتا ہوں۔

یہ دعویٰ صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں کہ میری سیرت میں تاجروں اور مزدوروں، معلموں اور خطیبوں، شوہروں اور بیابوں، جوانوں اور بوڑھوں، حاکموں اور محکوموں، عابدوں اور مجاہدوں سب کے لیے نمونہ ہے۔

انتظار | بزرگو اور دوستو! آپ توراہ پڑھیں، آپ زبور پڑھیں، آپ انجیل پڑھیں اگر آپ غیر جانبدار ہیں، اگر آپ کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہیں تو آپ محسوس کریں گے کہ ہر نبی کسی آخری آنے والے کا منتظر ہے اور وہ اپنی امت کو

بھی اسی آنے والے کے انتظار کی تلقین کر رہا ہے۔

تورات والے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں :

”خداوند تیرا خدا تیرے درمیان تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی طرف کان دھرو“
انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

”میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا فارقلیط بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا“

پادری ڈبلیو ہوپر صاحب نے تفسیر مکاشفات لکھی ہے اور اسے کرسمس ناچ سو سائٹی پنچاب نے ۱۸۸۵ء میں چھپوایا تھا اس کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر لکھا ہے کہ عیسیائیوں کا ایک فرقہ ہے جس کا نام فرنسکی ہے یہ فرقہ خود انجیل کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ یہ انجیل جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ منسوخ ہو جائے گی اور اس انجیل سے بہتر ایک انجیل نکلے گی جس کا نام ابدی انجیل ہوگا، یہ لوگ ابدی کے لفظ پر زیادہ زور دیتے تھے۔

اے کاش کوئی اللہ کا بندہ ان عیسیائیوں کو جا کر بتا دے کہ

اللہ کے بندو! وہ ابدی انجیل جس کا تمہیں انتظار تھا وہ ابدی انجیل پندرہ سو سال پہلے آچکی البتہ اس کا نام انجیل نہیں بلکہ اس کا نام قرآن ہے۔

اللہ کے بندو! ضد اور تعصب چھوڑو اور ایمان لے آؤ انجیل کے مکمل ترین ایڈیشن پر جسے قرآن بھی کہا جاتا ہے، جسے فرقان بھی کہا جاتا ہے جسے نور بھی کہا جاتا ہے اور جسے رحمت و ہدایت بھی

کہا جاتا ہے۔

وہ دن واقعی انسانی تاریخ کا حسین ترین دن تھا جس دن تورات، زبور، انجیل اور دسیوں صحیفوں کے نازل کرنے والے اللہ نے اعلان کیا کہ آج موسیٰ علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا، آج عیسیٰ علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا، آج داؤد علیہ السلام کا انتظار ختم ہو گیا۔ وہ سب تکمیل دین کے منتظر تھے اور انتظار کرتے کرتے دنیا سے تشریف لے گئے "الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ" آج میں نے ان انوں کے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا ہے اور میں نے تمہارے لیے اسلام کا دین ہونا پسند کر لیا ہے۔

لوگو! اب میں عبادت و ریاضت کے کسی ایسے طریقے سے راضی نہیں ہوں گا جو اسلام کے مطابق نہ ہو، میری رضا کا صرف ایک ہی راستہ باقی رہ گیا ہے اور وہ ہے اسلام کا راستہ، باقی سارے راستے میں نے بند کر دیئے ہیں۔

محترم حاضرین! یوں تو حجۃ الوداع کی مزید تفصیل بھی ہے اور کچھ دوسرے خطبے بھی ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ وغیرہ میں ارشاد فرمائے لیکن میری ناقص سوچ کے مطابق حجۃ الوداع کا سب سے بڑا پیغام اور سب سے بڑا سبق یہی ہے کہ اللہ نے ان انوں کے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند فرمایا ہے اور یہ مکمل ترین دین ہے۔ اس میں اب کسی ترمیم اور کسی پیوند کاری کی گنجائش نہیں ہے۔ وہ نام نہاد مسلمان جو دین اسلام

میں بدعات کا پیوند لگاتے ہیں، سوشلزم کا پیوند لگاتے ہیں،
 کمیونزم کا پیوند لگاتے ہیں، جمہوریت کا پیوند لگاتے ہیں،
 خواہشات کا پیوند لگاتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں اور وہ اپنے
 لیے اور پوری امت کے لیے ضلالت کا گرہا کھود رہے ہیں۔
 اللہ تعالیٰ ہمیں حجۃ الوداع کے سبق پر عمل کرنے اور ایسے
 نام نہاد لیڈروں اور دانشوروں سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے
 وَأُخِرْدَعَوَانَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

آنحضرت ﷺ کا سفرِ اُخت

اعْبُرَا آفَاقَ السَّمَاءِ وَكُورَتِ
 وَالْأَرْضِ مِنْ بَعْدِ النَّبِيِّ كَتِيبَةٍ
 شَمْسٌ لِنَهَارٍ وَأَظْلَمَ الْأَمْرُ مَا نِ
 أَسْفَاعِ عَلَيْهِ كَثِيرَةٌ الْأَحْزَانِ
 فَلَيْبِكِهِ شَرْقُ الْبِلَادِ وَغَرْبُهَا
 يَا فَوْخْرُ مَنْ طَلَعَتْ لَهُ النَّيْرَانُ

يَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَكِ صِنْوَةٌ
 صَلَّى عَلَيْكَ مُنَزَّلُ الْقُرْآنِ

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

» یہ وقت مسلمانوں کے لیے بڑا نازک تھا، ہر طرف حُزن
 و الم کے بادل تھے، آنسوؤں کی طغیانی تھی، شکستہ حوصلے تھے،
 پر مردہ ہمتیں تھیں، خزاں زدہ جذبات تھے۔

انفرادی یتیمی تو اپنے بار بار دیکھی ہوگی، مدینہ میں اجتماعی یتیمی کی
 صورت درپیش تھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ میرے سر پر یہ بات تھہر رکھا جائے
 مجھے تسلی دی جائے، گرتے ہوؤں کو سنبھالا جائے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدینہ کا ہر باشندہ سمجھ رہا تھا کہ میں یتیم ہو گیا،
 غریبوں کا حامی نہ رہا، کمزوروں کا والی چل بسا، بیواؤں کا سر پرست
 رخصت ہوا، یتیموں کا آقا الوداع ہوا، غلاموں کا مولیٰ داغِ مفارقت
 دے گیا — مگر ایسا کون تھا جو سید الانبیاء کا بدل بن سکتا
 پھر صحابہ نے عجیب منظر دیکھا، سفر و حضر کا وہ ساتھی جسے ابو بکر صدیق
 کہا جاتا تھا جو دل کا بڑا نرم تھا، وہ آگے بڑھا اور استقامت کا پہاڑ
 بن گیا — بڑے لوگ ایسے ہی نازک مواقع پر آزمائے جاتے ہیں۔

آقا کا سفرِ آخرت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَمَّا بَعْدُ :
 فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ج اور محمد تو ایک رسول ہیں، سو چکے ان
 قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے پہلے بہت رسول۔ پھر کیا اگر آپ
 أَفَايِنُ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ فوت ہو گئے یا شہید ہو گئے تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے
 عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ تَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ تَنْصُرَهُ اللَّهُ شَيْئًا ط وَسَيُجْزَى پاؤں۔ اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں
 تُوہر گز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور الثَّابِ دے گا شکر گزاروں کو۔
 اللَّهُ الشَّكِرِينَ ۝ (آل عمران آیت ۱۴۴)

محترم حاضرین و سامعین! مسلسل کئی جمعوں سے سیرتِ طیبہ کے حوالے سے بات چل رہی ہے۔ آج کی نشست میں آقائے دو جہاں کے سفرِ آخرت کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے میرے آقا کی ولادت میں عبرتیں ہیں، آقا کی جوانی میں نصیحتیں ہیں، آقا کے غزوات میں درس ہیں اسی طرح آقا کے سفرِ آخرت میں بھی ہمارے لیے بہت سارے اسباق پوشیدہ ہیں اور سبق حاصل کرنے کی نیت ہی سے نبی کی سیرت سننی اور سنانی چاہئے اگر محض قصہ گوئی اور دفعِ الوقتی پیش نظر ہوگی تو یہ سننا اور سنانا وبالِ جان بن سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے آئے تھے اور یہ پیغام آپ نے پہنچا دیا، نبوت کی جو ذمہ داریاں تھیں ان کا آپ نے حق ادا کر دیا اور ایک بہت بڑی ایسی جماعت تیار کر دی جو کارِ نبوت کو سمجھتی بھی تھی اور اس کا درد بھی رکھتی تھی۔ چپ یہ سب کچھ ہو چکا تو آپ نے سفرِ آخرت کی تیاری شروع کر دی۔ آپ نے کسی ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جن سے ثابت ہوتا تھا کہ آپ صحابہ کو اپنی جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کے لئے تیار فرما رہے ہیں۔ ویسے غزوہ احد میں جب آپ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی جس نے صحابہ کو حواس باختہ کر دیا تھا اور پھر ان کی تسلی کے لیے سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴ جو نازل ہوئی تھی وہ آیت بھی اسی ذہنی تیاری کا ایک حصہ تھی کیونکہ اس آیت کریمہ میں یہ واضح کر دیا گیا تھا کہ ایک دن اللہ کے نبی نے بھی دنیا سے جانا ہے۔

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے فرمایا تھا کہ لوگو! ہو سکتا ہے میں اور تم پھر کبھی اس مجلس میں اکٹھے نہ ہو سکیں۔ تو آپ کے اس ارشاد سے بھی صحابہ سمجھ گئے تھے کہ اللہ کے نبی دنیا سے تشریف لیجانے والے ہیں۔

یونہی جب سورہ نصر نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي
دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ
جَبَّالِ اللَّهِ الَّذِي مَدَّ أَيْدِيَهُمْ
وَأَنزَلَ نَصْرَهُ لَهُمْ وَأَخْرَجَهُمْ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ
رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ أَلْبَسَهُمْ لِبَاسًا
ذِي بَرَاقَاتٍ وَجَاءَهُمْ مِنَ اللَّهِ
نُورٌ كَرِيمٌ

مَرَّ بِكَ وَاسْتَغْفِرُكَ إِنَّهُ
كَانَ تَوَّابًا

بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

تو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس سورت
میں میری وفات کی خبر دی گئی ہے

تسبیح و استغفار کی کثرت | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تو پہلے ہی بہت زیادہ عبادت اور بہت زیادہ ذکر و استغفار کیا
کرتے تھے لیکن جب آپ کے سفرِ آخرت کا وقت قریب آگیا تو آپ
آپ کا اکثر وقت تسبیح و استغفار ہی میں گزرتا تھا۔

آپ ہر سال رمضان میں دس دن کا اعتکاف کرتے تھے لیکن
زندگی کے آخری رمضان میں آپ نے دو اعتکاف فرمائے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں آکر آپ کے ساتھ
قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال ایک کے بجائے دو
بار جبرئیل آئے۔

میرے دوستو! اللہ کے نبی مغفور و مرحوم تھے، مصفیٰ و مزکی
تھے، بخشے بخشائے تھے لیکن اس کے باوجود وفات سے قبل آپ نے
ذکر و عبادت میں اضافہ فرما دیا۔ ہم جو سراپا گناہوں میں ڈوبے ہوئے
ہیں، ساری زندگی اللہ کے حکموں کو توڑنے اور شیطان کو خوش کرنے
میں رہتے ہیں، ہمارے بال سفید ہو جاتے ہیں، نکر بھک جاتی ہے، صحت
ساتھ چھوڑ جاتی ہے، بینائی، گویائی اور شنوائی ہر چیز میں فتور آجاتا،
لیکن پھر بھی ہمیں آخرت کی فکر نہیں ہوتی۔

کتنے ہی بد قسمت ہیں جو اپنا بڑھا پالغویات اور فضولیات

میں گزار دیتے ہیں، آج کا مسلمان صرف ضروریات پورا کرنے کیلئے دنیا نہیں کمارتا بلکہ اس لیے دنیا کمارتا ہے کہ دنیا کمانا اس کی زندگی کا مقصد ہے۔ وہ اپنے پڑوسیوں سے، اپنے محلّے والوں سے اور اپنے قبیلے کے دو سر افراد سے آگے بڑھنا چاہتا ہے۔

وہ ایسا مکان بنانا چاہتا ہے جو سب سے اعلیٰ ہو، وہ ایسی گاڑی خریدنا چاہتا ہے جو سب سے اچھی ہو، وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرانا چاہتا ہے جن کی فیس سب سے زیادہ ہو، وہ شادی بیاہ پر اتنا خرچ کرنا چاہتا ہے کہ لوگوں کی نظریں اٹھی کی اٹھی رہ جائیں، وہ ایسے محلّے میں رہنا چاہتا ہے جہاں کوئی غریب نہ رہتا ہو۔

اسی تنافس اور دوڑ نے ہمیں بے سکون اور بے قرار کر رکھا ہے اور اللہ کے نبی نے اس فتنے کی اور ہمارے قلبی روگ کی نشاندہی پہلے ہی فرمادی تھی

شہدائے احد سے ملاقات کے بعد ایک رات آپ جنت البقیع تشریف لے گئے اور وہاں مدفون مسلمانوں کے لیے خوب دعائیں فرما کر انہیں بھی خوشخبری سنائی اِنَّا بِكُمْ سَلَامٌ حَقُّونَ بے شک عنقریب ہم بھی تمہارے پاس آنے والے ہیں۔

جنت البقیع سے واپسی پر ہی آپ کی بیماری کا آغاز ہو گیا اور جب بیماری بڑھ گئی تو آپ نے تمام ازواج مطہرات کو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر جمع فرما کر ان کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں بیماری کے دن عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے گھر

گزارنا چاہتا ہوں، تمام ازواج نے خوشی سے اجازت دے دی
آپ گل تیرہ یا چودہ دن بیمار رہے اور ان میں سے گیارہ دن تک
مسجد میں آکر خود نماز پڑھاتے رہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ کی خوش قسمتی | یہ سیدہ عائشہ
صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوش قسمتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے اپنی زندگی کا آخری ہفتہ ان کے گھر میں پورا فرمایا۔
اللہ کے کا یہ انتخاب بلاوجہ نہیں تھا۔ آپ جانتے تھے کہ
عائشہ میرے مزاج کو جتنا سمجھتی ہے کوئی دوسری زوجہ اتنا نہیں
سمجھتی۔

صدیقہ جتنی خدمت کر سکتی ہے اتنی خدمت کوئی دوسری
نہیں کر سکتی۔

صدیقہ میری زندگی کے آخری لمحات و واقعات اور ارشادات
کو امت کے لیے جیسے محفوظ رکھ سکتی ہے کوئی دوسری بیوی نہیں
رکھ سکتی۔

پھر یہ بات تو ازل سے طے ہو چکی تھی کہ صدیقہ کا حجرہ خاتم النبیین
صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اور آخری آرام گاہ بنے گا اس لیے یہ
ناممکن تھا کہ آپ آخرت کا سفر کسی دوسری جگہ سے شروع فرماتے۔
ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
جب کبھی بیمار ہوا کرتے تھے یہ دعا پڑھ کر اپنے ہاتھ جسم پر پھیر لیا کرتے
تھے:

أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبِّ النَّاسِ اے انسانوں کو پالنے والے! تکلیف

وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيَ لَا كَوْدُورِ فَرَا اَوْرِ صَحْتِ عَطَا كَرِ، شَفَادِئِي
 شَفَاءَ إِلَّا شَفَاءُكَ شَفَاءً وَاللَّاتُ هِيَ هِيَ اَوْرِ شَفَا صَرَفِ اِسِي كَا نَامِ هِيَ
 لَّا يُعَادِرُ سَقْمًا جَو تُو عِنَايَتِ كَرْتَا هِيَ اِسِي شَفَا عَطَا كَرِ جَو
 كُوْنِي تَكْلِيْفِ بَا قِي نَهْ چھوڑے۔

بیماری کے دنوں میں میں نے یہ دعا پڑھی اور نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کر کے میں نے چاہا کہ ہاتھوں کو جسم اطہر پر
 پھیر دوں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ ہٹالیے اور فرمایا
 اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَالْحَقْنِي بِالرِّفْقِ الْاَعْلَى

ایک دن آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عَائِشَةُ اِسْمِ اِس كِهَانِي
 كِي تَكْلِيْفِ اَب تَك مَحْسُوْس كَرْتَا هُوْن جَو اِسْمِ نِي خِيْرِي مِي كِهَا يَاتْهَا
 اِس زِهْرَسِي اِس وَقْتِ مِيْرِي رِكْ كِطْ رِهِي هِيَ

آخري لشكر | بیماری کے باوجود سہ سالہ اعظم صلی اللہ
 علیہ وسلم کو اس لشکر کی بڑی فکر تھی جسے آپ نے شام پہنچنے کا
 حکم دیا تھا اور لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو
 مقرر فرمایا تھا، آپ نے محسوس فرمایا کہ لوگ اس لشکر کے معاملے
 میں سستی سے کام لے رہے ہیں اور بعض لوگ اس قسم کی باتیں کر رہے
 ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں ایک نو عمر لڑکے کو امیر بنانے
 میں پتہ نہیں کیا حکمت ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کی حالت میں سر پر پٹی
 باندھے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ گئے۔ خطبہ
 پڑھنے کے بعد ارشاد فرمایا کہ لوگو! اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو

اگر آج تمہیں ان کی امارت پر اعتراض ہے تو کل تمہیں ان کے والد کی امارت پر بھی اعتراض تھا لیکن ان کے والد بھی امارت کے مستحق تھے اور یہ بھی امارت کے مستحق ہیں، ان کے والد بھی مجھے محبوب تھے اور یہ بھی مجھے محبوب ہیں۔

اسی بیماری میں آپ نے مسلمانوں کو وصیت فرمائی کہ تم اسی طرح لشکر کو روانہ کرنا جیسے میں روانہ کیا کرتا تھا اور سنو! مشرکین کو یہاں سے نکال دو، جزیرۃ العرب میں دو مذہب باقی نہ رہنے دینا۔ اندازہ کیجئے اللہ کی نبی کو کس قدر استہزاء، فاجہادی لشکروں کی تیاری کا،

کس قدر شکر تھی جزیرۃ العرب کو مشرکوں کے ناپاک وجود سے پاک کرنے کی،

کیسا عزم تھا اللہ کے دشمنوں کی طاقت کو توڑنے کا، لیکن آج مسلمان کا کیا حال ہے، مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکالنا تو دور کی بات ہے! لٹا انہیں بلایا جا رہا ہے اور کس لیے بلایا جا رہا ہے؟ معاذ اللہ حرمین شریفین سمیت پورے عرب کی حفاظت کے لیے بلایا جا رہا ہے!

اتنا بڑا الطیفہ بلکہ کثیفہ شاید ہی دنیا میں کبھی پیش آیا ہو کہ بھڑوں کی حفاظت کے لیے بھیڑیا اور چھپڑوں کی حفاظت کے لیے بلی کو مقرر کر دیا جائے۔

واہ رے عربو! تمہیں کیا ہو گیا، اللہ کے بندو! تم نے تو دنیا کو عقل و دانائی کا سبق دیا تھا،

تمہاری حربی تدبیروں نے تو بڑوں بڑوں کو چکر لے رکھ دیا تھا،
تمہارے جذبہ جہاد کے سامنے تو پہاڑ بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے
ارے تم تو سارے عالم کے نگہبان تھے، آج تمہیں نگہبانی کی

ضرورت پڑ گئی؟

آج تمہاری عقلیں ایسی ماؤف ہو گئیں کہ سامراجی شاطروں اور
قزاقوں کی تدبیریں نہیں سمجھ پاتے ہو۔

میں مانتا ہوں کہ آج بھی تم نمازیں پڑھتے ہو، حج پر حج اور عمرے
پر عمرے کرتے ہو لیکن اللہ کے بند و ابصر نمازی اور حج اور عمرے ہی
نبیؐ کی تعلیم نہیں بلکہ جہاد بھی نبیؐ کی تعلیم ہے۔ جیسے بیماری کے ایام
میں آپؐ نے نماز نہیں چھوڑی، اسی طرح جہاد اور جہاد کی فکرت بھی
نہیں چھوڑی۔

نماز کا اہتمام | نماز کے اہتمام کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے نماز تو نماز جماعت بھی نہیں چھوڑی اور آپ اس حالت میں
بھی مسجد تشریف لائے کہ آپ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹ رہے
تھے، جب بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپ پر غشی طاری ہو گئی تو
جب تھوڑا سا افاقہ ہوا تو آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا نماز
ہو چکی؟ خدام نے جواب دیا کہ نہیں یا رسول اللہ! سب لوگ آپ
کا انتظار کر رہے ہیں آپ نے غسل فرمایا اور نماز کے لیے اٹھنے کی
کوشش کی لیکن آپ پر غشی طاری ہو گئی جب آپ کو ہوش آیا تو پھر نماز
ہی کے بارے میں سوال کیا اور صحابہ کی طرف سے پھر یہی جواب دیا گیا کہ
اے اللہ کے نبی! کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے سب آپ کے انتظار میں
ہیں۔

آقل کے ہوتے ہوئے کس کی جرات تھی کہ مصطلے پر کھڑا ہوتا اور کس کا دل چاہتا تھا کہ نماز پڑھ لے لیکن جب بار بار ارادہ کرنے کے باوجود بہت نہ ہوئی تو آپ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ وہ نماز پڑھائیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میرے دل میں یہ بات آئی کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خالی مصطلے پر کھڑا ہوگا لوگ اسے منحوس سمجھیں گے اور اس سے محبت نہیں کریں گے اور میں نہیں چاہتی کہ لوگ میرے ابا کو منحوس سمجھیں مگر دل کی یہ بات زبان پر لاتے ہوئے ڈرتی تھی اس لیے میں نے یہ بات تو نہ کہی البتہ یوں درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرے ابا بڑے نرم دل ہیں ان پر اگر یہ طاری ہو جائے گا اور وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے اس لیے آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیں لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے انکار فرما دیا اور واضح کر دیا کہ اللہ اور ایمان والے سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کسی کی امامت پر راضی نہیں ہوں گے۔

امامت و خلافت | حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کا اعلان گویا ان کی خلافت کا اعلان تھا اس لیے کہ خلافت بھی تو امامت ہے۔

علمائے امامت کی دو قسمیں لکھی ہیں امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ نماز کی امامت، امامتِ صغریٰ ہے اور حکومت و سلطنت کی امامت امامتِ کبریٰ ہے۔

آج تو مسجد اور محل میں بڑا فاصلہ پیدا ہو گیا، مسجد والے محل والوں سے دور ہیں اور محل والے مسجد والوں سے بہت دور ہیں، امام صاحب کا محل کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں اور محل والوں کو مسجد کے معاملات سے کوئی تعلق نہیں لیکن وہ مبارک زمانہ جب دین زندگی کے ہر شعبے میں زندہ تھا اس زمانے میں محل اور مسجد میں بُعد نہیں قرب تھا بلکہ مسجد ہی تو محل ہوتی تھی، وقت کا خلیفہ داد رسی کے لیے مسجد ہی میں بیٹھتا تھا اور کفر و شرک کی گردن توڑنے کے لیے مسجد ہی سے لشکر روانہ کیے جاتے تھے، جسے امامت کبریٰ ملتی تھی وہی امامت صغریٰ کا حقدار ہوتا تھا، جمعہ، عید تو حکمران وقت کی موجودگی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ تو جب میرے آقائے امامت صغریٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دی تو گویا فیصلہ فرما دیا کہ امامت کبریٰ کے حقدار بھی صرف ابو بکر ہیں۔

حَدِيثِ قِرطاس | یار لوگوں نے آیت کے اس واضح فیصلے کو تو تسلیم نہیں کیا بلکہ ایسے آنکھیں بند کیں کہ گویا یہ واقعہ پیش ہی نہیں آیا تھا۔ لیکن حدیثِ قرطاس کا یہ لوگ خوب پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ آئیے میں آپ کو حدیثِ قرطاس کی بھی حقیقت بتا دوں۔

بخاری شریف میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس وقت گھر میں بہت سے لوگ جمع تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاؤ میں تمہارے لیے ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ بیماری کی وجہ سے حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم سخت تکلیف میں ہیں اس حالت میں آپ کو مزید تکلیف دینا مناسب نہیں اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے اس پر حاضرین میں اختلاف ہو گیا کسی نے کہا لکھنے کا سامان پیش کرنا چاہئے، کسی نے کہا اس وقت پیش کرنا مناسب نہیں۔

مقصد یہ تھا کہ جب آپ کو افاقہ ہو جائے گا تو یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔ یہ تو خیال ہی نہیں تھا کہ اب اللہ کے نبی کو افاقہ نہیں ہوگا اور چند روز بعد جدائی کا سانحہ پیش آجائے گا۔ لیکن اللہ ہمت دے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بغض رکھنے والوں کو کہ انہیں کیچڑ اچھالنے کا موقع ہاتھ آگیا وہ ایک بات تو یہ کہتے ہیں کہ تحریر کا سامان پیش نہ کر کے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تھی۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جناب وہاں اکیلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے بلکہ کئی دوسرے صحابہ بھی تھے، تو کیا آپ کے خیال میں معاذ اللہ وہ سبھی نافرمان تھے یا آپ ان سب کو ایسے کمزور اور ڈرپوک ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اکیلے حضرت عمرؓ کے انکار کی وجہ سے ان سب نے چُپ سا دھلی اولہ کسی ایک کو بھی اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ دشمنان صحابہ کے منہ میں خاک! لیکن جلیں ہم تھوڑی دیر کے لیے تسلیم کر لیتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما سمیت سارے صحابہ حضرت عمرؓ سے ڈر گئے تھے لیکن کیا اللہ کے نبی نے بھی محض اپنے ایک غلام عمر کے خوف سے ایک لازمی چیز

پر عمل کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا ؟

پھر یہ بھی تو سوچو کہ یہ واقعہ جمعرات کے دن پیش آیا اور اس کے بعد بھی چار دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے اور درمیان میں ایسا وقت بھی آیا کہ آپ نے افاقہ محسوس کیا۔ اگر تو وصیت نامہ لکھوانا کوئی لازمی چیز ہوتا تو آپ ان چار دنوں میں سے کسی نہ کسی دن ضرور لکھوادیتے۔ جب آپ نے نہیں لکھوایا تو کیا آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اللہ کے صاحبِ عزم پیغمبر نے ایک ایسی چیز سے امت کو محروم کر دیا جسے امت تک پہنچانا بہر حال ضروری تھا۔ اللہ کے بند و سوجو تو سہی کہ تم محض حضرت عمر فاروق کی دشمنی میں کس کس کو داغدار کر رہے ہو

سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کچھ فرمایا تھا اس کی حیثیت ایک مشورہ کی سی تھی اور وہ مشورہ بھی انہوں نے محض اپنے آقا کی شدید تکلیف کو دیکھ کر دیا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کتنے ہی ایسے مواقع پیش آئے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشوروں پر عمل کیا تو اگر آج بھی آپ نے ان کے مشورہ پر عمل کر لیا تو ہم کون ہیں اس پر اعتراض کرنے والے ؟

بہر حال پہلی بات تو یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ جناب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کتابت کا سامان پیش نہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی اور اس نافرمانی کی جو حقیقت ہے وہ میں نے آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔

دوسری بات یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اصل میں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی وصیت فرمانا
چاہتے تھے۔ لیکن یہ دعویٰ بھی خلاف حقیقت ہے۔
اگر آپ کسی کی خلافت کی وصیت فرمانا چاہتے تھے تو وہ صرف حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ مجھ سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا :
ادعی لی ابا بکر اباک و اباک حتی اکتب کتابا فانی اُخاف
ان یتمنی متمن و یقول و تائل
انا اولی و یا بی اللہ و المؤمنون
الا ابا بکر
اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی
(عبدالرحمن) کو بلا لو تاکہ میں ایک تحریر لکھ
دوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی تمنا کرنے
والا کہے کہ میں (خلافت کا) زیادہ مستحق
ہوں جیکہ اللہ اور ایمان والے ابوبکرؓ

کے سوا کسی پر راضی نہیں

عرض یہ کر رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بار بار کی کوشش
کے باوجود مسجد میں تشریف نہ لے جاسکے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی
اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، دو روز دن جب آپ نے کچھ افاقہ
محسوس فرمایا تو حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے سہارے
نماز ظہر کے لیے باہر تشریف لائے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس
وقت نماز پڑھا رہے تھے انہوں نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کو محسوس
کیا تو پیچھے بیٹھنے لگے لیکن آپ نے ان کو اشارہ سے سمجھایا کہ وہ پیچھے نہ بیٹھیں
چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں

بیٹھ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز ادا فرمائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تقریباً سترہ نمازیں پڑھائیں۔

خطیب اعظم | بیماری کے ایام میں بھی جب تھوڑا سا افاقہ ہوتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوتے اور قیمتی خطبات ارشاد فرماتے۔

ایک دن تشریف لائے اور فرمایا ”لوگو! اگر میرے ذمہ کسی کا حق ہو تو وہ مجھ سے لے لے، اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کوا مارا ہو تو میری پیٹھ حاضر ہے، اگر میں نے کسی کی عزت و آبرو کے خلاف سخت الفاظ کہے ہوں تو وہ بھی بدلہ لے لے، اگر میں نے کسی کا مال لیا ہو تو وہ اپنا مال مجھ سے وصول کر لے، میں چاہتا ہوں کہ میں پاک صاف ہو کر اپنے رب سے ملوں“

کتنی فکرت تھی میرے آقا کو حقوق العباد کی، تاکہ روز قیام باز پرس نہ ہو جائے ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو بندوں کے بڑے بڑے حقوق ہڑپ کر لیتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں مارتے، اور یہ صاحب تو مریدوں کے مال کو اپنے لیے شیر مادر سمجھتے ہیں لیکن وہ جو پیروں کا پیر تھا اسے بڑی فکر تھی کہ کہیں میرے ذمہ کسی بندے کا حق نہ رہ گیا ہو حالانکہ زندگی بھر نہ کسی کی عزت و آبرو کو داغدار کیا نہ کسی کے مال میں ناجائز تصرف کیا اور نہ ہی کسی مسلمان پر ہاتھ اٹھایا، ہندو سروں نے تو آپ پر ہاتھ اٹھائے، پتھر بھی برسائے، گالیاں

دیں، دل بھی دکھایا لیکن میرے آقا کی زبان سے ان کے لیے دعائیں
ہی نکلتی رہیں، پتھر برسائے والوں کو پھول ہی ملتے رہے۔

ایک اور خطبے میں ارشاد فرمایا ”ان یہود و نصاریٰ پر اللہ لعنت
کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ لوگو! تم میری
قبر کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔ اے اللہ! میں تبلیغ کر چکا تو اس کا گواہ رہنا،
الہی! تو اس کا گواہ رہنا، الہی! تو اس کا گواہ رہنا۔“

میرے مسلمان بھائیو! دنیا میں سب سے زیادہ عظمت والا مزار
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار ہے جب اس مزار پر سجدہ کرنا جائز
نہیں تو کسی دوسرے مزار پر سجدہ کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن
ہماری حالت یہ ہے کہ ہم نے سینکڑوں مزاروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا
ہے۔ اس بابے کی قبر پر بھی سجدہ ہو رہا ہے، اُس بابے کی قبر پر بھی سجدہ
ہو رہا ہے، اس پر صاحب کے سامنے بھی لوگ جھک رہے ہیں اُس
پر صاحب کے سامنے بھی لوگ جھک رہے ہیں۔

انصار کی حضور کے ساتھ اور حضور کی انصار کے ساتھ محبت کا
منظر دیکھنا ہو تو غزوہ حنین پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس غزوہ میں
جتنا مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا کسی دوسرے غزوہ میں حاصل
نہیں ہوا تھا لیکن جب اس کی تقسیم کا وقت آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ
وسلم نے قریش کے سرداروں اور مؤلفۃ القلوب کو تو زیادہ دیا مگر
انصار کو بہت کم دیا جس کی وجہ سے انصار کے بعض نوجوانوں میں
چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک احاطہ میں جمع فرما کر
ایک خطبہ ارشاد فرمایا جو پورا تو میں آپ حضرات کو نہیں سنا سکتا اور نہ

بات لمبی ہو جائے گی البتہ اس کا ایک ٹکڑا سنا تا ہوں آپ نے فرمایا : ” اے انصار کی جماعت ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ لوگ اپنے ساتھ بھڑ بھڑا کر لے جائیں اور تم اپنے خمیوں میں اللہ کے رسول کو لے جاؤ اس ذات کی قسم ! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے تم جس چیز کو اپنے ساتھ لی جاؤ گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ لے کر جائیں گے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں انصار ہی کی وادی میں چلتا — اس کے بعد آپ کی نظر میں آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ! انصار پر رحم فرما اے اللہ ! انصار کی اولاد پر رحم فرما، اے اللہ ! انصار کی اولاد پر رحم فرما۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور دعا حسن مکر انصار کی چینی نکل گئیں اور روتے روتے ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں وہ کہنے لگے کہ ہم اس پر خوش ہیں کہ لوگ مال و متاع اور بھڑ بھڑا کر لے جائیں اور ہم اپنے ساتھ کونین کے سرتاج حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لی جائیں۔ یہ تھے انصار !

انصار کا حق | ایک دن حضرت ابو بکر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک محفل سے گزرے، دیکھا کہ وہ لوگ رو رہے ہیں، انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو انصار نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس یاد آرہی ہیں۔

یہ تو وہ لوگ تھے جنہیں آقا کے چہرے کی زیارت کے بغیر سکون ہی نہیں آتا تھا اور آفت کی صحبتوں اور ارشادات سے انہیں روحانی

غذا میسر آتی تھی اور اب وہ کئی دنوں سے اس غذا سے محروم تھے۔
انصار وہ لوگ تھے جنہوں نے اس وقت آقا کو عزت دی تھی جب
مکہ اور طائف کے سردار توہین پر تلے ہوئے تھے،
اس وقت اسلام کو سینے سے لگایا تھا جب دنیا والوں نے اسے
قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس وقت مسلمانوں کو ٹھکانہ دیا تھا جب ان کے خون کے رشتوں
نے بھی ان سے منہ موڑ لیا تھا اور انھیں مکان، سامان اور تن بدن کے
کپڑوں تک سے محروم کر دیا تھا۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے رونے کی خبر پہنچی تو
آپ تڑپ گئے ہائے میرے انصار، اسلام کے انصار، مسلمانوں کے
انصار میری جدائی پر آنسو بہا رہے ہیں۔ آپ تکلیف کے باوجود سر
مبارک کو چادر سے لپیٹے ہوئے باہر تشریف لائے اور منبر پر جلوہ افروز
ہوئے اور آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا ”لوگو!
میں تمہیں انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں،
انصار میرے جسم اور جان کی طرح ہیں وہ میرے راز دار ہیں، ان کے
ذمے جو حقوق تھے وہ انہوں نے ادا کر دیئے ہیں لیکن ان کے حقوق ادا
نہیں کیے جاسکے۔

سنو! ان کے اچھے لوگوں کی بات قبول کرنا اور ان میں سے اگر
کسی سے غلطی ہو جائے تو درگزر کرنا۔

منبر خالی ہو گیا | آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا :

اِنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ اللّٰهِ کے بندوں میں سے ایک بندہ ایسا ہے

خَيْرُهُ اللَّهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَ جَسَّهٖ اللَّهُ نِيَّ اِخْتِيَارِ دِيَا هٖ كِهٖ دُنْيَا اُو
 بَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا اللَّهُ كِهٖ پَاسِ جُو چِيْزِ هٖ اِن مِيں سَهٗ جَسَّهٖ
 عِنْدَ اللَّهِ . چَاهُو اِخْتِيَارِ كِر لُو تُو اَس بِنْدَهٗ نَهٗ نِيَّ اللَّهُ
 كِهٖ پَاسِ جُو كُچھِ هٖ اَسَهٗ اِخْتِيَارِ كِر لِيَا هٖ .

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان الفاظ کے معنی سمجھ گئے اور رو کر کہنے لگے
 ”نہیں ہماری جانیں اور اولاد سب آپ پر قربان ہوں“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ابو بکر صبر کر و جلدی نہ کرو (لوگو!) کوئی شخص ایسا نہیں جس نے اپنی جان اور مال سے مجھ پر اتنا احسان کیا ہو جتنا ابو بکر نے کیا ہے اور اگر میں لوگوں میں کسی کو اپنا خلیل (خاص دوست اور محبوب) بناتا تو ابو بکر کو اپنا خلیل بناتا لیکن اسلام کا تعلق اور اسلام سے محبت سب سے افضل ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ مسجد کا ہر دریچہ جس سے میرا سامنا ہوتا ہے، بند کر دو لیکن ابو بکر کا دریچہ باقی رہنے دو۔“

اللہ تعالیٰ آپ سب کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب فرمائے، آپ جب جائیں گے تو دیکھیں گے کہ آج تک حضرت ابو بکر کے دریچے کی جگہ پر اب بھی لکھا ہوا نظر آتا ہے ”هذہ خوۃ سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ“

یہ آخری خطبہ تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا . آج منبر نبوی خالی ہو گیا، وہ منبر جس پر بیٹھ کر دس سال تک آپ علوم و معارف بیان فرماتے رہے وہ منبر آج خالی ہو گیا۔ یاد ہو گا کہ جب آپ پرانا منبر چھوڑ کر نئے منبر پر جلوہ افروز ہوئے تھے تو لکڑی

کا وہ خشک تناجداتی کے غم میں سچوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑا تھا۔ جب لکڑی آپ کی جدائی برداشت نہیں کر سکی تھی تو صحابہ پر آپ کی جدائی سے کیا گزری ہوگی۔

صحابہؓ محراب کی طرف دیکھتے تھے تو آقا نظر نہیں آتے تھے اور منبر کی طرف نظر اٹھاتے تھے تو چاند سے زیادہ حسین و جمیل چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔

منبر و محراب خالی ہو چکے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ

آخری نگاہ

عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بدستور نماز پڑھا رہے تھے، پیر کا دن تھا، لوگ نماز فجر میں صفیں باندھے کھڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نجانے کیا خیال آیا کہ آپ نے اپنے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور اللہ کے ان بندوں کو اللہ کے سامنے عبادت کرتے ہوئے دیکھنے لگے جو آپ ہی کی محنت کے نتیجے میں ایمان اور عبادت کی لائن پر آئے تھے، آپ مطمئن تھے کہ بھولے بھٹکے انسانوں کا اللہ سے جو رشتہ جڑا ہے یہ اب انشاء اللہ جڑا ہی رہے گا آپ تصور کریں اس عظیم انسان کا جو اپنی تینیس سالہ محنت کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا، جو لوگ اس کے سامنے رکوع و سجود میں مصروف تھے وہ اس نے بڑی محنت سے تیار کیے تھے اور انہیں رو کر اللہ سے مانگا تھا ان میں سے ایک ایک ہزاروں پر بھاری تھا۔ ان میں سے کوئی مفسر تھا کوئی فقیہ تھا، کوئی عراق و ایران کا فاتح تھا، کوئی مصر اور افریقہ کے مستقبل کا حکمران تھا لیکن جو کوئی بھی تھا صاحب ایمان تھا، حامل قرآن تھا اور مثالی انسان تھا۔ یہ منظر دیکھ کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ

مبارک خوشی سے دمکنے لگا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ایسے معلوم ہو رہا تھا جیسے قرآن کا ورق !

اللہ اکبر! حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کیا غضب کی تشبیہ دی ہے گویا آقا کے چہرے میں کشش وہ تھی جو قرآن میں ہوتی ہے۔ اور قرآن کی کشش تو صحابہ ہی جانتے تھے ہمارے جیسے دو ٹانگوں والے گدھے گھوڑے قرآن کی کشش سے کیا واقف ہوں گے۔ اور تقدس بھی وہی تھا جو قرآن کے ورق کو حاصل ہوتا ہے۔

اور جھک بھی وہی تھی جو قرآن کے الفاظ میں ہوتی ہے، قرآن کے ورق پر اگر طلانی کام ہوا ہو تو اس میں زردی بھی ہوتی ہے اور بیماری کی وجہ سے آقا کے چہرے پر زردی بھی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکراتے اور دلکش چہرے کو دیکھ کر صحابہؓ کے جذبات میں تلاطم سا برپا ہو گیا، قریب تھا کہ صفیں درہم برہم ہو جائیں اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا۔ اس کے بعد صحابہ کرام کو اپنے محبوب کے چہرہ کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

آخری لمحات | بارہ ربیع الاول، پیر کے دن صبح طبیعت میں کچھ افاقہ تھا لیکن دن چڑھا تو طبیعت بگڑ گئی، زندگی کے آخری دنوں میں سب سے زیادہ قرب اور سب سے زیادہ خدمت کی توفیق سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہوئی۔ آخری لمحات میں سر مبارک بھی انہی کی گود میں تھا۔ سیدہ کے بھائی حضرت عبدالرحمن

رضی اللہ عنہ اسی وقت تازہ مسواک لیکر آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مسواک پر ٹنگ گئی، سیدہ مزاج شناس تھیں انہوں نے مسواک لیکر دانتوں سے چبائی اور نرم کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس سے اپنے معطر دہن کو مزید معطر فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر فخر فرمایا کرتی تھیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جلے ہیں تو دہن مبارک میں میرا لعاب دہن تھا۔ اس کے علاوہ حجرہ بھی میرا تھا، باری بھی میری تھی اور میرے کندھے اور گردن کے درمیان ہی آپ کا سر مبارک تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی پانی کا ایک پیالہ رکھا ہوا تھا آپ بار بار دونوں ہاتھ اس میں ڈبو تے اور چہرہ اقدس پر مل لیتے۔ پیاری بیٹی حضرت خاتمہ ستول رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اپنے بے مثال ابا کی تکلیف دیکھی تو تڑپ اٹھیں اور زبان سے نکل گیا "واکرب ابہ" ہائے میرے ابا کی تکلیف! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی، پھر بیٹی کو قریب بلایا اور کان میں کچھ بات کہی وہ رو پڑیں، پھر کچھ اور کہا تو وہ مسکرا پڑیں۔ بعد میں سیدہ نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار فرمایا تھا کہ میں دنیا کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اور دوسری بار فرمایا تھا کہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تم ہی میرے پاس پہنچو گی۔

آخری وصیت | آپ نے جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ تھی الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم دیکھو نماز کا

اور اپنے ماتحتوں کا خیال رکھنا۔

دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے بھی میرے آقا کو حقوق اللہ میں سے نماز کا اور حقوق العباد میں سے علاموں، ملازموں، عورتوں اور بچوں کا خیال تھا اور اسی کی آپ نے تاکید فرمائی اور ان الفاظ کو آپ اس وقت تک زبان سے دہراتے رہے جب تک کہ زبان ساتھ دیتی رہی اور جب زبان میں سکت نہ رہی تو سننے والوں نے یوں محسوس کیا کہ آپ اپنے سینہ مبارک سے ان الفاظ کو ادا کرنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

اس دن ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی، گیارہواں ہجری سنال تھا، پیر کا دن اور زوال کا وقت تھا۔ عمر مبارک تریسٹھ سال تھی اسی وقت آپ پر نزع کی حالت طاری ہو گئی، ایک گھڑی کے لیے غشی طاری ہوئی، پھر آپ کو ہوش آ گیا، نظر مبارک چھت کی طرف اٹھ گئی اور زبان پر آخری الفاظ جاری ہو گئے :

اللَّهُمَّ الرَّفِيقَ الْأَعْلَى سَبَّ سَ الْعَلَى رَفِيقِ كَيْ يَأْسُ — اور پھر نبض ہستی ڈوب گئی۔

قیامت کی گھڑی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی گھڑی صحابہ کے لیے قیامت کی گھڑی تھی، وہ دن ان کے لیے تاریخ انسانی کا تاریک اور المناک دن تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی۔

حضرت عمرؓ کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

وفات پاچکے ہیں ،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چپ سی لگ گئی ، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس صدمے کو برداشت نہ کر سکے اور اپنے آوتما کے حضور پہنچ گئے حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ اتنا روتے کہ روتے روتے ان کی بینائی ہی ختم ہو گئی ۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مرثیہ بڑا پُر درد اور ایمان پرورد تھا ۔ انہوں نے فرمایا :

ہائے میرا وہ آقا چل بسا جس نے غریبی کو امیری پر ترجیح دی ، افسوس کہ وہ دین پرور نہ رہا جو گنہگار امت کی فکر میں کبھی پوری رات آرام سے نہ سویا ، جس نے بڑی استقامت سے نفس کا مقابلہ کیا ، جس نے منہیات کی طرف کبھی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا ، جس نے غریبوں اور سکیٹوں پر اپنا دروازہ کبھی بند نہیں کیا ، ہائے میرا وہ محبوب جس کے موتی جیسے دانت پتھر سے توڑے گئے اور جس کی نورانی پیشانی کو زخمی کیا گیا ۔

آج وہ دنیا سے رخصت ہو گیا ۔

سیدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے روتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اے انس ! تم لوگوں کے دلوں نے کس طرح گوارا کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منوں مٹی ڈال دو اور انہیں اکیلے چھوڑ کر چلے آؤ ۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوال نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی تڑپا کے رکھ دیا ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ مدینہ کا ہر باشندہ سمجھ رہا تھا کہ میں یتیم ہو گیا
 غریبوں کا حامی نہ رہا، کمزوروں کا والی چل بسا، بیواؤں کا سرپرست
 رخصت ہوا، یتیموں کا آقا الوداع ہوا، غلاموں کا مولیٰ داغ
 مفارقت دے گیا — ہاں ہاں باغِ عالم کی بہار، نبیوں کا سردار
 امت کا غم خوار، فاتحینِ عرب و عجم کا سپہ سالار، لاکھوں دلوں کا
 قرار، مظلوموں کا دلدار، تریسٹھ سال کی مثالی نہیں بلکہ بے مثال زندگی
 گزار کر دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہو گیا

یہ وقت مسلمانوں
 سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ کی مثالی ستقامت کے لیے بڑا نازک

تھا، ہر طرف حزن و الم کے بادل تھے، آنسوؤں کی طغیانی تھی، شکستہ
 حوصلے تھے، پڑمردہ ہمتیں تھیں، خزاں زدہ جذبات تھے۔

انفرادی یتیمی تو آپ نے بار بار دیکھی ہوگی، مدینہ میں اجتماعی یتیمی
 کی صورت درپیش تھی، ہر شخص چاہتا تھا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھا
 جائے، مجھے تسلی دی جائے، گرتے ہوؤں کو سنبھالا جائے مگر
 ایسا کون تھا جو سید الانبیاء کا بدل بن سکتا۔ پھر صحابہؓ نے
 عجیب منظر دیکھا۔ سفر و حضر کا وہ ساتھی جسے ابو بکر صدیق کہا جاتا
 تھا، جو دل کا بڑا نرم تھا وہ آگے بڑھا اور استقامت کا پہاڑ بن
 کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے لوگ ایسے ہی نازک مواقع پر آزمائے جاتے ہیں۔
 حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وفات کی خبر سن کر کاشانہ

نبوی کی طرف روانہ ہو گئے، پہنچے تو لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر کر رہے تھے کہ جو کہے گا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر میں گئے، جسم اطہر کو دیکھا، منہ سے منہ لگایا پیشانی کو چوما اور آنسو بہاتے ہوئے عرض کیا :

میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ دو موتیں آپ پر کبھی جمع نہیں کرے گا، یہی ایک موت تھی جو آپ پر لکھی ہوئی تھی۔

پھر سب نبوی میں تشریف لے آئے اور حمد و صلوات کے بعد کہا :

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا
فَانْ مَحَمَّدًا اَقْدَمَات وَمَنْ
كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ
حَيٌّ لَا يَمُوتُ ، قَالَ اللّٰهَ :

تم میں سے جو کوئی محمدؐ کی عبادت کرتا
تھا وہ جان لے کہ محمدؐ تو انتقال فرما
گئے اور جو کوئی اللہ کی عبادت کرتا تھا
وہ جان لے کہ بے شک اللہ زندہ

ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔
اللہ نے خود فرمایا ہے : محمد تو ایک رسول
ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول
ہو چکے ہیں، کیا اگر آپ وفات پا

جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اللہ
پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو لٹے پاؤں
پھر جائے گا تو اللہ کا کچھ نقصان نہیں
کر سکے گا اور اللہ شکر گزاروں کو

عَلَىٰ اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ
يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَكَانَ
لِضْرَّةِ اللّٰهِ شِئْئًا وَّسَيَجْزِي
اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝

ثواب دے گا۔

اس آیت کو سن کر ہر شخص کی آنکھیں کھل گئیں۔ صحابہؓ کہتے ہیں
ہمیں یوں لگا کہ یہ آیت آج ہی اتری ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! بعض اوقات ایک کی استقامت ہزاروں کو استقامت دے جاتی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایسے ہی انسان تھے۔ انہوں نے امت کے شیرازے کو بکھرنے سے بچالیا۔ حالت یہ تھی کہ چوبیس قبیلے مرتد ہو کر لڑائی پر آمادہ ہو گئے، یمن سے مدینہ طیبہ تک فساد کی گروہ پھیل گئے، قیصر و کسریٰ کے خوابیدہ جذبات پھر سے بیدار ہونے لگے، کئی لوگوں نے بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرانے سے انکار کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس حالت کا نقشہ برطی عجب الفاظ میں کھینچا ہے، فرماتے ہیں :

”اس وقت سلمان، بکریوں کے اس ریوڑ کے مشابہ تھے جو جاڑوں کی سردرات میں بارش کی حالت میں بغیر چرواہے کے رہ جائے“

جزیرۃ العرب کا حکمران | محترم حاضرین! میں نے اپنی

ناقص معلومات کے مطابق سرور کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا حال آپ کے سامنے بیان کر دیا ہے۔ اب آخر میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ وہ عظیم انسان جو اس وقت پورے جزیرۃ العرب کا حکمران تھا، اور جس سے بڑے بڑے سردار اور بادشاہ مرعوب تھے اس نے اپنے پیچھے کیا میراث چھوڑی؟

میرے دوستو اور بزرگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ بھی تھا وہ آپ نے وفات سے پہلے صدقہ کر دیا تھا، جو

غلام تھے وہ سب آزاد کر دیئے۔ آپ کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی، اور آپ کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو یہودی کو دے کر آپ اس سے اپنی زرہ چھڑا سکتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس وقت وفات ہوئی اس وقت میرے گھر میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی کھا سکتا۔ البتہ تھوڑا سا جو میری الماری پر رکھا ہوا تھا میں اس میں سے کچھ دن کھاتی رہی اور اللہ اس میں برکت دیتا رہا۔ ایک دن میں نے اس کی ناپ تول کی تو وہ ختم ہو گیا۔

میرے آقا اور کائنات کے آقانے سونا، چاندی، روپیہ پیسہ، زمین، مکان، جانور اور سواریاں کچھ بھی میراث میں نہیں چھوڑا۔ البتہ ایک میراث ایسی چھوڑی ہے جو کہ صرف آپ کے خاندان کے لیے نہیں بلکہ ہر مسلمان اس میں سے اپنا حصہ لے سکتا ہے اور وہ ہے ایمان کی میراث، قرآن کی میراث، دین کی میراث اسی میراث کو امت کی طرف منتقل کرنے کے لیے آپ ساری زندگی تڑپتے رہے اور اسی میراث کو منتقل کرنے کے لیے آپ زخم کھاتے رہے۔

آئیے ہم بھی اس میراث کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانی کا عہد کریں — اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

میلادِ ادیبی یا سیرتِ النبویؐ

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار ؟
 مصلحتِ وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار ؟
 کس کی آنکھوں میں سما یا ہے شعارِ اغیار ؟
 ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار ؟
 قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
 کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں
 (علامہ اقبالؒ)

” سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے مناؤ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میلاد مناتے تھے، نہ پیراناں کرتے تھے، نہ جھنڈیاں لگاتے تھے، نہ سجاوٹ، نہ بناوٹ، نہ حلوے، نہ مٹھائیاں بس یہ تھا کہ زندگی کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے۔ دوکان میں، مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں — غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ کرتے تھے۔ یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے۔ ان کی تجارت، ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہوتی تھی صحابہؓ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنتیں زندہ ہوتی تھیں، ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ نہیں ہوتیں سنتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔“

میلاد النبی ﷺ

سیرت النبی ﷺ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ
حَتَّىٰ يَحْكُمُوا لَكَ فِيمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي
أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن
نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی
منصف جانیں اس تھکڑے میں جو
ان میں اٹھے پھر نہ پاویں اپنے جی میں
تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں
خوشی سے۔

محترم بزرگو اور عزیز ساتھیو! ہر سال ربیع الاول کی آمد کے
موقع پر مختلف جماعتوں اور تنظیموں کی طرف سے جلسے ہوتے ہیں،
بعض اشتہارات پورے شہر کی دیواروں پر لگائے جاتے ہیں،
بعض اشتہاروں میں جلسہ سیرت النبی کا عنوان ہوتا ہے۔
عام لوگوں کو بڑا تجسس ہوتا ہے کہ سیرت النبی اور میلاد النبی میں کیا
فرق ہے؟ خاص طور پر جب وہ عوامی خطیبوں کی زبان سے یہ سنتے ہیں کہ
معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو دشمن ہیں وہ عید میلاد النبی
نہیں مناتے اور جو حضور کے محب اور عاشق ہیں وہ عید میلاد النبی
مناتے ہیں تو ان کی حیرت اور تجسس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔

ان میں سے جو کم فہم اور کم علم لوگ ہوتے ہیں وہ واقعی اس چیز کو محب ہونے اور نہ ہونے کے لیے معیار بنا لیتے ہیں اور اللہ کے ایسے نیک بندوں کو معاذ اللہ گستاخ رسول سمجھنے لگتے ہیں جن کی صورت حضورؐ جیسی، جن کی سیرت حضورؐ جیسی، جن کا لباس حضورؐ جیسا، جن کا سونا جاگنا، پہننا، اتارنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا اور بیٹھنا اٹھنا حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق۔

اللہ کے ایسے نیک بندے جنہوں نے محض دین کی خاطر، محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی خاطر دنیا کو لات مار دی، معاشرے کو چھوڑ دیا، رشتہ داروں کو ناراض کر لیا، ان پر گستاخ رسول اور منکر رسول ہونے کا فتویٰ اس لیے لگا دیا جاتا ہے کہ وہ ربیع الاول میں منعمے نہیں جلاتے، جھنڈیاں نہیں لگاتے، جلوس نہیں نکالتے اور مفت خوردوں کو حلوے اور مٹھائیاں نہیں کھلاتے۔

میرے بزرگو اور دوستو! یہ تو عاشقِ رسول ہونے کا بڑا آسان معیار ہو گیا، بتیاں جلا لو، جھنڈیاں لگا لو، جلوس نکال لو اور تھوڑی سی مٹھائی بانٹ دو تو آپ کو عاشقِ رسول ہونے کی سند مل گئی۔

تین ربیع | بے شک ربیع الاول مسیحاؑ کی ولادت کا مہینہ ہے اور یہ مہینہ بہارِ جاوداں کا مہینہ ہے۔ ربیع بہار کو کہتے ہیں اور اس ایک مہینہ میں ایک نہیں تین ربیع جمع ہو گئے جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

لهذا الشهر في الاسلام فضل ومنقبة تفوق على الشهور
ربيع في ربيع في ربيع ونور فوق نور فوق نور
یعنی تین ربيع جمع ہو گئے، ایک تو مہینے کا نام ربيع، دوسرے
موسم ربيع اور بہار کا اور تیسرے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
بھی عالمگیر خزاں میں بہار بن کر تشریف لے آئے۔

آپ کی تشریف آوری سے ظلمت کدہ عالم میں روشنی پھیلی،
خزاں رخصت ہو گئی، بہار کی ہوائیں چلنے لگیں۔ میں یہ سب باتیں
تسلیم کرتا ہوں اور میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ اگر اسلام میں کسی کی
ولادت کا دن منانے کی اجازت ہوتی تو واقعی مشرق سے مغرب
تک بسنے والے مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ولادت کا دن پورے جوش و خروش سے مناتے لیکن صحیح بات یہ
ہے کہ کسی بھی شرعی دلیل سے میلادِ نسبی کا منانا ثابت نہیں ہوتا
جو لوگ اس کے قائل ہیں ان سے میرا سوال ہے کہ وہ قرآن کی کوئی آیت
پیش کریں، اگر آیت نہیں پیش کر سکتے تو کوئی صحیح حدیث پیش
کریں، صحیح حدیث نہیں کر سکتے تو چلو فقہ کی کسی مستند کتاب
کا حوالہ پیش کریں۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی بھی شخص قرآن سے، حدیث
سے اور فقہ کی کسی کتاب سے کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ پھر یہ بھی
دیکھیں کہ نبوت ملنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تینتیس سال
زندہ رہے آپ نے کسی بھی موقع پر صحابہؓ کو میلاد منانے کا حکم
نہیں دیا، پھر ایک سو دس برس تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور رہا ہے
اور دو سو بیس برس تک تبع تابعین کا دور رہا ہے۔ اگر میلادِ نبوی

کامنا نا ثواب کا کام ہوتا یا عشق و محبت کی دلیل ہوتا تو صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین ضرور بالضرور میلاد النبی مناتے۔ اب میں ہی باتیں ہیں: یا تو یہ تسلیم کر لیں کہ محبت رسول ہونے کے لیے میلاد النبی کا منانا ضروری نہیں اگر یہ محبت رسول ہونے کی گمنند ہوتی تو یہ مقدس ہستیاں اس سند سے ہرگز محروم نہ رہتیں۔

یا پھر ہم معاذ اللہ یہ دعویٰ کریں کہ یہ لوگ عاشق رسول نہیں تھے اور اگر تھے بھی تو اتنے بڑے عاشق نہیں تھے جتنے بڑے ہم ہیں اور تیسری بات کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ محبت رسول ہونے کے لیے میلاد النبی منانا ضروری تھا مگر صحابہ کو، تابعین کو اس ضروری بات کا علم نہ ہو سکا۔

صحیح بات | آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کہ ان میں سے کونسی بات آپ زبان پر لانا گوارا کر سکتے ہیں۔ ہے کوئی ایسا جو یہ کہے کہ میں تو عاشق ہوں مگر صحابہ عاشق نہیں تھے۔ ارے اگر وہ عاشق نہیں تھے تو پھر دنیا میں کوئی بھی عاشق رسول نہیں۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحابہ کو اس کا علم نہیں ہوسکا تو اس سے بڑا جھوٹا بھی کوئی نہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ پوری چھ صدیوں تک روئے زمین کا کوئی مسلمان اس رسم سے واقف نہیں تھا ساتویں صدی کے شروع میں موصل شہر میں مظفر الدین نام کا ایک بادشاہ تھا جو بڑا فضول خرچ اور لاپرواہ قسم کا انسان تھا۔ اس نے میلاد کا جشن منانا شروع کیا، اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ جو درباری قسم کے لوگ ہوتے ہیں انہیں اللہ کو خوش کرنے کی اتنی فکر نہیں ہوتی جتنی بادشاہوں اور وڈیروں کو

خوش کرنے کی فکر ہوتی ہے چنانچہ ایک دنیا پرست مولوی تھا جس کا نام
عمر بن دحیہ تھا اس نے انعام کے لالچ میں ایک کتاب لکھ دی جس میں
ثابت کر دیا کہ واقعی یہ جشن منانا بڑے اجر اور ثواب کا کام ہے۔
مشہور محدث حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں
کہ یہ مولوی بڑا احمق اور کبر تھا اور بڑی گندی زبان کا مالک تھا

بدعت تو بدعت ہی ہے | کسی بھی بدعت کی جو ابتدا ہوتی ہے
بڑی خوش نما ہوتی ہے مثلاً میلاد ہی

کو لے لیجئے۔ لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت ربیع الاول میں
حاصل ہوتی لہذا ربیع الاول میں اس نعمت کی یاد منانے سے اجر و ثواب
حاصل ہوتا ہے۔ اور جو خطیب صاحب زیادہ منہ پھٹتے ہوتے ہیں وہ
یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ او و یا بیو! او دیو بند یو! تم حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے تذکرہ سے کیوں جلتے ہو؟

میکر دوستو! وہ کون بد بخت ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے تذکرہ سے جلے گا، لیکن ہم بھی مجبور ہیں بدعت کو کتنے ہی خوش نما
لیبل لگا کر پیش کرو وہ بدعت ہی رہے گی وہ سنت نہیں ہو سکتی۔

سنت ہدایت ہے اور بدعت ضلالت ہے
سنت سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے اور بدعت سے اللہ ناراض

ہوتا ہے۔

سنت سے جنت تک لے جاتی ہے اور بدعت جہنم میں پہنچاتی ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے

شتر الامور محدثا تھا وکل جو کام نئے گھڑے جائیں وہ بُرے
بدعة ضلالة ۳ ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور نسائی کی روایت میں ہے

وکل ضلالة في النار ۴ اور ہر گمراہی دوزخ میں لیجانے والی ہے

ابک دوسری حدیث میں کائنات کے آقاؐ نے فرمایا:

من وقر صاحب بدعة جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس

فقد اعان علی هدم نے اسلام کی عمارت کو گرانے پر

اس کی مدد کی۔

الاسلام ۵

میرے دوستو! کوئی حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی!

آپ فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو اگر تم نے بدعتی کی عزت کی تو یوں سمجھو
کہ تم نے اسلام کی عمارت گرانے میں تعاون کیا ہے۔

اب بتائیے کہ ہم کہاں جائیں ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی یہ سخت وعیدیں ہیں، دوسری طرف یار لوگوں کے طعنے ہیں، من

گھڑت دلیلیں ہیں، خوشنما اولیٰں ہیں، مغلوب الغضب لوگوں کے

فتوے ہیں۔

ارے بھائی لگا لو فتوے، دے لو طعنے، ہمارے اندر اتنی

ہمت نہیں کہ ہم تمہیں خوش کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو ناراض کر لیں۔ جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں

تھا، صحابہ کے زمانے میں دین نہیں تھا، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے

میں دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہے۔ بدعت، بدعت ہی رہے گی

چاہے تم اس کے ہزار فوائد بیان کر لو۔

آج یہ حال ہے | پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو بدعت

ہوتی ہے اس کی کوئی حد نہیں ہوتی اس میں

اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ فرض، واجب اور سنت کی تو ایک حد ہے
 ناں، لیکن بدعت کی کوئی حد نہیں۔ جب قرآن اور حدیث کو تھوڑا دیا
 تو ایسا ہی ہوگا جس کا دل چاہے گا گھٹالے گا اور جس کا دل چاہے گا
 بڑھالے گا۔

گیارہویں شریف پہلے ایک تھی، اب سنا ہے دو ہو گئی ہیں
 ایک چھوٹی گیارہویں اور دوسری بڑی گیارہویں۔ صلاۃ و سلام
 پہلے اذان کے ساتھ پڑھتے تھے، اب سنا ہے کہ بعض لوگ اقامت
 کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ محفل میلاد میں بھی پہلے یہ ہوتا ہوگا کہ
 ولادت نبوی کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کی
 جاتی ہوگی، نعتیں پڑھی جاتی ہوں گی۔ لیکن اب کیا ہو رہا ہے،
 پورے شہر میں جھنڈیاں نہیں بلکہ بڑے بڑے جھنڈے لہرائے جاتے
 ہیں، چراغاں کیا جاتا ہے، روضہ رسول اور بیت اللہ کی شبیہیں بنائی
 جاتی ہیں، ان کا طواف کیا جاتا ہے، چوبچاٹی ہوتی ہے، جلوس
 نکلتے ہیں ان میں ڈھول ڈھکا ہوتا ہے اور اس میں مقابلے ہوتے ہیں۔
 واہ بھی واہ! نماز میں مقابلہ نہیں، صدقات میں مقابلہ نہیں، جہاد
 میں مقابلہ نہیں، مقابلہ ہو رہا ہے تو کس چیز میں؟
 دکھاوے میں، نمود و نمائش میں، جھنڈے لہرانے میں، ڈھول
 ڈھکا کرنے میں۔

خدا را سینے پر ہاتھ رکھ کر جواب دو کیا یہی اسلام کی تعلیم ہے؟

کیا یہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے ؟
 جس نبی کے خلفاء کا حال یہ ہو کہ وہ صرف اس لیے پرانے کپڑے
 کا کفن لے لیتے ہوں تاکہ نیا کپڑا کسی غریب مسلمان کے کام آجائے
 کیا وہ نبی اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ اس کے امتی لاکھوں
 میٹر ریشمی کپڑا جھنڈے بنانے میں صرف کر دیں ؟

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سارے مسلمان بھائی
 غمیلوں سے مرعوب ہو گئے ہیں انہوں نے سوچا کہ جب عیسائی،
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام پر کرسمس مناتے ہوئے کروڑوں روپے
 خرچ کر سکتے ہیں تو ہم مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت
 پر خرچ کیوں نہیں کر سکتے۔ گویا ہندوؤں اور عیسائیوں کی رسمیں
 دیکھ کر ان کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، خدا را ان کا مقابلہ مت کر دو ورنہ
 تم آگے نکلا جاؤ گے اور دین پیچھے رہ جائے گا۔

وہ بد بخت تو اپنے بزرگوں کے ایام ولادت پر ناچ گانا، شراب
 زنا سب کچھ کر رہے ہیں، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام
 کی تصویریں بھی بنا رہے ہیں۔

کیا ہم مسلمان ایسا کر سکتے ہیں ؟ یقیناً آپ کا جواب یہ
 ہو گا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

تو میرے دوستو! آپ یہ بھی تو سوچو کہ کرسمس کی ابتدا بھی
 تو بڑی معصوم تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہوتا تھا، ان کی
 منقبت بیان کی جاتی تھی، پھر جلسے جلوس ہوئے، پھر جھنڈے لہرائے،
 پھر قمقے روشن ہوئے، پھر رونق بڑھانے کے لیے ناچ گانے کا انتظام

ہوا، جب ناچ گانا آیا تو شراب بھی آئی، جب شراب آئی تو زنا بھی
آیا، جب زنا آگیا تو حیا چلی گئی۔ عشقِ عیسیٰ ختم ہو گیا عشقِ نسواں
باقی رہ گیا۔

شرابِ محبت کے جامِ خالی ہو گئے اور شرابِ معصیت کے
جام پھلکنے لگے،

سیکدہ معرفت کی بتیاں گل ہو گئیں اور سیکدہ غلاظت کی روئیاں
نگاہوں کو خمیرہ کرنے لگیں۔

ہر لحظہ میلاد میرے دوست! اگر قرآن اور حدیث کو چھوڑ
کر، صحابہ کرام اور تابعین کو چھوڑ کر میلاد مناؤ گے تو اس میں یقیناً
خرافات آئیں گی۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ میلاد ویسے جیسے صحابہ
کرام میلاد مناتے تھے، نہ چراغاں کرتے تھے نہ جھنڈیاں لگاتے تھے
نہ سجاوٹ نہ بناوٹ، نہ حلوے نہ مٹھائیاں، بس یہ تھا کہ زندگی
کے ہر شعبے میں اپنے آقا کی اطاعت کرتے چلے جاتے تھے۔ دوکان میں
مکان میں، خوشی میں، غمی میں، سفر میں، حضر میں، جنگ میں، امن میں۔
غرضیکہ ہر جگہ اور ہر حال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو زندہ
کرتے تھے یوں وہ ہر جگہ اور ہر وقت میلاد مناتے تھے، ان کی تجارت
ان کی سیاست اور ان کی عبادت کو دیکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

صحابہ میلاد نہیں مناتے تھے مگر آقا کی سنتیں زندہ ہوتی تھیں
ہم میلاد مناتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں زندہ نہیں
ہوتیں، سنتیں زندہ تو کیا ہوں گی ہماری میلادوں میں تو سنتوں کا

مذاق اڑایا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ اب دیکھا دیکھی یہ رسم چل پڑی ہے کہ ہر سرکاری ادارہ اور ہر کاروباری شعبہ میلاد منانا ضروری سمجھتا ہے چاہے وہ سودی کاروبار کرتا ہو لیکن میلاد منانا لازم سمجھتا ہے۔ جب محفل میلاد ہوتی ہے تو اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی شریک ہوتی ہیں، ویڈیو فلم بنتی ہے، کیمے چلتے ہیں اور بعض جگہ تو یوں ہوتا ہے کہ پہلے مولوی صاحب کی تقریر ہوتی ہے بعد میں کسی قوال کی قوالی ہوتی ہے یا پھر بھاری بھاری معاوضہ لینے والے دارٹھی منڈے لغت خوان تشریف لاتے ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں، آخر میں ہر شریک محفل کو مٹھائی کا ایک ایک ڈبہ دے دیا جاتا ہے اور یہ ڈبے بھی سرکاری فنڈ سے خریدے جاتے ہیں، اگر مٹھائی اچھی ہو تو شرکاء کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور اگر کوئی سستی اور بیکاری مٹھائی ہو تو کہنے والے کہتے ہیں کہ اس محفل میں نورانیت اور روحانیت نہیں تھی خواہ مخواہ ہمارا وقت برباد کیا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ عید میلاد النبی کے جلوس اور پروگرام کے دوران اگر نماز کا وقت ہو جائے تو نماز چھوڑی جاسکتی ہے پروگرام نہیں چھوڑا جاسکتا۔

عشق رسول ہے مگر اتباع رسول نہیں،

عشق رسول ہے مگر صورت رسول نہیں،

عشق رسول ہے مگر سیرت رسول نہیں !

آج کل کے عاشق | یہ ہے آج کل کے عاشقان رسول کا حال !
ہر میٹھا اور پرتعلیش کام کرنے کے لیے تیار ہیں مگر پرمشقت کام کرنے

کے لیے تیار نہیں۔

جیسے وہ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بوڑھی عورت کا شوہر انتقال کر گیا، اس کے رونے دھونے کی آواز سن کر لوگ جمع ہو گئے پوچھا اماں جی کیوں رو رہی ہو، کہنے لگی یہ سامنے لٹکی ہوئی بندوق دیکھ کر مجھے شوہر یاد آ رہا ہے۔ ہائے یہ بندوق بھی بے سہارا ہو گئی اسے استعمال کرنے والا نہیں رہا۔ ان میں سے ایک لالچی آدمی آگے بڑھا کہنے لگا آپ کا یہ غم میں دور کرتا ہوں، یہ بندوق مجھے دے دیجئے آپ یوں سمجھیں کہ اسے سہارا مل گیا اماں نے کہا لے جاؤ بیٹا ورنہ اسے دیکھ دیکھ کر میرا غم تازہ ہوتا رہے گا۔

اگلے دن پھر رونے کی آواز آئی، یہ لالچی آواز سن کر بھاگا بھاگا گیا، پوچھا اماں جی آج کونسی چیز آپ کے غم کو تازہ کر رہی ہے اماں نے کہا بیٹا میرے شوہر گھوڑے سے بہت پیار کرتے تھے، اب وہ نہیں ہیں تو یہ ان کی جدائی کی غم میں اداس کھڑا ہے اس کی اداسی مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ لالچی صاحب نے فوراً کہا، اماں سہارے جیسے جانثار بیٹوں کی موجودگی میں آپ کو اداس ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ گھوڑا مجھے عنایت کر دیئے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بکے بانسری، نہ گھوڑا ہوگا، نہ آپ کو مرحوم شوہر کی یاد ستائے گی۔ گھوڑا بھی لے گیا۔ اب جب بھی رونے کی آواز آتی تو وہ فرمانبردار بیٹا بن کر حاضر ہو جاتا اور اماں جان کا غم دور کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی لیجاتا۔ مرحوم کے کپڑے، اس کا بستر، اس کے جوتے اور استعمال کی دوسری اشیاء وہ ایک ایک کر کے لے گیا۔ اور اس نے پورے گھر کا صفایا کر دیا۔ لیکن اماں کا غم پھر بھی دور نہ ہوا

اور ایک دن پھر رونے کی آواز آنے لگی، وہ لالچی جانتا تھا کہ اب گھر میں کوئی چیز باقی نہیں رہی اس لیے اس نے آنے میں دیر کر دی اور اس کے آنے سے پہلے ہی کئی لوگ آچکے تھے۔ اماں سے پوچھا آج کیوں رو رہی ہے اماں نے کہا بیٹا مجھے معلوم نہیں تھا لیکن کل ہی پتہ چلا ہے کہ میرے شوہر کے ذمہ تو دس ہزار روپے قرضہ بھی تھا۔ مجھے غم یہ ہے کہ یہ قرضہ کیسے ادا ہوگا تو وہ لالچی بیٹا جو گھر کا سفایا کر چکا تھا اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے بھائی آخر تم بھی تو کچھ بولو میں تو اتنے دن سے اماں کے غم دور کر رہا ہوں۔

تو جناب یہی حال ان عاشقانِ رسول کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جی ہم نے تھبت ڈیاں لگائیں، تمہے جلائے، جلوس نکالے، نعرے لگائے، مٹھائیوں کے ڈبے بھی وصول کیے۔ جب ہم نے اتنے کام کر لیے تو اب کوئی اطاعت کرنے والا بھی تو ہونا چاہئے۔ یہ کیا ہوا کہ سارے کام ہم ہی کرتے جاتیں

کام کے عاشق | میرے بزرگو اور دوستو! افسوس کا مقام یہ ہے کہ نام کے عاشق رہ گئے، کام کے عاشق چل

لبے۔

میلادِ انبی رہ گئی، سیرتِ نبوی نہیں رہی،
 نعتِ خوانی تو ہے، رجزِ خوانی نہیں رہی،
 فساد تو ہے جہاد نہیں رہا،
 مجاور تو ہیں مجاہد نہیں رہے،
 حلوانی تو بہت ہیں شیدائی نہیں رہے

جلوس تو ہے، قیام باقی نہیں رہا
 مسلمان کی ذات تو ہے مسلمان کی صفات باقی نہیں رہیں۔
 اب تو مسلمان پہچانا ہی نہیں جاتا، بتانا پڑتا ہے کہ یہ صاحب
 مسلمان ہیں ورنہ صورت اور سیرت سے مسلمان کی پہچان نہیں ہوتی
 بلکہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ مسلمان کے جو اوصاف تھے وہ
 غیر مسلموں نے اپنالے ہیں۔ وہ معاملات کی صفائی، وہ قومی ہمدردی
 وہ امانت و دیانت، وہ راست بازی جو کبھی مسلمان کی پہچان ہوتی
 تھی وہ کافروں کی پہچان بن گئی ہے اور معاملات میں گڑبڑ، قوم دشمنی،
 فراڈ اور خیانت، جھوٹ اور وعدہ خلافی مسلمان کی پہچان بن گئی ہے
 ہماری درسی کتابوں میں ایک مزاحیہ واقعہ لکھا ہے کہ ایک احمق
 اور مسخرہ تھا جس کا نام ہنق تھا، وہ ہر وقت اپنے گلے میں اپنے نام کی تختی
 لٹکائے رکھتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر میں نے یہ تختی گلے سے اتار دی
 تو میں کھوجاؤں گا، میری پہچان ختم ہو جائے گی، ایک دن جبکہ وہ
 سو رہا تھا اس کے کسی دوست نے شرارت کی اور وہ تختی اس کے
 گلے سے اتار کر اپنے گلے میں ڈال لی، ہنق اٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ
 تختی غائب ہے، ادھر ادھر دیکھا تو اسے وہی تختی اپنے دوست کے
 گلے میں دکھائی دی ہنق حیران ہو کر کبھی اپنا گلا دیکھتا ہے، کبھی اپنے
 دوست کا گلہ دیکھتا ہے اور تعجب کرتا ہے کہ راتوں رات یہ کیا انقلاب
 برپا ہو چکا ہے، پھر اس نے ایک عجیب جملہ کہا جس میں ہم سب
 کے لیے بڑا سبق ہے۔ ہنق کہنے لگا: ”ارے میں تو تو ہو گیا
 میں کہاں گیا“ جب میری نشانی تیرے گلے میں آگئی تو تم میں ہو گئے
 اور میں کھو گیا۔

یونہی مسلمان کے جو امتیازی اوصاف تھے وہ جب غیروں نے اپنا لیے تو اب حیرانگی سے سوال کرنا پڑتا ہے کہ مسلمان کہاں گیا، اس کے گلے میں وہ نشانی نہیں جو اس کے مسلمان ہونے کو ظاہر کرتی تھی۔ اس کے پاس وہ اوصاف نہیں جو اس کی پہچان تھے اب جب وہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے تو خود بڑبڑانے لگتا ہے ”لوگو! میں وہ تو نہیں جو کبھی تھا تو پھر دیکھو تو سہی کہ میں کہاں چلا گیا ہوں“

پہچان ختم ہونے کی وجہ | آپ نے سمجھا کہ مسلمان کی پہچان ختم ہونے کی وجہ کیا ہے؟

مسلمان کی پہچان ختم ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ مسلمان نے سیرت النبی کا دامن چھوڑ دیا ہے۔

نبی کی سیرت، نبی کی صورت، نبی کی اطاعت اور نبی کی غلامی۔ یہ تو مسلمان کی اصل پہچان تھی، وہ ہزاروں اور لاکھوں میں پہچان لیا جاتا تھا، وہ کافروں اور مشرکوں کے مجمع میں اور قیصر و کسریٰ کے درباروں میں سب سے جدا، سب سے ممتاز نظر آتا تھا، کسی کے طنز اور کسی کی باتوں کے خوف سے وہ اپنے آقا کی اتباع چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلیچی بن کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، ان کا پا جامہ ٹخنوں سے اوپر آدھی پٹلی تک تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے ازار نہ لٹکایا جائے۔

متکبرین کا شیوہ یہ تھا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکاتے تھے بلکہ جتنا بڑا چودھری اور سردار ہوتا تھا اتنا ہی زیادہ ازار لٹکائے رکھتا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی نے مشورہ دیا کہ بھائی اپنا پانچواں ٹخنوں سے نیچے کر لو ورنہ ہمارے سرداروں کی نظر میں آپ کی کوئی وقعت اور عزت نہیں ہوگی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے چچا زاد بھائی کی باتیں سُنیں تو لمبی چوڑی بحث کے بجائے مختصر سا جواب دیا فرمایا کہ :

لا! ہلکذا ازار صاحبنا نہیں بھائی مجھے معاف رکھو اس صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹی شان و شوکت سے میں اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے نہیں کر سکتا کیونکہ میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ازار پٹلیوں تک ہوتا ہے، لوگ مجھے چھوٹا سمجھتے ہیں سمجھتے رہیں، مذاق اڑاتے ہیں اڑاتے رہیں، میں ان کی نظر میں بڑا بننے کے لیے اور ان کی ہنسی سے بچنے کے لیے اپنے آقا کی سنت نہیں چھوڑ سکتا۔

صحابہ کرام سرداروں، دنیا داروں اور بادشاہوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پرواہ کرتے تھے اور ہم۔ نام نہاد عاشقانِ رسول۔ سارے زمانے کی پرواہ کرتے ہیں مگر اللہ اور رسول کی پرواہ نہیں کرتے۔

ہم چاہتے ہیں کہ شکل و صورت اور زبان و بیان میں ایسے بن جائیں کہ یہود و نصاریٰ ہمیں حقیر سمجھ کر ہمارا مذاق نہ اڑائیں لیکن وہ پھر بھی

ہمارا مذاق اڑاتے ہیں اور صحابہ کا کوئی بھی مذاق نہیں اڑاتا تھا۔

کیا خوب کہہ گئے ہیں اسد ملتانی مرحوم۔

کسی کا آستانہ اونچا ہے اتنا کہ سر جھک کر بھی اونچا ہی رہے گا
سننے جانے سے جب تک تم ڈرو گے زمانہ تم پر سنستا ہی رہے گا

میرے مسلمان بھائیو! میلاد النبیؐ منانے کا صحیح طریقہ یہی ہے
کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لیں اور جس دین
کی خاطر اللہ کے نبیؐ نے طعنے سنے تھے، زخم سہے تھے، دانت شہید
کروائے تھے ہم اس دین کے علمبردار بن کر پوری دنیا میں اس کی روشنی
پھیلادیں اور مشرق و مغرب میں اس کا ڈنکا بجا دیں

یہاں میں یہ بات بھی سمجھا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ
تین ولادتیں | بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایک نہیں بلکہ تین ولادتیں تھیں۔

ایک تو وہ عرفی ولادت جب آپ رحم مادر سے اس دنیائے آب و
گل میں تشریف لائے۔ اللہ تو اس بات پر بھی قادر تھا کہ آپ کو براہِ راست
آسمان سے نازل فرما دیتا لیکن اس صورت میں ممکن تھا کہ بعض لوگ
آپ کو خدا بنا لیتے اس لیے آپ کی عرفی ولادت اسی طریقے سے ہوئی
جیسے عام بچوں کی ولادت ہوتی ہے۔

آپ کی دوسری ولادت، عرفی ولادت کے چالیس سال بعد
غارِ حرا میں ہوئی جب جبریل امین وحی لے کر آئے اور محمد بن عبد اللہ
کو محمد رسول اللہ بنا دیا گیا۔

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ اپنے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں

زادہ نیست احمد در جہان

صدقیامت بود اندر او عیان

یہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ولادت تھی اور اس ولادت میں سو قیامتیں عیاں تھیں۔

محمد بن عبد اللہ کی حیثیت سے آپ کا تعارف مکہ تک محدود تھا اور جب آپ محمد رسول اللہ بنے تو آپ کا تعارف مکہ سے مدینہ تک، مدینہ سے پورے عرب میں اور عرب سے عجم تک اور پھر پوری دنیا میں عام ہو گیا۔

آپ کی پہلی ولادت ہوئی تو آپ کا مخالف کوئی نہ تھا، آپ کی دوسری ولادت ہوئی تو حیرت و سعادت مندوں کے سوا سبھی آپ کے دشمن ہو گئے۔

آپ کی عرفی ولادت ہوئی تو جشن منانے میں ابولہب پیش پیش تھا اور آپ کی حقیقی ولادت ہوئی تو ایذا دہی اور مذاق اڑانے میں ابولہب آگے آگے تھا۔ اور آپ کی تیسری ولادت اس وقت ہوئی جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے اس لیے کہ آپ کے پردہ فرمانے سے نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور نبوت کی جو ذمہ داریاں تھیں وہ امت کے سپرد ہو گئیں، سلسلہ نبوت ختم ہو گیا مگر کارِ نبوت باقی ہے اور یہ کارِ نبوت، امت کو آگے بڑھانا ہے۔

اور سن لیجئے جو خوش قسمت اپنا مال، اپنا وقت اور اپنی جانیں دے کر کارِ نبوت کو آگے بڑھا رہے ہیں وہ ہر مہینے، ہر ہفتے، ہر دن اور ہر گھڑی میں لاد النبی منار ہے ہیں لیکن جنہوں نے مقصدِ نبوت

اور کارِ نبوت کو فراموش کر دیا ہے وہ لاکھ جھنڈیاں لہرائیں سچی بات یہ ہے کہ ان بیچاروں کو میلادِ لہنی منانے کا طریقہ ہی نہیں آیا
آخری بات کہہ کر میں اپنا بیان ختم کر رہا ہوں۔

میرے جشن منانے والے دوستو! ہمیں آپ سے کوئی ضد نہیں
کوئی عداوت نہیں، کوئی نفرت نہیں۔ بس یہ سوچ لو کہ بارہ
ربیع الاول کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی یا نہیں اس
بارے میں تو علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس
بارے میں اکثر کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت
بارہ ربیع الاول ہی کو ہوئی تھی اس لیے ہمارے عوامی محاورے
میں بارہ وفات کا جملہ بڑا مشہور ہے۔ اگر بالفرض ولادت کی
وجہ سے بارہ ربیع الاول جشن منانے کا دن ہے تو کیا وفات کی
وجہ سے یہ سوگ منانے کا دن نہیں ہے؟

سیرت کی ساری کتاہیں اٹھا کر دیکھ لیں کہ بارہ ربیع الاول
کو مدینے والوں کا کیا حال تھا؟ کیا جلوس نکل رہے تھے؟ کیا بتیا
جلانی جا رہی تھیں؟ کیا جھنڈیاں لگائی جا رہی تھیں؟ کیا
مٹھائیاں بٹ رہی تھیں؟

ارے نہیں یہ سب کچھ نہیں ہو رہا تھا بلکہ ہر طرف غم کے بادل
تھے، آنکھوں میں آنسو تھے؟ چہرے اترے ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن
حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے
تھے اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن نظر آتی تھی اور جس دن

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا مدینہ کی ہر چیز تاریک دکھائی دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ اس دن عید منانی چاہئے یا سوگ منانا چاہئے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ نہ عید نہ سوگ۔ عید تو اس لیے نہیں کہ اسلام میں عیدیں صرف دو ہیں ایک عید الفطر اور دوسری عید الاضحیٰ، تیسری کوئی عید ہمارے دین میں نہیں ہے اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی دو عیدوں کے سوا تیسری عید بھی نہیں منائی اور سوگ بھی ہم نہیں مناتے کیونکہ سوگ منانے کا بھی کوئی ثبوت ہمیں حدیث سے نہیں ملتا۔ صرف پہلی بار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم ضرور روئے ہیں لیکن انہوں نے اسے اپنا معمول نہیں بنایا کہ ہر سال یوم وفات مناتے ہوں۔ یہ طریقے تو غیر مسلموں کے ہیں کہ وہ یوم ولادت بھی مناتے ہیں اور یوم وفات بھی مناتے ہیں۔ اسلام نے نہ تو یوم ولادت منانے کی تلقین کی ہے اور نہ ہی یوم وفات منانے کا سبق دیا ہے۔

تو آئیے ہم آج سے عزم کریں کہ ہم انشاء اللہ زندگی کے ہر شعبے میں سیرت النبیؐ کو اپنائیں گے اور یوں ہم گویا ہر دن اور ہر جگہ میلاد النبیؐ کی یاد تازہ کریں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

(۱) زاہد سنن بحوالہ دول الاسلام ص ۱۰۳ ج ۲

(۲) سان المیزان ص ۲۹۶

(۳) صحیح مسلم ص ۲۱۵ ج ۱

(۴) نسائی ص ۱۷۹ ج ۱

(۵) مشکوٰۃ ص ۳۱ ج ۱

بے مثال انسان

رُوْحِي الْفِدَاءِ لِمَنْ أَخْلَقَهُ شَهِدَتْ
 بَأَنَّهُ خَيْرٌ مَوْلُودٍ مِّنَ الْبَشَرِ
 عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا
 عَمَّ الْبَرِّيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ
 لَوْلَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ
 كَانَتْ بِدَلِيلِهِ تُنْبِئُكَ بِالْخَيْرِ

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

” میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلو ہیں اور ہر پہلو بے مثال ہے اسی لیے آپ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے انسان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، کہ میں آپ کو کونسے پہلو کے اعتبار سے بے مثال کہوں۔

آپ کے بچپن کو بے مثال کہوں؟ آپ کو شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو تاجر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو سپہ سالارِ اعظم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو مزاج شناس معلم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو نفیاتِ انسانی پر نظر رکھنے والے خطیب کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ آپ کو سیرت و کردار کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ یا آپ کو حُسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟ بالکل وہی معاملہ ہے جو شاعر کو درپیش تھا

” کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است “

بے مثال انسان

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ
أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفْنَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَوَلَّيْنَا لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ
وَلَيَبْدَأَنَّ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أُمَّتًا
يَعْبُدُونََنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا
وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کیے ہیں انہوں نے نیک کام، البتہ پیچھے حاکم کر دیگا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جماد یگا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دیگا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے،

سو وہ ہی لوگ ہیں نافرمان

(النور - ۵۵)

میرے بزرگو اور دوستو! میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے کئی پہلو ہیں، دنیا میں شاید ہی کسی انسان کی زندگی میں اتنا تنوع اور اتنی رنگارنگی ہو جتنی رنگارنگی آمنہ کے لعل کی زندگی میں پائی جاتی ہے اور آپ کی زندگی کا ہر پہلو اتنا پُرکشش اور اتنا خوبصورت ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ پہلو بے مثال ہے اور انسان فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون سے پہلو کے اعتبار سے آپ کو بے مثال کہوں۔

آپ کے بچپن کو بے مثال کہوں؟

آپ کی جوانی کو بے مثال کہوں؟

آپ کو شوہر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو تاجر ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو سادگی پسند فرمانروا ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو سپہ سالارِ اعظم اور رجمدل فاتح ہونے کے اعتبار سے بے مثال

کہوں؟

آپ کو صاحبِ دردِ مسلح ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو مزاج شناسِ معلم ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو شبِ زندہ دارِ عابد و زاہد ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو نفسیاتِ انسانی پر نظر رکھنے والے خطیب کے اعتبار سے بے مثال

کہوں؟

آپ کو بیواؤں، یتیموں اور سارے کمزور انسانوں کا غمخوار ہونے

کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

آپ کو ایک مخلص دوست اور خوش مزاج شوہر ہونے کے اعتبار

سے بے مثال کہوں؟

آپ کو سیرت و کردار کے اعتبار سے بے مثال کہوں؟

یا آپ کو حسنِ جمال کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے اعتبار سے بے مثال

کہوں؟

بالکل وہی معاملہ ہے جو شاعر کو درپیش تھا۔

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجا است

آپ نے کئی بچوں کو دیکھا ہو گا کہ ان کا بچپن مثالی تو کیا بہت بُرا ہوتا ہے لیکن ان کی جوانی قابلِ رشک ہوتی ہے، بعض نوجوان، جوانی میں صراطِ مستقیم سے سب سے رہتے ہیں لیکن بڑھاپے میں لائن پر آجاتے ہیں، کئی لوگ شوہر ہونے کے اعتبار سے بہت اچھے ہوتے ہیں لیکن بچوں کا باپ ہونے کے اعتبار سے مثالی نہیں ہوتے، ایک شخص تبلیغ و دعوت میں کامیاب ہوتا ہے مگر تجارت کے میدان میں ناکام رہتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ہیں جو زہد و عبادت میں بہت آگے ہوتے ہیں لیکن میدانِ جہاد کی پھسلی صف میں بھی وہ دکھائی نہیں دیتے۔ بہت سے خطباء میدانِ خطابت کے شہسوار ہوتے ہیں لیکن تعلیم و تربیت میں صفر ہوتے ہیں۔ ایسے مدرسین کی کمی نہیں جو درس گاہ میں فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیرتے ہیں لیکن عوامی اسٹیج پر ان کی ٹانگیں تھر تھر کانپنے لگتی ہیں اور زبان غوطے کھانے لگتی ہیں۔

اعترافِ عجز | لیکن کائنات کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ آپ جس رُخ سے بھی کریں گے اسے بے مثال پائیں گے۔ جی چاہتا ہے کہ آقا کی زندگی کے سارے پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کروں لیکن میرے اندر اتنی صلاحیت کہاں؟ میں تو عجز در عجز، جہل در جہل اور نقص در نقص کا مجموعہ ہوں، جو واقعی علم، کمال اور فصاحت و بلاغت رکھتے تھے وہ بھی جب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف کرتے کرتے تھک گئے تو انہوں نے بھی یہ کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا۔

لَا يُمْكِنُ الشَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقًّا

بعد از خدا بزرگ توفی قصہ مختصر
جیسا حق ہے ویسی تعریف تو حضور کی ہو نہیں سکتی بس مختصر
سی بات یہ ہے کہ پہلے خدا ہے پھر مصطفیٰ ہے، مخلوق میں سے
سب سے اعلیٰ ہیں اور خالق کے بعد ہیں، آپ کو عام انسانوں جیسا سمجھنا
بے ادبی اور گستاخی ہے اور آپ کو خالق کے ساتھ جا ملانا یہ شرک
ہے۔ عربی کا ایک شاعر کہتا ہے

ولو أنني أوتيت كل بلاغة وأفئيتُ بحر النطق في النظم والنثر
لما كنت بعد الكل الأمقصرًا ومعتزفًا بالعجز عن واجب الشكر
شاعر کہتا ہے کہ اگر مجھے بلاغت کا کمال عطا کر دیا جائے اور میں اپنی نطق
و گویائی اور فصاحت و بلاغت کا سمندر بھی صرف کر دوں تو بھی میں شکر
ادا نہیں کر سکتا اور بالآخر مجھے اپنے عجز ہی کا اعتراف کرنا پڑے گا۔
یہی حال میرے آقا کے اوصاف و کمالات کا ہے کہ اگر فصاحت
و بلاغت کے دریا بہا دیئے اور لکھ لکھ کر اوراق کے اوراق سیاہ کر دیئے
جائیں تو بھی آپ کے تعارف اور تعریف کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اور میاں سچی بات تو یہ ہے کہ ہم جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف
کرتے ہیں تو اس تعریف کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور مرتبہ
میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ہماری زبان، ہمارے قلم،
ہماری تقریر اور ہماری تحریر کا مرتبہ اونچا ہو جاتا ہے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ خوب فرما گئے ہیں

مَا أَنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا ابِمَقَالَتِي

لَكِن مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

فرماتے ہیں کہ میں اپنے کلام کے ذریعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کرتا بلکہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنے کلام کا مرتبہ بلند کرتا ہوں۔

ارے بھائی! بڑی بات ہے اگر ہمارے جیسے ناقصوں، جاہلوں اور خطاکاروں کا نام کائنات کے آقا کے سناخوالوں میں آجائے ورنہ جہاں تعریف کرنے والے شیخ سعدی جیسے ہوں۔

جہاں تعریف کرنے والے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے ہوں
 جہاں تعریف کرنے والے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور
 حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے ہو،

جہاں تعریف کرنے والے جبریل امین اور ملائکہ مقربین ہوں،
 اور جہاں تعریف کرنے والا خود رب العالمین ہو، وہاں ہمارے
 جیسے بد عملوں اور کج بیانیوں کی تعریف و توصیف کیا اہمیت رکھتی ہے
 ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا شبیر احمد
 عثمانی نور اللہ مرقدہ بڑے معتبر اور متبحر عالم گزرے
 ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کا ملکہ بھی عطا کیا
 تھا، وہ بولتے تھے تو مجمع پر سحر طاری کر دیتے تھے۔ اور یہ تو آپ جانتے
 ہیں کہ ہمارے بزرگ و ڈیروں، بادشاہوں، وزیروں اور سرداروں،
 سے مرعوب نہیں ہوا کرتے تھے۔

ایک دفعہ نواب آف حیدرآباد دکن میر علی عثمان بیٹھے ہوئے تھے
 حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے موضوع
 پر تقریر فرما رہے تھے، دوران تقریر مولانا نے بڑے جوش کے ساتھ

فرمایا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اتنا بڑا ہے کہ اگر آپ کے جوتے کا تسمہ نظامِ حیدر آباد دکن کے تاج میں لگ جائے تو تاج کا مرتبہ بڑھ جائے، نظامِ دکن معین عثمان علی پر حال طاری ہو گیا اور وہ چیخ مار کر کہنے لگے مولانا آپ نے بالکل سچ کہا ہے، واقعی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا تسمہ میرے آقا کے تاج میں لگ جائے تو میں بادشاہ ہو جاؤں۔

ہر پہلو سے بے مثال | بات دوڑ نکلتی جا رہی ہے اصل بات جو کر رہا تھا وہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو بے مثال تھا اور یہی بات سمجھانے کے لیے میں آپ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

معصوم بچپن | آئیے ہم بچپن سے بات شروع کرتے ہیں۔ بچپن کھیل کود کا زمانہ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بہت سے لوگوں کے بچپن اور بچپن میں کوئی فرق نہیں ہوتا، کھیل کود سے وہی دل چسپی، کھانے پینے کے وہی چسکے، گپ شپ کے وہی مشغلے، چھپر چھپاڑ اور تو تکار کی وہی عادتیں جو بچپن کا خاصہ تھیں بڑے میاں سے بچپن میں نہیں چھوڑتیں۔

پھر جب ایک تو بچپنا ہو اور دوسری طرف کوئی پوچھنے والا بھی نہ ہو تو بچے بگڑ جایا کرتے ہیں لیکن میرے آقا کا بچپن ایسا معصوم اور بے داغ ہے کہ حلیمہ سعدیہ حیران ہے، عبدالمطلح حیران

ہے، ابوطالب حیران ہے یہ کیسا بچہ ہے نہ چلبلا ہٹ ہے، نہ
 شرارت ہے، نہ لڑائی تھگڑا ہے، نہ کہیں سے اس کی شکایت آتی
 ہے۔ حالانکہ والد کا انتقال آپ کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے
 ہو چکا، اور چھ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، آٹھ
 سال کے ہوئے تو شفیع دادا بھی چل بسے

اللہ اکبر! وہ جو ساری دنیا کے لیے سہارا بن کر آیا تھا خود اسے ایک
 ایک سہارے سے محروم کیا جا رہا تھا۔

وہ جو یتیموں اور ضعیفوں کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے آیا تھا خود
 اس کا یہ حال تھا کہ اس کے سر پر ہاتھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ
 کہہ سکتے ہیں کہ جناب ابوطالب آپ کی سرپرستی اور کفالت کر
 رہے تھے لیکن آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں، تاریخ کہتی ہے کہ ابوطالب
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت نہیں کر رہا تھا بلکہ خود حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم ابوطالب کی کفالت کر رہے تھے۔ یتیم بھتیجہ اونٹ اور گریاں
 چراتا تھا اور مہینہ بھر کی محنت مشقت سے جو چند سکہ ملتے تھے انہی کو
 پرچھا اور بھتیجہ گزارہ کرتے تھے۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے میرے آقا
 کا بچپن مثالی تھا۔

پاکیزہ جوانی | بچپن سے آگے بڑھیں میرے آقا کی جوانی
 دیکھیں، لوگ کہتے ہیں جوانی دیوانی ہوتی
 ہے اور جوانی بھی جب اُس ماحول میں آئے جس ماحول میں شراب
 نوشی عام ہو، زنا کاری معیوب نہ ہو، ہر طرف جنگ و جدال کا چرچا
 ہو، ڈکیتوں پر فخر کیا جاتا ہو تو ایسی جوانی کے جذبات کا حال جو

ہو سکتا ہے وہ ہر کوئی سمجھ سکتا ہے لیکن اس پر اگندہ ماحول میں بھی
 رب کریم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی تربیت اور نگرانی
 فرمائی کہ آپ ہمیشہ جاہلیت کی بُری عادتوں سے دور رہے، آپ
 رشتوں کا خیال کرتے تھے، ضرورت مندوں کی ضروریات پوری فرماتے
 تھے، بہانوں کا اکرام فرماتے تھے، نیکی کے کاموں میں دوسروں کی
 مدد کرنے تھے، آپ کے اعلیٰ اخلاق ہی کو دیکھ کر آپ کی قوم نے
 آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ جب حجر اسود کے نصب کرنے
 کے معاملے میں اختلاف ہوا اور قریب تھا کہ یہ اختلاف خوفناک جنگ
 کی صورت اختیار کر جاتا تو وہ پاکیزہ نوجوان آپ ہی تھے جن کے
 حسن تدبیر سے خونریزی کا خطرہ ٹل گیا۔

اور یہ بھی میرے آقا کی پاکیزہ جوانی اور اچھی شہرت کا نتیجہ تھا
 مکہ کی سب سے بڑی مالدار خاتون حضرت "خدیجہ الکبریٰ" رضی اللہ عنہا
 نے آپ کو خود رشتے کی پیشکش کی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ قریش
 کے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست رد کر چکی تھیں۔

بیویوں کا شوہر ہونے کے اعتبار سے حضور
با وفا شوہر | اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں
 تو بھی آپ بے مثال دکھائی دیتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویاں تھیں
 جن میں سے دو آپ کی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں اور نو آخر تک
 زندہ رہیں۔

آپ کی ازواجِ مطہرات مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتی تھیں اس لیے

ظاہر ہے ان کے مزاج اور طبیعتیں بھی مختلف تھیں۔ ان میں سے کوئی الدار گھرانے کی تھی، کوئی غریب خاندان کی تھی، کوئی مکہ کی تھی اور کوئی رینہ اور مدینہ سے باہر کی تھی، کوئی رشتہ دار تھی، کوئی غیر رشتہ دار تھی، وہی نوجوان تھی، کوئی بڑھاپے کی عمر تک پہنچ چکی تھی، کوئی عربوں کی بیٹی تھی، کوئی یہودیوں کی بیٹی تھی لیکن کیا یہ میرے آقا کا کمال نہیں کہ آپ نے زندگی بھر ان سب کو جوڑے رکھا، چھوٹی موٹی شکایتیں تو ہوتی ہی ہیں لیکن کوئی ایسا بڑا معاملہ پیش نہیں آیا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی یہ ظاہر کرتی کہ میں ان حالات میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ بعض اوقات مال و دولت بہت سی کمزوریوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور سونے چاندی کی چمک دمک اور خوش حالی دیکھ کر بہت ساری زبانیں بند ہو جاتی ہیں لیکن میرے آقا کے گھر میں نہ دولت کے انبار تھے، نہ سونے چاندی کی تھیلیاں تھیں وہاں تو فقر و فاقہ نے مستقل ڈیرہ جا رکھا تھا اس فقر و فاقہ کے باوجود ازواجِ مطہرات نے زندگی بنا ہی ہے تو کیا یہ میرے آقا کا کمال نہیں؟

تیسری بات یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ میرے آقا کی ذمہ داریاں بہت باری تھیں۔ آپ صرف بیویوں کے شوہر ہی نہ تھے بلکہ معلم اور مرتبی بھی تھے باہد اور کمانڈر بھی تھے، امام اور خطیب بھی تھے، راتوں کو جاگنے والے بید بھی تھے، یتیموں اور بیواؤں کے سرپرست بھی تھے، اسلامی مملکت کے فرمانروا اور حکمران بھی تھے، قاضی اور جج بھی تھے، اور ان سارے کاموں میں آپ کو کچھ نہ کچھ وقت دینا ہی پڑتا تھا اب آپ خود ہی فیصلہ

کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیویوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے کیسے وقت نکالتے ہوں گے؟ مگر ظاہر ہے کہ آپ وقت بھی نکالتے تھے اور ان کے حقوق بھی ادا کرتے تھے۔

سوچیے اور بار بار سوچیے کہ یہ سارے پہلو آپ کو ایک بے مثال شوہر ثابت نہیں کرتے؟

اور یہ گواہی باہر کی نہیں گھر کی ہے، کسی اور کی نہیں خود زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے، وہ فرماتی ہیں ”میرے سر تاج تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم اور سب سے زیادہ کریم تھے اور سنتے مسکرتے رہتے تھے“

نیم میں سے اگر کوئی تدریس کرتا ہے یا ملازمت اور مزدوری کرتا ہے تو وہ گھر کے کام کاج کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ اور سہارے لیڈرانِ کرام تو یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ بھی گھر کا کوئی کام کریں گے، اس کے لیے ماسیاں ہیں، نوکر ہیں، ملازم ہیں اور کچھ نہیں تو بیویاں ہیں مگر وہ جو لیڈروں کا لیڈر اور سرداروں کا سردار تھا، وہ جو ابو بکر و عمر کا استاد اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم کا مرشد تھا اس کا حال خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں کہ ”آپ اپنے کپڑوں کو بھی صاف فرماتے تھے، بکری کا دودھ بھی خود دودھ لیتے تھے، کپڑوں میں پیوند بھی لگا لیتے تھے، جو تاگ انٹھ لیتے تھے اور اس طرح کے دوسرے کام کر لیتے تھے“

جائیے اور دنیا بھر کے استادوں، پیروں، لیڈروں، سرداروں، وزیروں، بادشاہوں، خلیفوں اور اماموں کے حالات پڑھ جائیے اور

دیکھتے ہے کوئی ایسا جو والی مدینہ کی طرح گھر کے کام کاج میں ہاتھ
 بیٹاتا ہو، حالانکہ اس کی نو بیویاں ہوں اور ہر بیوی خدمت کو سعادت
 سمجھتی ہو۔ پھر یہ بھی ہو کہ ازواج کے حقوق کی ادائیگی کی وجہ سے اس کی
 زندگی کا کوئی دوسرا شعبہ متاثر نہ ہوا ہو نہ دعوت متاثر ہوئی، نہ تعلیم
 و تربیت متاثر ہوئی، نہ جہاد اور محاذ جنگ متاثر ہوا، نہ فلاحی خدمات
 کا دائرہ متاثر ہوا، نہ عدالتی نظام متاثر ہوا۔ خدا کی قسم! میں سچ
 کہتا ہوں، نہیں ہے کوئی میرے آقا جیسا۔ جو کوئی کہتا ہے کہ ہے
 وہ جھوٹ بولتا ہے۔

ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہم ایک شادی کر کے نکلتے ہو جاتے ہیں
 وہ پیغمبر کتنا عظیم تھا جس نے نو بیویوں کے حقوق ادا کیے اور اپنی دوسری
 دینی، دنیاوی، سیاسی فوجی، عدالتی، تعلیمی، دعوتی اور فلاحی ذمہ
 داریوں کو بھی پوری طرح ادا کیا۔

جب سب سو رہے ہوتے تھے وہ جاگ رہا ہوتا تھا، جب سب
 تھک جاتے تھے وہ مستعد ہوتا تھا، جب سب بھاگ جاتے تھے وہ
 ثابت قدم رہتا تھا، جب سب پر پالوسی طاری ہوتی تھی وہ پُر امید
 ہوتا تھا، جب سب سیر ہوتے تھے وہ بھوکا ہوتا تھا، جب سب
 ہنس رہے ہوتے تھے وہ رو رہا ہوتا تھا۔ — واقعی میرے دوستو!
 حضرت خدیجہ، حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کا
 شوہر بے مثال تھا۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس کی ازدواجی زندگی
 سے دوسرا کوئی شعبہ متاثر نہیں ہوا۔ نہ جہاد متاثر ہوا نہ تبلیغ
 و دعوت متاثر ہوئی۔

صاحبِ دردِ مبلغ

آپ جانتے ہیں کہ اصل میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ اور داعی بن کر آئے تھے، تبلیغ و دعوت آپ کا فرض منصبی تھا اور آپ نے اس فرض منصبی کی ادائیگی میں اپنے جسم و جان کو لگا دیا، نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ مخالفت سے ڈرے نہ حرب و ضرب کی وجہ سے پیچھے ہٹے جن کے لیے آپ کو مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا وہ گالیاں دیتے، آپ قرآن سناتے، وہ پیچھے سٹہتے آپ قریب ہو جاتے، وہ کاہن اور ساحر کہتے آپ یقوہ کہہ کر خطاب فرماتے، وہ سرد مہری سے کام لیتے آپ جوش کا مظاہرہ فرماتے وہ مجمع میں بات نہ سنانا چاہتے تو آپ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے، آبادی والے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تو آپ آبادی سے باہر تشریف لے جاتے اور راستے میں آنے جانے والوں کو قرآن سناتے، مکہ والوں نے استکبار کیا تو آپ طائف تشریف لے گئے کہ یہ نہیں سنتے شاید وہ سُن لیں، یہ نہیں مانتے شاید وہ مان لیں لیکن طائف والوں نے جو سلوک کیا اس نے اہل مکہ کے مظالم کو مات دے دی۔

تبلیغ و دعوت کے لیے آپ صرف طائف ہی تشریف نہیں لے گئے بلکہ عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میدا ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں، عکاظ کا بازار، طائف کی گلیاں اور مکہ کا ذرہ ذرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا گواہ ہے۔ بس آرزو اور چاہت یہ تھی کہ کاش یہ لوگ ایمان لے آئیں۔ سورہ یوسف میں ہے:

وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ○
 بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے
 اگرچہ تجھ کو ان سے ایمان لے آنے کی
 بڑی چاہت ہے۔

چاہت کی انتہا یہ ہے کہ طائف میں جب کہ آپ زخموں سے چوڑھے، کپڑے معصوم خون سے لال ہو گئے تھے، جوتیاں خون کے گوند سے تلوؤں کے ساتھ چپک گئی تھیں اور کمزوری کی وجہ سے چلا بھی نہیں جاتا تھا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو خدمت کے لیے ساتھ تھے وہ کسی طرح شہر سے باہر آپ کو لے آئے، ایک باغ کے مالک کی نظر پڑی اسے ترس آیا اور اس نے انگور کے چند خوشے اپنے عیسائی غلام کے ذریعے خدمتِ اقدس میں بھیجے تو اس حالت میں بھی اسلام کی دعوت دینے سے باز نہ آئے اور اس دعوت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اس عیسائی غلام کا سینہ قبولِ اسلام کے لیے کھول دیا۔

دعوت کے درد اور جوشِ تبلیغ کی انتہا دیکھنی ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام کا مطالعہ کیجئے۔ آپ کی بیماری نازک صورت اختیار کر چکی ہے، بار بار غشی طاری ہو رہی ہے، بخار اتنا شدید ہے کہ سر پر رکھا ہوا کپڑا تک گرم ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود آپ کبھی منبر پر تشریف لیجاتے ہیں اور وعظ و تبلیغ فرماتے ہیں اور کبھی بستر پر لیٹے لیٹے ہی اہم باتوں کی تلقین فرما رہے ہیں۔

میرے دوستو! سچا داعی وہ نہیں ہوتا جو تقریر بہت اچھی کرتا ہو، سچا داعی وہ ہوتا ہے جسے اپنی دعوت کی سچائی کا کامل یقین ہوتا ہے اور جو اپنی دعوت کے مخاطبین کے لیے ایسے تڑپتا ہے جیسے کوئی اپنی اولاد کے لیے تڑپتا ہے۔ آپ اس معیار کو سامنے رکھ کر میرے آقا کی زندگی کا جائزہ لیجئے۔

آپ کو اپنی دعوت کی صداقت پر اتنا یقین تھا کہ جب سب ٹھکرا رہے

یہاں تک کہ ہمدرد چچا ابوطالب بھی ساتھ دینے میں متذہب ہو گیا تو آپ نے فرمایا تھا: «چچا! اللہ کی قسم اگر وہ مسیخہ دامنے ہاتھ میں سورج اور بانی ہاتھ میں چاند رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں (تو بھی میں نہیں چھوڑ سکتا اب تو دوسری سورتیں ہیں) یا تو اللہ تعالیٰ اس کو غالب کرے یا میں اس راستہ میں ہلاک ہو جاؤں، اور امت کے لیے آپ کے درد کو دیکھنا ہو تو آپ کے ان آنسوؤں کو شمار کیجئے جو مکہ المکرمہ اور مدینہ منورہ کی سرزمین میں رات کی تاریکی میں جذب ہوئے اور یہ کس کی طاقت ہے کہ ان آنسوؤں کو شمار کر سکے؟

عابد و زاہد امیر آقا صرف تبلیغ و دعوت میں بے مثال نہ تھے بلکہ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا باب بھی آپ پر ختم ہو جاتا ہے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ ذکر و عبادت کا لمحہ تھا۔

کیا کتاب و حکمت کی تعلیم عبادت نہ تھی؟

کیا بے کسوں، ضعیفوں اور لاچاروں کی چارہ گری عبادت نہ تھی؟
کیا نظام عدل کا قیام اور شکرانِ اسلام کا اہتمام عبادت نہ تھی؟
یقیناً یہ بھی عبادت تھی اور آج بھی یہ عبادت ہے لیکن اس عبادت کی وجہ سے آپ نے اصطلاحی عبادت سے کبھی استغناء نہیں فرمایا، حالانکہ آپ کے اگلے پھلے سب گناہ معاف فرمادیئے گئے تھے پھر بھی آپ صوم و قیام میں سب سے پیش پیش رہتے تھے۔

نماز کو آپ نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ آپ کو نماز کے بغیر تمنا نہیں ہوتی تھی۔ بالخصوص اگر کوئی

پریشانی کا معاملہ پیش آجاتا تو آپ بے ساختہ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے یہ کبھی تیز ہوا چلتی یا سورج گرہن ہوتا یا چاند گرہن ہوتا تو آپ مسجد کا رخ فرماتے اور نماز ادا فرماتے۔ اور نماز بھی ہمارے جیسی نہیں کہ نہ قیام کی خبر، نہ رکوع کی خبر، نہ خشوع خضوع کا اتہ پتہ بلکہ ایسی نماز ہوتی تھی کہ بعض اوقات طویل قیام کی وجہ سے قدم مبارک سوچ گئے دیکھنے والوں نے عرض کیا کہ آپ کے تو اگلے کچھلے گتہ اہ معاف ہو چکے ہیں پھر آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ

”کیا میں اللہ کا شکریہ گزار بندہ نہ بنوں؟“

جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے اور خشوع خضوع کی عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ بعض اوقات رونے کی وجہ سے سینہ مبارک سے ایسی آواز نکلتی جیسے دیگچی اُبلنے سے آواز نکلتی ہے نماز کے علاوہ آپ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے، جہاں تک ذکر و استغفار کا تعلق ہے تو اس سے آپ کی مبارک زبان ہر وقت معطر رہتی تھی۔ ایک اہم بات یاد رکھیں وہ یہ کہ اللہ کے ہاں اصل اعتبار کمیت کا نہیں ہے بلکہ کیفیت کا ہے۔ آسان زبان میں یوں کہہ لیں کہ صرف مقدار اور تعداد کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ کوالٹی کو دیکھا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی دوسرے شخص نے میرے آقا سے زیادہ نمازیں پڑھی ہوں، زیادہ روزے رکھے ہوں زیادہ حج کیے ہوں لیکن میرے آقا کی ایک نماز، ایک روزہ اور ایک حج دوسروں کی ہزاروں نمازوں، ہزاروں روزوں اور ہزاروں حجوں سے افضل ہے، اس لیے کہ عبادت کی جو کوالٹی اور معیار میرے آقا کا تھا وہ کسی دوسرے کا ہو ہی نہیں سکتا۔

سادگی پسند فرماؤ | میرے دوستو! بہت سے لوگ آپ نے دیکھے ہوں گے کہ غربت کے زمانے میں اللہ کو بہت یاد کرتے تھے اور بڑی سادہ زندگی بسر کرتے تھے لیکن جونہی دولت آئی وہ خدا کو بھی بھول گئے اور خدا کے بندوں کو بھی بھول گئے، ان کا رہن سہن، عادات اور اخلاق بدل جاتے ہیں، لباس تو کیا گفتگو کے انداز بدل جاتے ہیں کئی لوگ تو نام بھی بدل لیتے ہیں۔ کل غریب تھا تو نام اللہ دتہ تھا آج امیر ہو گیا تو نام اے۔ ڈی خان ہو گیا، کل کنگلا تھا تو نام نتھو خان تھا آج پیسہ آیا تو نام این۔ کے ہو گیا، کل لیبر کوارٹر کے فلیٹوں میں تھا آج ڈیفنس میں بنگلہ بنوا رہا ہے، کل بسوں میں دھکے کھاتا تھا آج ٹیوٹا کرولا میں سپاٹے کر رہا ہے، کل پھکی اور اجوائن سے علاج کرتا تھا، آج آغاخان میں ایکے کر رہا ہے، کل لالو کھیت سے خریداری کرتا تھا آج شاپنگ کے لیے وہ بیوی بچوں سمیت دسبئی جاتا ہے، کل کے ایم سی کا پانی پیتا تھا آج وہ منزل واٹر پیتا ہے بلکہ معیار اور اونچا ہو جائے تو اسے پاکستان کا پانی اچھا ہی نہیں لگتا، اس کے لیے پانی بھی فرانس اور سوئٹزر لینڈ سے آتا ہے۔

کتنے ہی حکمران ہیں جو اقتدار ملنے سے پہلے عوام کے دکھ درد میں خون کے آنسو رویا کرتے تھے اور ان کے سامنے پیوند زدہ کپڑے پہن کر آتا کرتے تھے لیکن اقتدار ملنے کے بعد ان کے انداز و اطوار بدل جاتے ہیں لیکن میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کو بھی دیکھ لیجئے اور اقتدار ملنے کے بعد کی زندگی کو بھی دیکھ لیجئے آپ کو دونوں زندگیوں میں ذرہ برابر فرق نظر نہیں آئے گا، جو سادگی

مکہ میں تھی وہ مدینہ میں بھی برقرار رہی اور سادگی بھی کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ ہر اعتبار سے سادگی، لباس میں سادگی، طعام میں سادگی، گھر میں سادگی، بازار میں سادگی، معاملات میں سادگی، گفتگو میں سادگی، نشست و برخاست میں سادگی۔

آپ اپنے دور کے ان حکمرانوں کے بارے میں ضرور جانتے ہوں گے جو عوام کو سادگی کی تلقین کرتے ہیں لیکن ان کا اپنا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کی بات تو چھوڑیے ان کی بیگیاں جو کہ چشم بد دور خاتون اول کہلاتی ہیں ان کے پاس کپڑوں اور جوتوں کے بیسیوں بلکہ سینکڑوں جوڑے ہوتے ہیں اور خود ان کے شوہر بھی ملبوسات کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ لیکن کائنات کے سردار اور دس لاکھ مربع میل کے فرمانروا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لیجا رہے تھے تو آپ کے جسم اطہر پر ایک پیوند زدہ چادر اور ایک گاڑھے کاگرتہ تھا۔ عام طور پر آپ اسی کو دھو دھو کر اور پیوند پہ پیوند لگا لگا کر پہنے رہا کرتے تھے

میکر دوستو! ہم میں سے غریبوں کے دسترخوان پر بھی دو دو قسم کے سالن ہوتے ہیں اور ایک وقت کا سالن دوسرے وقت سامنے آجائے تو ہمارا موڈ خراب ہو جاتا ہے، سرمایہ داروں اور حکومتی عہدہ داروں کے تو کہنے ہی کیا ہیں۔ دعوتوں کے موقع پر ان کے ٹیبل پر جتنے سالن ہوتے ہیں ہم تو ان کے نام بھی یاد نہیں رکھ سکتے، ہمیں تو اخباروں کے ذریعے پتہ چلتا ہے کہ جناب ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک وقت میں پچاس پچاس سالن بھی ہوتے ہیں لیکن والی مدینہ کا حال یہ تھا کہ اکثر تو

کھجوروں اور پانی پر ہی گزارہ ہوتا تھا، دو دو ماہ تک چولھے میں آگ نہیں جلتی تھی، چپاتی عمر بھر نصیب نہیں ہوتی، جو کچھ سامنے آجاتا بے تکلف تناول فرمالتے، کدو آپ کو بہت مرغوب تھا، گھر میں اگر سرکہ بھی ہوتا تو آپ خوش ہو جاتے کہ سالن موجود ہے۔

میرے دوستو! آپ نے بہت سارے گھروں میں بستروں کے ڈھیر دیکھے ہوں گے جو سارا سال پیٹیوں میں بند رہتے ہیں اور ان کے استعمال کی نوبت ہی نہیں آتی، آج کل ایسے ایسے بیڈ استعمال کیے جا رہے ہیں جن کی قیمت لاکھ روپے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن شاہِ عربِ عجم کی خدمت میں جب آپ کے غلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جسم مبارک پر ایک تہہ بند ہے، کھجور کی چھال سے بھرا ہوا ایک تکیہ بہانے رکھا ہوا ہے، ایک کھری چارپائی ہے جس کے نشان جسم مبارک پر پڑ گئے ہیں، ایک کونے میں مٹھی بھر جوڑے ہیں، چمڑے کا مشکیزہ کھونٹی پر لٹکا ہوا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ آپ نے مسکرا کر پوچھا ”عمر! کیا بات ہے روتے کیوں ہو؟“

عرض کیا :

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قبصروکے تعیش اڑائیں اور

اللہ کے پیغمبر کی یہ حالت ہو؟

آپ نے ارشاد فرمایا: ”اے ابن خطاب کیا تم اس بات کو

پسند نہیں کرتے ہو کہ وہ دنیا بنالیں اور ہم آخرت بنالیں؟“

پھر فرمایا: گھر میں صرف تین بستر کافی ہیں دو میاں بیوی کے لیے

اور تیسرا کسی مہان کے لیے، اگر ان کے علاوہ چوتھا بتر موجود ہو تو اس پر شیطان قبضہ جمالیتا ہے۔

میں اپنے آقا کی سادگی کے کس کس پہلو کا تذکرہ کروں آپ کی تو ساری زندگی ہی سادگی کا اعلیٰ نمونہ تھی اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ والی مدینہ بے مثال تھا، آپ نے کوئی ایسا بادشاہ دیکھا یا سنا ہے جو خود ہی گھر میں جھاڑو دے لیا کرتا ہو؟

جو پھٹے ہوئے کپڑے اور ٹوٹے ہوئے جوتے خود ہی لیا کرتا ہو جو غریبوں، یتیموں، معذوروں اور کوڑھیوں کے ساتھ بیٹھ کر کھا لیا کرتا ہو جسے راہ چلتے ہوئے غلام اور لونڈیاں روک لیا کرتے ہوں اور اپنا کام کرائے بغیر نہ چھوڑتے ہوں؟

جس کے کپڑوں میں کئی کئی پیوند لگے ہوں؟ جو مفلسوں پر لاکھوں خرچ کرتا ہو اور خود اس کے گھر میں دو دو ماہ چولہا نہ جلتا ہو؟

جو سب تختین میں غلام اور لونڈیاں تقسیم کرے لیکن خود اس کی بیٹی کے ہاتھوں پر چپکتی چلا چلا کر نشان پڑ گئے ہوں؟ جو گدھے اور خپر پر بڑی خوشی سے سوار ہو جاتا ہو؟ جو رعایا کے سامنے اپنا جسم پیش کرتا ہو کہ اگر میں نے کسی پر زیادتی کی ہے تو آویہ چھڑی حاضر ہے مجھ سے انتقام لے لو؟

جس نے میراث میں ایک درہم اور ایک دینار بھی نہ چھوڑا ہو؟ آپ خود مطالعہ کیجئے مطالعہ والوں سے معلومات حاصل کیجئے۔ مجھے یقین ہے اور سرفیہ یقین ہے کہ آپ آج نہیں تو کل یہ تسلیم کرنے پر

مجبور ہو جائیں گے کہ تاریخ انسان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا
فرمانروا نہیں گذرا اور ایک فرمانروا ہونے پر ہی کیا موقوف ہے۔ میں پوری
بعصرت، پوری تحقیق، پوری سنجیدگی اور پورے اعتماد سے دعویٰ کرتا
ہوں کہ میرے آقا کی زندگی کا ہر رخ بے مثال تھا۔

آپ کا بچپن بھی بے مثال تھا، آپ کی جوانی بھی بے مثال تھی، آپ
شوہر بھی بے مثال تھے، آپ تاجر بھی بے مثال تھے، آپ مبلغ بھی
بے مثال تھے، آپ کمانڈر بھی بے مثال تھے، آپ فاتح بھی بے مثال تھے،
آپ مرشد بھی بے مثال تھے، آپ عابد و زاہد بھی بے مثال تھے، آپ
غنچوار اور ہمدرد بھی بے مثال تھے۔

اے لوگو! محبت کرنی ہے تو آؤ والی مدینہ سے کرو، عشق کرنا ہے
تو بحرین کے تاجر سے کرو، پیار کرنا ہے تو مکہ کے فاتح سے کرو، تعلق
رکھنا ہے تو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کے شوہر سے
رکھو، اطاعت کرنی ہے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مرشد
کی کرو، غلام بننا ہے تو حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے نانا کے غلام بنو
اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو کائنات کے آقا کا سچا غلام بننے کی توفیق
نسب فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

حوالہ جات

- (۱) خطباتِ احتشام ص ۱۴۴-۱۴۳ ج ۱
- (۲) النبی الخاتم ص ۳۳
- (۳) صحیح بخاری ص ۳ ج ۱
- (۴) نبی رحمت ص ۵۵۸
- (۵) صحیح بخاری
- (۶) ابن ہشام ص ۲۶۶ - ۲۶۵
- (۷) نسائی ص ۹۳
- (۸) ابوداؤد ص ۹
- (۹) صحیح بخاری ص ۷۱۶
- (۱۰) شمائل ترمذی

پہ سالارِ اہم صلی علیہ وسلم

محمد وہ کتاب کون کا طغرائے پیشانی
 محمد وہ حریمِ قدس کا شمعِ شبستانی
 وہ فاتح جس کا پرچمِ اطلس زنگاری گردوں
 وہ امی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی
 وہ شاہِ بوریامند سکھایا جس نے دنیا کو
 یہ اندازِ جہانگیری یہ آئینِ جہانسانی
 وہ کشفِ سرائر جس نے کھولا چن اشاروں میں
 علومِ اولین و آخرین کا گنجِ نہانی

(اقبال سہیل)

” آج سے پندرہ سو برس پہلے جزیرۃ العرب میں حق و انصاف کی خاطر کم و بیش ایک ہزار انسانوں کا خون بہنے پر مگر مجھ کے آنسو بہانے والے درندو! تمہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان مظلوموں کی سسکیاں کیوں نہیں سنائی دیتیں جو تمہارا ہی غلط منصوبوں اور باطل پروگراموں کا شکار ہو کر حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں اگر تم اپنے تعصبات پر قابو پا کر سچ بول سکو تو اللہ کی قسم تم بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گے کہ مظلوم دنیا امریکہ، چین اور روس برطانیہ اور فرانس سب سے مایوس ہو چکی ہے اور یہ دنیا صرف اور صرف سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے جس دن آپ کا کوئی سچا غلام اٹھ کھڑا ہوا انشاء اللہ کشمیر اور فلسطین آزاد ہو جائیگا عراق اور افغانستان کے مظلوم عوام سکون کا سانس لیں گے اور پھر پوری دنیا میں مکہ اور مدینہ کی طرح امن کا دور دورہ ہو جائے گا،

انشاء اللہ تعالیٰ“

پیالارِ اعظم ﷺ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ أَقَابَعِدُ :
 فَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ : سو تو لڑا اللہ کی راہ میں تو ذمہ دار نہیں
 لَا تَكُلْفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِيضِ مَگر اپنی جان کا اور تاکید کر مسلمانوں
 الْمُؤْمِنِينَ : عَسَى اللَّهُ أَنْ کو قریب ہے، کہ اللہ بندہ کو دے لڑائی
 يَكْفِيَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا : کافروں کی اور اللہ بہت سخت ہے
 وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا
 تَنْكِيلًا (النساء) دینے میں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! یہ دنیا جب سے وجود
 میں آئی ہے اس وقت سے آج تک جنگ و جدل کا سلسلہ جاری
 ہے۔ اس دنیا کی پہلی جنگ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام
 کے دو بیٹوں کے درمیان ہو گئی تھی۔ اور وہ جنگ ایک غلط سوچ
 اور باطل مقصد کی خاطر ہوئی تھی، قابیل نے ہابیل کو اس کی کسی
 غلطی کی بنا پر نہیں بلکہ محض حسد کی بنا پر قتل کیا تھا۔ دنیا میں
 جو اکثر جنگیں ہوتی رہی ہیں وہ باطل مقاصد کی خاطر ہوئی ہیں۔
 کوئی جنگ کرتا تھا لوٹ مار اور غارت گری کے لیے۔ عربوں
 کے حالات کا مطالعہ کیجئے ان میں سے کئی کا ذریعہ معاش ہی لوٹ مار

تھا، ایک طاقت ور قبیلہ اٹھتا اور کمزور قبیلے پر حملہ کر کے اس کے مال مویشی ہتھیار لیتا۔

کوئی لڑتا تھا شہرت اور ناموس کے لیے تاکہ اس کی بہادری کا چرچا ہو جائے۔

کوئی جان لڑاتا تھا حصول اقتدار کے لیے — اور محض اقتدار کے حصول کے لیے نہیں بلکہ اس کی توسیع کے لیے، ایک علاقے کے بعد دوسرے علاقے اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر پر قبضہ جاتے جاتے لیکن ان کی ہوس ملک گیری کی تسکین نہیں ہوتی تھی۔

کوئی جنگ کرتا تھا انتقام کے لیے اور پھر سالہا سال تک انتقام درانتقام کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

بربریت | پھر ان جنگوں میں کوئی اصول اور قاعدہ نہیں تھا حملہ آور کو اختیار تھا کہ جو سلوک چاہے اپنے دشمن سے کرے۔

چنانچہ انسان کے ہاتھوں انسان پر ایسی بربریت کا مظاہرہ ہوتا تھا کہ درندے پناہ مانگتے تھے، چھوٹے بچوں، کمزور عورتوں اور ناتوان بوڑھوں کو بھی معاف نہیں کیا جاتا تھا۔

عرب کا ایک بادشاہ تھا عمرو بن ہند، بنو تمیم نے اس کے بھائی کو قتل کر دیا، اس نے منت مانی کہ میں ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا، اس نے حملہ کیا تو بنو تمیم بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ایک بڑھیا بیچاری رہ گئی جس کا نام حمراء تھا، اس ظالم نے اسے گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈلوادیا۔ اسی وقت ایک بھوکا پیاسا مسافر عمار نام کا گذرا وہ دھواں دیکھ کر قریب آ گیا بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ

تم کیوں آئے ہو؟ اس نے جواب دیا ”میں کئی روز سے بھوکا ہوں، سمجھا کہ یہاں کھانا پک رہا ہے بھوک سے بے تاب ہو کر چلا آیا ہوں کہ شاید مجھے بھی دو لقمے مل جائیں“

عمر بن ہند نے اس بے گناہ مسافر کو بھی آگ میں ڈلوادیا۔ یہ مت سمجھئے کہ زمانہ جاہلیت ہی میں ایسے ظالم اور وحشی ہوتے تھے آج کے روشنی اور علم کے دور میں بھی ایسے درندوں کی کمی نہیں۔ یہ روس کا گورباچیف، امریکہ کا کلنٹن، بھارت کا واجپائی اور اسرائیل کا مویشے خوشے یہ سب عمر بن ہند کے پیروکار ہیں

جہاد و قتال | بہر حال یہ وہ حالات تھے جن میں میرے اور آپ کے آت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی بن کر تشریف لائے اور آپ نے سارے انہوں کو ایمان لانے کی دعوت دی اور اس دعوت کا سلسلہ ایک دو سال نہیں بلکہ پورے تیرہ سال تک چلتا رہا۔ جو خوش نصیب تھے انہوں نے ایمان قبول کر لیا اور جو بد نصیب تھے انہوں نے نہ صرف اس نعمت کو ٹھکرا دیا بلکہ اللہ کے نبی اور آپ کے اصحاب پر اللہ کی زمین کو تنگ کر دیا، جو روحِ جفا کی حد کر دی یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور پھر اللہ نے دوسری قوموں کے متکبرین کی طرح عرب کے متکبروں کو بھی سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اور یہ اللہ کی مرضی ہے کہ وہ جس انداز سے چاہے متکبروں کو سزا دے۔ چاہے تو کسی کو غرق کر دے، چاہے تو زمین میں دھنسا دے، چاہے تو آسمان سے پتھر برسادے، چاہے تو زلزلہ برپا کر دے، چاہے تو تیز و تند ہوا مسلط کر دے، چاہے تو بندر اور خنزیر بنادے اور چاہے تو اپنے بندوں کے ہاتھوں ہی ظالموں

کو سزا دے۔ سورہ توبہ میں ہے :

وَقَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ
اللہ انھیں تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر خود بھی جہاد کرتے رہے اور صحابہ کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے، ہم کسی مستشرق کو اور کسی مستغرب کو خوش کرنے کے لئے جہاد کی آیات اور احادیث میں کسی قسم کی تاویل کرنے کے لیے تیار نہیں وہ جہاد جس کے ذریعے قیصر و کسریٰ کی گردنیں توڑی گئیں، وہ جہاد جس کے ذریعے ہزاروں متکبروں اور انسانیت دشمنوں کے دماغ سیدھے کیے گئے۔

وہ جہاد جس کے ذریعے مظلوموں کو انصاف اور ظالموں کی سرکوبی ہوئی۔

وہ جہاد جس کے لئے صحابہ نے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگیاں وقف کر دیں ہم اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں اور من مانی تاویلوں سے اس کا حلیہ کیسے بگاڑ سکتے ہیں

سپہ سالارِ اعظم | ہمارا دعویٰ تویہ ہے کہ ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالارِ اعظم تھے،

اپنی فتوحات کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے،
مفتوحین کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے،
اپنی جنگی تدبیروں اور حربی مہارت کے اعتبار سے بھی آپ سپہ سالارِ اعظم تھے۔

اور حربی اصلاحات کے اعتبار سے بھی آپؐ سے سالارِ اعظم تھے۔
 میں عرض کر چکا ہوں کہ بے شک جنگ اور قتل و قتل فی نفسہ
 کوئی اچھی چیز نہیں ہے کیونکہ اس سے گھرا جڑ پڑتے ہیں، بچے یتیم
 ہوتے ہیں، سہاگنیں بیوہ ہوتی ہیں، والدین اپنے جگر گوشوں سے محروم
 ہوتے ہیں، تجارت اور معیشت تباہ ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود
 جب سے انسان دنیا میں آیا ہے جنگ کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر دور
 میں دنیا کے کسی نہ کسی خطے میں کسی نہ کسی انداز میں جنگ رہی ہے اور
 آج بھی جاری ہے۔ لیکن قربان جائیے اس عظیم انسان کی بصیرت
 پر، ذہانت پر اور انسانیت دوستی پر جس نے جنگ جیسے وحشیانہ
 کھیل کو قواعد و ضوابط کا پابند بنا کر ایک مہذب عمل بنا دیا۔

قواعد و ضوابط | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر کو
 بھیجتے تو اسے نصیحت فرماتے تھے ”اللہ کا نام

لے کر جاؤ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو اللہ سے کفر کرتے
 ہیں مگر یاد رکھو جنگ میں کسی سے بدعہدی نہ کرنا، کسی بچے کو، کسی بوڑھے
 اور کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔“

آپؐ نے دشمن کو آگ میں جلانے سے منع فرما دیا۔

آپؐ نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے سے منع فرمایا۔

آپؐ نے نعشوں کی بے حرمتی کرنے سے منع فرمایا۔

آپؐ نے قیدیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔

آپؐ نے ان سب لوگوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا جو جنگ میں حصہ

نہ لے رہے ہوں۔

آپ نے سفیروں اور معاہدوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔
 آپ کی تعلیم یہ تھی کہ غفلت میں کسی پر حملہ نہ کیا جائے۔
 یہ قواعد و ضوابط آپ نے اس وقت وضع فرمائے جب دنیا
 پر خسرو پرویز اور ہرقل جیسے ڈاکوؤں اور درندوں کی فرما زوالی کا سنگ
 چلتا تھا۔

یہ تعلیم آپ نے اس وقت ارشاد فرمائی جب روم، ایران،
 چین اور ایشیا، یورپ اور افریقہ کوئی بھی قوانین جنگ سے آشنا
 نہیں تھا۔

یورپ میں سترھویں صدی تک قوانین جنگ کا کوئی تصور نہیں
 تھا، جنگ میں کسی قانون کی پابندی جاہلوں کے لئے ایک مضحکہ خیز
 بات تھی۔ کہا جاتا تھا اور آج بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ اور محبت میں سب
 کچھ جائز ہے لیکن مکہ کے اُمّی نے دنیا بھر کے پڑھے لکھے جاہلوں کو سمجھایا
 کہ بعض چیزیں ایسی ہیں جو جنگ میں بھی جائز نہیں ہ

جنگ کے مقاصد | قواعد و ضوابط کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات کی بنیاد پر جنگ کے مقاصد متعین فرمائے
 آپس چکے ہیں کہ دنیا میں جو جنگیں ہوتی تھیں تو کوئی لوٹ مار
 کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی انتقام لینے کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی
 حصولِ اقتدار کے لیے جنگ کرتا تھا، کوئی اپنی طاقت کے اظہار
 اور شہرت کے لیے جنگ کرتا تھا۔ لیکن سہ سالہ اعظم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے سمجھایا کہ ان مذموم مقاصد کے لیے جنگ کرنا بہیمیت ہے،
 شیطنت ہے، خیانت ہے، رذالت ہے۔ انسان کا خون اتنا ہستا

نہیں کہ ان گھٹیا مقاصد کے لیے بہایا جائے۔ اگر اعلیٰ مقاصد کیلئے جنگ کی جائے تو جہاد ہے اور اگر گھٹیا مقاصد کے لیے جنگ کی جائے تو فساد ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ اسلام کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں اور ہمارے اور لازم ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی تفہیم اور بیان کے وقت اپنی اصطلاحات کو استعمال کریں۔

اہل عرب جنگ کو حرب کہتے تھے جس کا معنی ہے غصہ آجانا اور لوٹ مار کو بھی حرب کہہ دیتے ہیں۔

وہ جنگ کو روع بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے خوف، وہ لڑائی کے دن کو ”یوم کریم“ بھی کہتے تھے جس کا معنی ہے مصیبت کا دن،

وہ لڑائی کو ”ھیاج“ اور ”مغضیہ“ بھی کہتے تھے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر جہاد کا لفظ منتخب فرمایا جس کا لغوی معنی ہے کسی مقصد کے لیے کوشش کرنا اور جہاد کا سب سے بڑا مقصد اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے اگر یہ مقصد پیش نظر نہ ہو اور نیت میں کچھ کھوٹ ہو تو وہ جنگ حرب اور روع اور ہیاج تو ہو سکتی ہے مگر جہاد نہیں ہو سکتی۔

قرآن کا بیان | قرآن کہتا ہے کہ جہاد اس وقت جائز ہے جب تمہارے وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے تو تم اپنی بقا اور حفاظت کی خاطر جنگ کر سکتے ہو۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ
يَقَاتِلُوا نَكْرًا

جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم ان سے لڑو

آپ نے آدابِ مسجد، آدابِ تلاوت، آدابِ نماز، آدابِ صبرین
 آدابِ اساتذہ، آدابِ والدین تو سنے ہوں گے لیکن شاید کبھی اس
 طرف توجہ نہ دی ہو کہ جنگ کے بھی کچھ آداب ہیں اور ان آداب کی میں
 گہرائی میں نہیں جانا چاہتا صرف ایک آیتِ کریمہ آپ کو سناتا ہوں
 اسی سے آپ ان آداب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سورۃ الانفال میں ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ
 فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ
 كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝
 وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا
 تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ
 رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ
 مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا
 كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ
 بَطْرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَ
 يُصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ
 بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

انے ایمان والو! جب بھڑو کسی فوج
 سے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت
 یاد کرو تاکہ تم مراد پاؤ۔ اور حکم مانو اللہ
 کا اور اس کے رسول کا اور آپس میں
 نہ جھگڑو، پس نامراد ہو جاؤ گے اور جاتی
 رہے گی تمہاری ہوا۔ اور صبر کرو بیشک
 اللہ ساتھ ہے صبر والوں کے۔ اور نہ ہو جاؤ
 ان جیسے جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اترتے
 ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کو اور
 روکتے تھے اللہ کی راہ سے اور اللہ کے
 قابو میں رہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

(الانفال - آیت ۴۵، ۴۶، ۴۷)

اس آیتِ کریمہ سے جو آدابِ جہادِ سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ
 (۱) ثابت قدم رہو (۲) کثرت سے اللہ کا ذکر کرو (۳) ہر کام میں اللہ
 اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (۴) آپس میں جھگڑانہ کرو (۵) صبر
 کرو (۶) اپنی قوت و کثرت پر گھمنڈ مت کرو (۷) دکھاوانا مت مقصد
 نہ ہو۔

خانقاہ اور درسگاہ | میدانِ جہاد نہ ہو خانقاہ ہو گئی ،

اللہ کا ذکر ہے ، دعائیں ہیں ، اطاعت ہے ، محبت ہے ، ایثار ہے صبر ہے ، تواضع ہے ، اخلاق ہے — یہی سب چیزیں تو درسگاہ اور خانقاہ میں سکھانی جاتی ہیں اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ اہل ایمان جب میدانِ جنگ میں جاتے تھے تو یہ میدان ان کے لیے درسگاہ بھی ثابت ہوتا تھا اور خانقاہ بھی ثابت ہوتا تھا ذکر و دعا کی صداؤں سے فضا منور ہو جاتی تھی اور خود بھوکا پیاسا رہ کر دوسرے کو سیر کرنے کی کوشش کی جاتی تھی ۔

ساری تہذیبوں اور قوموں کے حالات پڑھیں ، میدانِ جنگ میں کیا ہوتا تھا؟ بڑے بڑے مہذب اور نیک شہرت رکھنے والے سپہ سالار اپنے سپاہیوں کی حرکتوں سے میدانِ جنگ میں چشم پوشی کر لیتے تھے وہ جانتے تھے کہ زیادہ روک ٹوک کرنے سے یہ لوگ ناراض ہو جائیں گے اور ہمارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ شراب پی جاتی تھیں ، عزتیں برباد کی جاتی تھیں ، راستے میں پڑنے والی بستیوں میں لوٹ مار کی جاتی تھی لیکن میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں بدر سے لیکر تبوک تک ایک ایک غزوہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیجئے اور بتائیے کہ ان غزوات میں کسی ایک مجاہد نے بھی شراب پی؟ کوئی ایک ناموس بھی برباد ہوئی؟

بلکہ آپ کو نقشہ یہ نظر آئے گا کہ ایک مجاہد یہاں سجدے میں پڑا رہا ہے ، دوسرا وہاں ہاتھ اٹھائے التجائیں کر رہا ہے ، تیسرا ادھر ذکر و دعا میں مصروف ہے ، چوتھا ادھر تسبیح و استغفار کا

عمل پورا کر رہا ہے، میدانِ جنگ میں خون ہی نہیں گر رہا اسلامی
 مجاہدوں کی آنکھوں سے آنسو بھی گر رہے ہیں، فرشتے حیران ہیں یا
 رب یہ ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں؟ یہاں تو عزتیں لٹی تھیں
 جام چڑھائے جلاتے تھے، کھوپڑیوں کے مینار بنائے جاتے تھے،
 زندہ انسان جلائے جاتے تھے، معصوم بچے ترپائے جاتے تھے،
 ممتا سسکتی تھی، انسانیتِ شیطنت کی گود میں مچلتی تھی یہ
 عزتوں کی حفاظت کرنے والے، یہ کمزوروں پر شفقت کرنے والے
 یہ بیٹوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا لحاظ کرنے والے، یہ تلواروں کے
 سائے میں سجدے کرنے والے، یہ تیروں کی بارش میں دعا کرنے
 والے لوگ کہاں سے آگئے؟ اے اللہ! معاف کر دینا ہم نے غلط
 سمجھا تھا کہ صرف ہم ہی تسبیح و تقدیس کرنے والے ہیں ہمارا یہ دعویٰ
 صحیح نہیں تھا وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ
 اصل تسبیح و تقدیس کرنے والے تو یہ لوگ ہیں جو وہاں بھی تھے
 نہیں بھولے جہاں ہر کوئی بھول جایا کرتا ہے۔ اقبال نے یوں ہی تو
 نہیں کہا تھا

آگیا دورانِ جنگ اگر وقتِ نماز
 سر بسجود ہو گئی قوم محراب

مسجد کی پُر امن فضا میں تو فاسق و فاجر شخص بھی سر بسجود
 ہو جایا کرتا ہے، نماں تو اس شخص کا ہے جو جنگ کے پُر خطر میدان
 میں بھی رکوع و سجود کو نہیں بھولتا، یقیناً اس کا گھوڑے کی پیٹھ پر
 کیا ہوا سجدہ محراب میں کیے ہوئے ہزاروں سجدوں سے بہتر ہے

اسی لیے تو کہا گیا ہے ۵

ملا کی اذان اور ہے مجاہد کی اذان اور
یہ بھی یاد رکھیں کہ یہ مہربان جنگ میں سجدہ کرنے والے، یہ
عزتوں کی حفاظت کرنے والے وہی ہیں جو کل غیروں کی نہیں اپنی
سگی بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے
وہی ہیں جن کا ذریعہ معاش ہی لوٹ مار تھا،
وہی ہیں جنہیں گٹی میں شراب پلائی جاتی تھی،
یہ کس کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ آج ان کے تقدس پر فرشتے رشک
کرنے لگے۔

میں بتاتا ہوں یہ سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی تربیت کا کرشمہ تھا جس نے عرب کے بدوؤں کو رشکِ ملائکہ
بنا دیا۔

جس عظیم انسان کی تربیت نے حیوانوں کو انسان اور وحشیوں
کو مہذب شہری بنا دیا، وہ عظیم انسان اس بات کا مستحق نہیں کہ
اسے سپہ سالارِ اعظم کا لقب دیا جائے؟

ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ ایک مہم
پر گئے ہوئے تھے، تنگدستی اور بھوک کی وجہ سے پریشانی میں
مبتلا ہو گئے راستے میں اتفاق سے بکریوں کا ایک رلوٹ نظر آیا تو
لوگ بے تاب ہو کر اس پر لوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں۔ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ موقع پر
تشریف لائے، اس وقت تک لوگ گوشت ہانڈیوں میں چڑھا

چکے تھے۔

اللہ اکبر! عجیب مرحلہ سامنے تھا بھوکے مجاہد، بکریاں کٹ چکیں، گوشت پک رہا، حالات کا تقاضا ہے کہ فی الوقت چشم پوشی کر لی جائے لیکن وہ سپہ سالارِ اعظم جو تربیت کے لیے آیا تھا اور جس کے لیے مسجد اور معرکہ کارزار دونوں برابر تھے وہ اگر خاموشی اختیار کر لیتا تو یہ ایک واقعہ مثال اور دلیل بن جاتا اور لوگ اسے مخالفین کے مال کی لوٹ مار کے لیے حجت بنا لیتے اس لیے آپ نے اپنے سچے جانثاروں کی ضرورت اور تنگدستی کے باوجود ہانڈیاں الٹ دیں اور گوشت خاک میں ملا دیا اور فرمایا ”لوٹ کے گوشت اور مردار کے گوشت میں کوئی فرق نہیں ہے“ (۲)۔

یہ وہ تربیت تھی جس نے مجاہدینِ اسلام کو اعلیٰ اخلاقی صفات سے منصف کر دیا تھا۔ آج جب لوگ صحابہ کی فتوحات سے بحث کرتے ہیں تو کوئی ان کی افرادی قوت پر نظر ڈالتا ہے، کوئی ان کے نظم و ضبط کو دیکھتا ہے، کوئی ان کے اسلحے کی تفصیل بیان کرتا ہے لیکن یہ بات اکثر مستشرقین بھول جاتے ہیں کہ صحابہ کرام کا اصل ہتھیار اور نسخہ کامیابی وہ مثالی اخلاق تھے جو آج تک کسی فوج اور کسی لشکر کو میسر نہیں آسکے۔

صحابہ کرام کے پاس ذکر و دعا کی چھتری تھی، ایمان و یقین کا لباس تھا، توکل علی اللہ کی ڈھال تھی، دیانت و صداقت کی تلوار تھی، غیرت و حیا کی زرہ تھی، شجاعت و حمیت کے تیر تھے۔ اور یہ ہتھیار جس قوم کے پاس ہوں اسے کوئی ایٹم بم اور کوئی ہائپر سونک بوم

شکست نہیں دے سکتا۔ ایٹم بم اور غوری میزائل بنانے والے حکمرانوں! میں تمہیں ان جدید ہتھیاروں کی تیاری پر مبارکباد پیش کرتا ہوں لیکن یاد رکھو جب تک تمہاری افواج کے پاس وہ اخلاقی اور ایمانی ہتھیار نہیں ہوں گے جو صحابہ کرامؓ کے پاس تھے اس وقت تک یہ اسلحہ تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے سکتا۔

حربی مہارت | میرا اصل موضوع جس پر میں بحث کر رہا تھا کہ میرے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سپہ سالارِ اعظم تھے، آپ کا بے اصولی کی دنیا میں جنگ کے قواعد و ضوابط وضع کرنا، جنگ کے مقاصد میں کرنا، جنگ کے آداب سمجھانا اور مجاہدین کی ایمانی اور اخلاقی تربیت کرنا آپ کے سپہ سالارِ اعظم ہونے کو ثابت کرتا ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حربی مہارت تھی وہ بھی آپ کے سپہ سالارِ اعظم ہونے کو ثابت کرتی ہے۔

ہمارے عہد کے کسی مسلم اور غیر مسلم ماہرین جنگ کے موضوع پر بڑی تحقیقی اور معیاری کتابیں لکھی ہیں، ان کتابوں میں انہوں نے وہ اصول بھی بیان کیے ہیں جن پر عمل کر کے فتح حاصل کی جاسکتی ہے۔

ان کتابوں میں اچھے سپہ سالار کی خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں، ان کتابوں میں اچھے سپاہی کے اوصاف بھی بتائے گئے ہیں، میں نے بھی ان میں سے بعض کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اپنے اس مطالعہ کی بنیاد پر دعویٰ کرتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کسی بھی ملک کی فوج سے سب سے بہترین فوج تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے سب سے عظیم اور سب سے کامیاب سپہ سالار تھے۔

بہترین سپاہی | بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو اطاعتِ امیر کے جذبہ سے سرشار ہو اور جسے اپنے امیر پر مکمل اعتماد ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو نظم و ضبط کا پابند ہو اور اسے اپنے نصیبین کی عظمت کا بھی احساس ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ اخلاق سے متصف ہو اور اپنے ساتھیوں کے لیے ایثار اور محبت کے جذبات رکھتا ہو۔

بہترین سپاہی وہ ہوتا ہے جو جسمانی طور پر صحت مند ہو، اور اس کے اندر حربی صلاحیت بھی پائی جاتی ہو۔ ان میں سے ایک لیک و صف کو سامنے رکھ کر صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کریں آپ انہیں اعلیٰ ترین مقام پر فائز پائیں گے۔

امیر کی عظمت، محبت اور اطاعت دیکھنی ہو تو صرف عروہ بن مسعود ثقفی کی گواہی سن لیجئے۔ عروہ بن مسعود گھر کا نہیں باہر کا آدمی تھا، دوست نہیں دشمن تھا، موحد نہیں مشرک تھا، اپنا نہیں غیر تھا، حدیبیہ میں قریش کا سفیر بن کر آیا تھا، اسے بہت تھوڑا وقت مسلمانوں کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا لیکن اس تھوڑے سے وقت میں اس نے صحابہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعظیم و تکریم اور محبت و اطاعت کرتے ہوئے دیکھا اس کی بناء پر واپس جا کر اپنی قوم سے کہا لوگو! میں نے کسے کا دربار بھی دیکھا اور قیصر اور نجاشی کا دربار بھی دیکھا مگر اصحابِ محمدؐ جو تعظیم محمدؐ کی کرتے ہیں وہ کسی بادشاہ کو بھی اپنے دربار اور ملک میں حاصل نہیں۔“

اطاعت کی انتہا دیکھنی ہو تو غزوۂ اُحد کا مطالعہ کرو، ستر مسلمان

شہید ہو چکے ہیں، کئی ایک زخموں سے چور ہیں، طاقت و دشمن نے بڑے گہرے زخم لگائے ہیں وہ بظاہر شکست دے کر واپس پلٹ گیا ہے لیکن جب یہ سالارِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سپاہیوں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیتے ہیں تو یہ عجیب و غریب سپاہی سب کچھ بھول کر تعاقب کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ صحابہ کو اپنے نصب العین کی عظمت کا گہرا احساس تھا، انہیں اسلام کی صداقت اور حقانیت کا یقین تھا، انہیں اس نصب العین سے ہٹانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ دیکھتے کوٹلوں پر نشگی پیٹھوں لٹایا گیا، جلتی ریت پر جانداروں کو سلا یا گیا گلے میں رسیاں باندھ کر گلیوں میں گھسیٹا گیا، کوڑے مار مار کر جھوٹ بولنے کے لیے تڑپایا گیا، چٹائیوں میں باندھ کر ناک کی راہ سے کڑوا دھواں پہنچایا گیا لیکن وہ اپنے نصب العین سے ذرہ برابر پیچھے ہٹنے کیلئے تیار نہ ہوئے۔

صحابہ کرامؓ اپنے ساتھیوں کے لیے ایشار کے جو جذبات رکھتے تھے ان کا نمونہ دیکھنا ہو تو جنگِ احد کے ان تین پیاسوں کو دیکھیے جن میں سے ہر ایک نے جان دینا پسند کر لیا لیکن یہ گوارا نہ کیا کہ دوسرا ساتھی العطش العطش پکار رہا ہو اور ہم اس کی پکار کو نظر انداز کر کے پانی نوش کرتے رہیں

صحابہ کرامؓ میں یہ اخلاق، یہ اوصاف، یہ محبت، یہ ایشار، یہ اطاعت، یہ منظم و ضبط، یہ یقین یہ ایمان کیسے پیدا ہوا۔ کوئی انکار کر سکتا ہے کہ ان کے اندر یہ اوصاف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم و تربیت کے نتیجے میں پیدا ہوئے !

اچھا سیدہ سالار | اچھے سپاہیوں میں جو خصوصیات ہونی چاہئیں وہ یقیناً صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ خود سپہ سالار کی ذات میں جو اوصاف ہونے چاہئیں کیا وہ اوصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں پائے جاتے تھے یا نہیں؟ کیونکہ بعض لوگوں کی تعلیمات اور نظریات تو بہت اچھے ہوتے ہیں اور ان تعلیمات پر عمل کرنے سے ان کے پروکاروں میں بھی اعلیٰ اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں لیکن خود ان کی اپنی عملی زندگی میں ان تعلیمات کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے تو آپ اس اعتبار سے بھی منفرد نظر آئیں گے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا، پہلے اس پر خود عمل کر کے دکھایا، آپ محض نظریات پیش کرنے والے انسان نہیں تھے بلکہ ان نظریات پر عمل کر کے دکھانے اور سمجھانے والے انسان تھے۔

حرابی امور کے بارے میں لکھی گئی کتابوں میں وہ خصوصیات بھی بیان کی گئی ہیں جن کی وجہ سے ہم کسی لشکر کے امیر کو اچھا سپہ سالار کہہ سکتے ہیں، یہ خصوصیات ہر ماہر جنگ نے اپنے اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں مختلف بیان کی ہیں۔ مثلاً عہدِ قدیم کا چینی جنرل سنسنزو کہتا ہے کہ اچھے سپہ سالار میں پہلی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ برتر اور کمتر درجہ کی فوجوں کو لڑانے کے ہنر سے واقف ہوتا ہے، دوسری یہ کہ اسے دشمن کی طاقت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، تیسری یہ کہ تمام مشکلات اور خطرات پر اس کی نظر ہوتی ہے، چوتھی یہ کہ وہ شہرت کی خواہش

سے بالاتر ہوتا ہے۔ پانچواں یہ کہ اسے سپاہیوں کی ذات سے اپنی اولاد کی طرح محبت ہوتی ہے۔ چھٹی یہ کہ نازک مواقع پر وہ شجاعت کے اعلیٰ ترین جوہر کا مظاہرہ کرتا ہے (۳)

فی الحال آپ دو سکرامہرن کی بیان کردہ خصوصیات کو چھوڑ دیں اور صرف ان چھ خصوصیات کو سامنے رکھ کر میرے آقا کے غزوات پر نظر ڈالیں واللہ آپ کا دل گواہی دے گا کہ عبد اللہ کا بیٹا اور آمنہ کا لعل صرف بے مثال خطیب ہی نہیں تھا، صرف پرجوش مصلح ہی نہیں تھا، صرف بلند درجہ از مرشد ہی نہیں تھا، صرف فقیہ المثل اعلم ہی نہیں تھا صرف مایہ ناز منتظم ہی نہیں تھا، صرف کامیاب تاجر ہی نہیں تھا بلکہ ایک کامیاب کمانڈر اور سپہ سالار اعظم بھی تھا۔ آپ نے مختلف مواقع پر بڑی کامیابی سے اپنی چھوٹی سی فوج کو طاقتور فوج سے لڑایا اور اسے شکست سے دوچار کیا، آپ کا جاسوسی کا نظام بڑا مضبوط تھا جس کی وجہ سے آپ کو دشمن کی صحیح طاقت کا اندازہ رہتا تھا۔

بدر کی لڑائی میں شرکت کے لیے قریش کا جو لشکر مکہ سے روانہ ہوا تھا آپ کو بدر میں پہنچنے سے قبل ہی اس کی افرادی تعداد اور طاقت کا اندازہ ہو چکا تھا۔

غزوہ احزاب میں شرکت کے لیے یہود، قریش اور دو سکرامہ نے جو گٹھ جوڑ کیا اور بہت لڑا لڑا کر تیار کرنے میں وہ کامیاب ہوئے تو آپ اس کی پل پل کی تیاری سے باخبر تھے۔ آپ کبھی معاذ اللہ خود فوجی کاشکار نہیں ہوئے بلکہ پوری حقیقت پسندی کے ساتھ مشکلات پر نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ غزوہ احزاب میں کھلے میدان میں مقابلہ

کرنے کے بجائے آپ نے خندق کھود کر دفاع کرنے کو ترجیح دی۔
 غزوہ احد میں دیکھے آپ نے کیسے پہاڑی درے پر پچاس افراد
 کا دستہ مقرر کیا تاکہ کوئی پشت سے حملہ نہ کر سکے اور جب اس دستے
 نے آپ کی ہدایت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ درہ چھوڑ دیا تو میرے
 آقا کا مفروضہ حقیقت ثابت ہوا اور مسلمان جیتی ہوئی جنگ لڑ بیٹھے۔
 میرے آقا شہرت کی ہر خواہش سے بالاتر تھے، کسی بھی کامیابی
 کے موقع پر آپ نے اپنی لیاقت اور شجاعت کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا بلکہ
 ایسے موقع پر آپ اللہ ہی کی کبریائی کی قوت و نصرت کا اعتراف فرمایا کرتے
 تھے۔ فتح کی صورت میں معاذ اللہ تکبر تو کیا ہوتا آپ کا سر مبارک تواضع
 کی وجہ سے مزید جھک جاتا تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر سرتانہ جھک گیا تھا
 کہ سواری کے پالان سے لگ رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ
 کلمات تھے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
 لَهُ صَدَق وَعَدَّهُ وَنَصْرَ عَبْدَهُ
 وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (۴)
 ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا
 کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ
 سچا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام
 جتھوں کو تنہا شکست دی۔

میرے آقا صرف اپنے سپاہیوں سے نہیں بلکہ امت کے ہر فرد سے
 اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بارہا ایسا ہوا کہ ساری
 ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی۔ (۵)

فرمایا کرتے تھے میرے سامنے کسی کی غیبت مت کرو، میں یہ
 چاہتا ہوں کہ تمہارے سامنے اس حالت میں آؤں کہ میرا دل بالکل

صاف ہو۔ (۶)

بعض اوقات نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور طویل نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر فرمادیتے تاکہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔ (۷)

آپ کی محبت مرد عورت، بچے اور جوان، امیر اور غریب، آزاد اور غلام، اپنے اور پرانے سب کے لیے عام تھی۔

خطرات کے موقع پر میرے آقا کا عمل دیکھنا ہو تو صرف غزوہ حنین کا مطالعہ کر لیجئے جب قبیلہ ہوازن کے باہر تیر اندازوں نے مسلمانوں کو وقتی طور پر میدان جنگ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا اور مسلمان ایسے گھبرا گئے تھے کہ کوئی پلٹ کر بھی کسی کو نہیں دیکھتا تھا کہ وہ کہاں ہے لیکن سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر خطر موقع پر بھی میدان میں شریف فرماتے اور آپ کی مبارک زبان پر یہ رجز یہ کلمات تھے

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

میں سچا نبی ہوں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں (۸)

مفتوحین کے ساتھ برتاؤ | مفتوحین کے ساتھ برتاؤ کے اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو دنیا کا کوئی فاتح میرے آقا کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہندو مذہب کے ماننے والوں کا حال یہ تھا کہ وہ دشمن پر قابو پانے کے بعد زندہ آدمی کی کھال کھینچ لیتے تھے، اسے آگ میں جلا دیتے تھے یا درندوں سے اس کی تکیہ بونی کر دیتے تھے۔ رومی اپنے وقت کے مہذب لوگ کہلاتے تھے لیکن سکندر رومی کا حال یہ تھا کہ اس نے شام کے قدیم تجارتی شہر صور کو فتح کیا تو آٹھ ہزار بے گناہ انسانوں کو

قتل کر دیا اور تیس ہزار کو غلام بنا لیا۔
 سنیہ طیطس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام
 حسین لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا اور ایک لاکھ تیس ہزار شہریوں کو
 ہلاک کر دیا۔

نوشیروان کا نام آپ نے سنا ہوگا، اس کے عدل و انصاف
 اور رحمدلی کے واقعات بھی آپ نے سنے ہوں گے، اسی نوشیروان نے
 جب ۵۴۰ھ میں انطاکیہ کو فتح کیا تو لوٹ مار کرنے کے بعد اسے
 آگ لگا دی۔

خسرو پرویز نے ۶۲۵ھ میں بیت المقدس کو فتح کیا تو نوے
 ہزار انسانوں کو قتل کیا اور عبادت گاہوں کو آگ لگا دی۔
 قیصر نے جب افریقہ کے ونڈالوں پر حملہ کیا تو اس نے پانچ لاکھ
 کی پوری قوم کا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹا دیا اور سبز و شاداب
 ملک کو ویرانے میں تبدیل کر دیا (۹)۔

یہ صرف چھٹی صدی کی باتیں نہیں ہیں بلکہ بلیسویں اور اکیسویں
 صدی میں بھی وحشت اور بربریت کا وہی کھیل جاری ہے۔ دوسری
 جنگ عظیم میں کیا ہوا؟ ہزاروں تیاریوں نے بے شمار شہرتیابہ کیے
 لاکھوں انسان زندہ دفن کر دیئے گئے، فوجی اور غیر فوجی آبادیوں میں
 کوئی فرق نہیں رکھا گیا، امریکہ کی آبدوز کشتیوں نے انیس سو چالیس
 جاپانی تجارتی جہاز غرق کر دیئے اور ایٹم بم کے ذریعے ہیروشیما
 اور ناگاساکی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ مغربی اقوام کی سفالی
 اور وحشت و بربریت کا یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے اور آج ان کا

سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہیں۔ عراق میں کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے؟
 زہریلی گیسوں اور ممنوعہ اسلحہ استعمال کر کے اللہ کی زمین پر قیامت
 برپا کر دی گئی، معصوم بچوں تک کو دودھ اور دواؤں سے محروم
 کر دیا گیا، افغانستان میں کیا ہوا، بیس لاکھ سے زیادہ افراد شہید
 کر دیئے گئے اور ان سے کہیں زیادہ لوگوں کو اعضاء سے محروم اور زخموں
 سے چور کر دیا گیا۔ قدم قدم پر سرنگیں مدفون ہیں جو آج بھی پھٹی ہیں
 اور قیامت ڈھاتی ہیں۔

موازنہ اس پس منظر میں سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار دیکھئے اور موازنہ کیجئے۔ آپ نے تنہا
 مکہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا، جن افراد نے اس دعوت کو قبول
 کیا انہیں ایک جماعت کی صورت میں منظم کیا، ان کی اخلاقی اور
 روحانی تربیت کی، مخالفین نے ستم کے پہاڑ ڈھائے۔ انہیں کی
 حرکتوں کی وجہ سے مختلف جنگیں ہوئیں اور میکہ آقائے اپنی تیار
 کردہ جماعت کے ساتھ ان جنگوں میں حصہ لیا لیکن میکہ آقائے
 جنگ کے کچھ مقاصدین فرمائے اور اس کے لیے قواعد و ضوابط اور
 آداب وضع فرمائے۔ پھر ساری جنگیں انہی کی روشنی میں لڑیں۔
 اس جہاد کی برکت سے روزانہ دو سو چوبیس مربع میل علاقہ
 فتح ہوا صرف علاقے ہی فتح نہیں ہوئے دل بھی فتح ہوئے۔

جب آپ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا تو ایک مربع فٹ جگہ
 بھی ایسی نہ تھی جہاں آزادی سے زمین و آسمان کے مالک کی عبادت
 کی جا سکتی لیکن جب آپ دنیا سے تشریف لیجا رہے تھے تو

دس لاکھ مربع میل سے زیادہ رقبہ مسلمانوں کے زیرِ نگیں آچکا تھا
جہاں اللہ کے سوا کسی کی عبادت تمہیں ہوتی تھی۔

اس دس سالہ جہاد میں کم و بیش ستائیس غزوات میں آپ
نے شرکت فرمائی لیکن کسی بھی غزوہ میں نہ تو کسی ماں بہن کی عزت
تاراج ہوئی، نہ شہروں کو آگ لگائی گئی، نہ لاشوں کا مثلہ کیا
گیا، نہ زندہ انسانوں کو جلایا گیا، نہ قیدیوں کو ٹرپایا گیا۔ بلکہ
حقیقت تو یہ ہے کہ قابو پانے کے بعد مفتوح قوم سے باعزت
سلوک کیا گیا، انہیں معاف کیا گیا اور اس انداز سے معاف کیا گیا
کہ ان کی خودی مجروح نہ ہو۔

فتح مکہ کا منظر کون بھول سکتا ہے جب وہ اقراری مجرم
آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے، جنہوں نے تیرہ سال
تک مسلسل آپ کو اور کمزور مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے رکھا۔
وہ بھی تھے جنہوں نے حالتِ نماز میں بسمِ اطہر پر غلاطت پھینکی
وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کو شہید کرنے کی تدبیریں کیں۔
وہ بھی تھے جنہوں نے آپ کے چچا حمزہ کو شہید کیا اور ان کا کلیجہ
چبایا۔

آپ خود سوچئے اگر آج اس مقام پر کس قدرِ اعظم ہوتا تو کیا ہوتا
طیلس رومی ہوتا تو کیا ہوتا،
نوشیروان ہوتا تو کیا ہوتا،
قیصر ہوتا تو کیا ہوتا
ہلاکو ہوتا تو کیا ہوتا

یقیناً مکہ کی گلیاں خون میں نہا جاتیں،
یقیناً شہر کو آگ لگا دی جاتی،

یقیناً عزتیں تاراج ہوتیں۔
یہ مکہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ یہ فاتح نہ سکندر اعظم تھا
نہ نوشیروان تھا، یہ تو میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ نے فیصلے کے منظر انسانوں کو خطاب
کرتے ہوئے فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ
اِذْ هَبُوْا فَاَنْتُمْ الطُّلُقَاءُ (۱۰) تم سب آزاد ہو۔
آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ

تعصب کی انتہا | غیر جانبداری اور آزادی منکر کا ڈھنڈورا
پیٹنے والے یورپی مصنفین کے تعصب اور جانبداری کی انتہا یہ ہے
کہ وہ اسلامی عزوات کو بڑے بھونڈے انداز میں نئی نسل کے سامنے
پیش کرتے ہیں جس سے ایک عام غیر مسلم نوجوان یہ سمجھتا ہے کہ معاذ اللہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر طرف خون ہی بہتا ہوگا
لونڈیوں کی قطاریں لگتی ہوں گی، علاموں کے ریوڑ لگتے ہوں گے۔
حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں
جو جنگیں لڑی گئیں ان میں دونوں فریقوں کے کل ایک ہزار اٹھارہ
افراد قتل ہوئے۔

یہ ہے وہ خونِ انسانی کی ارزانی جس کا تعصب کے مارے ہوئے
مغربی مفکرین ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔
حیرت ہے کہ دورِ جدید کے ان ماڈرن وحشیوں کو ہیروشیما

اور ناگاساکی کی بربادی کیوں نہیں دکھائی دیتی۔
 انہیں پہلی جنگ عظیم کے چونٹھ لاکھ اور دوسری جنگ عظیم
 کے پانچ کروڑ مقتول کیوں نظر نہیں آتے۔
 انسانی خون سے رنگین دیٹ نام کے درود یوار پران کی نظر کیوں
 نہیں جاتی۔

عراق اور افغانستان کے اعضاء بریدہ انسان اور بھوک سے
 بلکتے بچوں کی آہیں کیوں نہیں سنائی دیتیں۔
 کشمیر کی عصمت بہنوں اور بیٹیوں کی تپخیں ان کے خوابیدہ
 صنمیروں کو کیوں نہیں تھجھوڑتی

جزیرۃ العرب میں حق و انصاف کی خاطر کم و بیش ایک ہزار
 انسانوں کا خون بہنے پر مگر مجھ کے آنسو بہانے والے درندو!
 تمہیں دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان مظلوموں کی سسکیاں کیوں
 نہیں سنائی دیتیں جو تمہارے ہی غلو و منصوبوں اور باطل
 پروگراموں کا شکار ہو کر حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں
 تمہاری اقوام متحدہ بھی ان مظلوموں کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام
 ہو چکی ہے وہ تو تمہاری داشتہ اور لونڈی ہے تم رات کو دن
 کہہ دو تو وہ بھی دن کہہ دے گی، تم دن کو رات کہہ دو تو وہ بھی رات
 کہہ دے گی۔

اگر تم اپنے تعصبات پر قابو پا کر سچ بول سکو تو خدا کی قسم تم بھی
 یہ کہنے پر مجبور ہو گے کہ مظلوم دنیا، امریکہ، چین اور روس، برطانیہ
 اور فرانس سب سے مایوس ہو چکی ہے اور یہ دنیا صرف اور صرف

سپ سالارِ اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی ہے، جس دن آپ کا کوئی سچا غلام اٹھ کھڑا ہو انشا اللہ کشمیر اور فلسطین آزاد ہو جائے گا، عراق اور افغانستان کے مظلوم سکھ کا سانس لیں گے اور پھر پوری دنیا میں مکہ اور مدینہ کی طرح امن کا دور دورہ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

حوالہ جات

- (۱) محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۱۱ مکتبہ شان اسلام اردو بازار لاہور
- (۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب النہی عن النہی ص ۱۳ مکتبہ امدادیہ ملتان
- (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں ص ۹۱۔ مولف سید احمد رضوی مکتبہ مدنیہ اردو بازار لاہور
- (۴) زاد المعاد ص ۲۲۲ ج ۱
- (۵) ترمذی
- (۶) الادب المفرد ص ۱۸۵ نیز بخاری و مسلم
- (۷) بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من اخف الصلوٰۃ۔
- (۸) بخاری باب غزوة حنین ص ۶۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی
- (۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ میں ص ۲۷۲-۲۷۳
- (۱۰) زاد المعاد ص ۲۲۲ ج ۱

آقا ﷺ کے چھ بڑے احسانات

کفر کی ظلمت جس نے مٹائی دین کی دولت جس نے لٹائی
 لہر آیا تو حید کا پرچم صلی اللہ علیہ وسلم
 بزمِ ملل تھی نظم سے خالی بکھرے ہوئے تھے حق کے لالی
 اس نے کیے سب آ کے منظم صلی اللہ علیہ وسلم
 وہم کی ہرز بخیر کو توڑا، رشتہ ایک خدا سے جوڑا
 شرک کی محفل کر دی برہم صلی اللہ علیہ وسلم
 مہر رسالت، مہرِ جلالت، عینِ عدالت، خضرِ دلالت
 اے بکالت ناظرہ ابکم صلی اللہ علیہ وسلم

” چھٹی صدی عیسوی کی جو صورتحال تھی وہ ایسی تھی گویا سارے انسانوں نے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، امیر ہوں یا غریب اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انسان اب زندہ نہیں رہنا چاہتا، وہ حالات سے، زندگی سے، انسانیت سے اور اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک سنگدل باپ اپنی بیٹی کو جھوٹی شرم سے بچنے کے لیے زندہ درگور کرنا چاہتا تھا، مسئلہ یہ تھا کہ سارے انسان مل کر اور پوری نسل کو زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، یہ مسئلہ صرف عرب قوم کا نہ تھا بلکہ ساری انسانیت کی قسمت کا تھا — پھر رحم الراحمین کو انسانوں پر رحم آگیا اور اس نے اس عظیم انسان کو نوع انسانی کو نئی زندگی دینے کے لیے مبعوث کر دیا، جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا، جو ہر انسان کا خود اس سے زیادہ خیر خواہ تھا “

آقا کے چھ بڑے احسانات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

أَمَّا بَعْدُ

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿آل عمران پ، آیت ۱۶۴﴾

اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول انہی میں کا۔ پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ان کو یعنی شرک وغیرہ سے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے صریح گمراہی میں تھے۔

اے مرحوم و مغفور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ کی مائتہ ناز کتاب "نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم" کے آخر میں "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ" کے عنوان سے ان کی سیرت پر کی گئی ایک تقریر بھی دی گئی ہے۔ اس ناچیز نے حضرت کی ادبی جملوں اور تراکیب سے مسجع اور مشکل الفاظ پر مشتمل اس تقریر کو کئی بار عوامی اجتماعات میں سہل انداز میں سنانے کی سعادت حاصل کی ہے اور یہاں بھی اسی سہل انداز میں پیش کی جا رہی ہے لیکن اس تقریر کو من و عن حضرت کی تقریر نہ سمجھا جائے بلکہ بعض مقامات پر اس جاہل نے پیوند کاری بھی کی ہے۔

(م-۱-ش)

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلْفَ بَيْنٍ قُلُوْا يٰكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آل عمران پ، آیت ۱۰۳)

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈال دی تمہارا دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔ اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں تاکہ تم راہ پاؤ۔

عن ابی ہریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارًا فلما اضاءت ما حولہا جعل الفراش وھذہ الدواب الّتی تقع فی النار یقعن فیہا وجعل یحجزھن ویغلبنہ فیتقحمن فیہا فانا آخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحسون فیہا (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی جب اس کی روشنی گرد و پیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کڑے جو آگ پر گر کر کہتے ہیں، ہر طرف سے امن ڈر کر اس میں کودنے لگے اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری مکر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیہ رہ کرتا ہوں

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! چھٹی صدی عیسوی کا آخر تھا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور یہ وہ وقت تھا،

جب ایسے محسوس ہوتا تھا کہ پوری نوع انسانی نے خودکشی کی قسم اٹھالی ہے۔ آپ اخبارات میں پڑھتے ہوں گے کہ آج فلان شہر میں فلاں شخص نے حالات سے دل برداشتہ اور مایوس ہو کر خودکشی کر لی، کوئی زہری لیتا، کوئی گلے میں پھندا ڈال کر ہنکے سے لٹک جاتا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے آپ کو زندہ جلا ڈالتے ہیں، حالانکہ خودکشی حرام ہے۔ بہت بڑا گناہ ہے، گھناؤنا جرم ہے لیکن بہر حال کچھ لوگ اس جرم اور گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں مگر یہ ایک فرد کی حرکت ہوتی ہے اور اس سے ایک فرد کی زندگی کا چراغ گل ہوتا ہے۔ مگر چھٹی صدی عیسوی کی جو صورت حال تھی وہ ایسی تھی گویا سارے انسانوں نے خواہ وہ کلے ہوں یا گورے، عربی ہوں یا عجمی، امیر ہوں یا غریب اپنے آپ کو ختم کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انسان اب زندہ نہیں رہنا چاہتا، وہ حالات سے، زندگی سے، انسانیت سے اور اپنے آپ سے مایوس ہو چکا ہے۔ ہمارے مورخین نے زمانہ جاہلیت کے بگاڑ کا نقشہ کھینچنے کی بڑی کوشش کی ہے، بت پرستی اور مظاہر پرستی کا ذکر کیا ہے، شراب نوشی، زنا کاری اور قمار بازی کا حال بتایا ہے، اخلاقی بُرائیوں کا نقشہ کھینچا ہے، ظلم و ستم اور جور و جفا کی داستانیں سنائی ہیں، بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کے قصے لکھے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری تفصیلات قلمبند کرنے کے باوجود کسی مورخ کا قلم اس دورِ جاہلیت کی پوری تصویر آنے والی نسلوں کے سامنے نہیں کھینچ سکا۔

مسئلہ صرف یہ نہیں تھا کہ ایک سنگدل باپ اپنی بیٹی کو جھوٹی شہم

سے بچنے کے لئے زندہ درگور کر دینا چاہتا تھا مسئلہ یہ تھا کہ سارے انسان اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے۔ یہ مسئلہ صرف عرب قوم کا نہ تھا بلکہ ساری انسانیت کی قسمت کا تھا۔

اس دور کی صحیح تصویر پر اگر کسی نے کھینچی ہے تو وہ اللہ کا قرآن ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اے انسانو! تم آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کی تیاری کر چکے تھے اور قریب تھا کہ وہ سمندر تمہارے نام و نشان تک کو مٹا دیتا کہ ارحم الراحمین کو تم پر رحم آگیا اور اس نے اس عظیم انسان کو تمہیں نئی زندگی دینے کے لئے مبعوث کر دیا جس کا دل انسانیت کے درد سے بھرا ہوا تھا،

جو ہر انسان کا خود اس سے زیادہ خیر خواہ تھا،
 جو آگ میں چھلانگ لگانے والوں کو کمر سے پکڑ پکڑ کر کھینچتا تھا
 جو ان کے لئے رو رو کر دعائیں مانگتا تھا،
 جو پتھر کھاتا تھا اور دعائیں دیتا تھا،
 جو گالیاں سنتا تھا اور مسکراتا تھا،
 جو کانٹوں کے جواب میں پھول پیش کرتا تھا،
 جو توڑنے والوں سے جوڑتا تھا،

اللہ کہتا ہے :

وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا - (۲) گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔
 یہ کون تھا، جسے انسانیت کا نجات دہندہ بننے کی عظیم سعادت حاصل ہوئی؟

یہ میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تھے،

آپ نے خود فرمایا :

لوگو! مجھے اللہ نے جو دعوت اور ہدایت دے کر بھیجا ہے اس
کی مثال اور تمہاری مثال تو ایسی ہے جیسے ایک شخص آگ جلاتا،
توپروانے اور کپڑے مکوڑے ہر طرف سے اُٹھ کر اس آگ میں چھلانگیں لگانا
چاہتے ہیں اسی طرح تم آگ میں کودنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمر بکڑ پکڑ کر تمہیں اس
آگ سے بچانا چاہتا ہوں

(مگر تم ہو کہ بچانے والے کو گالیاں دیتے ہو، اسے دُکھ دیتے
ہو، اس کا بائیکاٹ کرتے ہو، اسے گھر سے بے گھر کرتے ہو)
ہمارے آقا اس وقت تشریف لائے جب انسانیت کا
وجود خطرے میں تھا۔

جب انسان خود زبانِ حال سے اپنے وجود کے بے فائدہ
ہونے کا اعلان کر چکا تھا

انسان، نوعِ انسان کا شکاری بن گیا تھا،
اس کے سینے میں انسان کے دل کے بجائے بھیرے اور چیتے کا
دل پیدا ہو گیا تھا،

اسے دوسروں کے تڑپنے اور کراہنے میں وہ لطف آتا تھا
جو دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے میں نہیں آتا،
آپ عرب کو چھوڑیں وہ تو جاہل تھے، وحشی تھے،
جنگ ان کی خصلت تھی،

انتقام ان کی فطرت تھی،
 قتل و غارت گری ان کی عادت تھی،
 ڈاکہ زنی ان کی معیشت تھی
 آپ روم والوں کی تاریخ پڑھیں،
 جن کی تہذیب و تمدن کا بڑا شہرہ ہے
 جن کی قانون سازی کی آج بھی مثالیں دی جاتی ہیں،
 جن کے نظم و نسق کے ڈنکے پوری دنیا میں بجتے رہے،
 آپ "لیکی" کی کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" کا مطالعہ کریں
 صرف لیکی ہی نہیں دوسرے یورپی مؤرخین نے بھی لکھا ہے کہ
 اہل روما کو سب سے زیادہ مزہ سیانی کے کھیل میں آتا تھا۔

یہ سیانی کیا چیز تھی؟

یہ ایسا کھیل تھا جس میں انسان کو خونخوار جانوروں سے لڑنے
 پر مجبور کیا جاتا تھا،

اسٹیڈیم میں اسی اسی ہزار شائقین جمع ہوتے، امرار اور وزیر
 کی وی آئی پی نشستیں ہوتیں پھر دونوں کے درمیان شمشیر زنی
 کا مقابلہ ہوتا یا پھر انسان کو کسی خونخوار درندے کے سامنے چھوڑ دیا
 جاتا اور تماشائیوں کے لئے اس کھیل کا سب سے دل چسپ مرحلہ
 وہ ہوتا جب ان میں سے کوئی ایک زخموں سے چور ہو کر تر پنے لگتا اس
 وقت تماشا سٹیوں کی تالیوں اور آوازوں سے اسٹیڈیم تو کیا پورا
 شہر گونج اٹھتا۔ (۳)

ہاں تو انسانیت کی جان کنی کا یہی وہ وقت تھا جب

محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نسخہ شفا لیکر تشریف لائے، آپ کے مسلسل علاج سے جاں بلب نوع انسانی کو نئی زندگی ملی، نیا حوصلہ ملا، نئی طاقت ملی، نئی عزت ملی، نیا شعور ملا اور نئی منزل ملی۔

یوں تو نوع انسانی پر محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار احسانا ہیں مگر میں اس وقت آپ کے صرف چھ بڑے بڑے احسانات کا تذکرہ کرنے پر اکتفا کروں گا

سب سے بڑا احسان | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ کے ذریعہ دنیا کو عقیدہ توحید کی نعمت ملی۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مردہ کو زندہ کرتا ہے، بیمار کو شفا دیتا ہے، کمزور کو طاقتور بناتا ہے، غلاموں کو شاہوں سے بات کرنے کا حوصلہ بخشتا ہے، مستضعفین کو جاہلوں کے سامنے سر اٹھا کر چلنے کی جرات عطا کرتا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ساری امیدیں ایک ذات سے وابستہ کر دیتا ہے،

اس عقیدہ کا حامل انسان اس ایک ذات کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا،

اس کے سوا کسی کے سامنے دامن نہیں پھیلاتا،

اس کے سوا کسی کے سامنے سر نہیں جھکاتا،

اس کے سوا کسی کو حاجت رو اور مشکل کشا نہیں سمجھتا۔

حیرت کی بات | حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ انسان جسے اپنی ذہانت

اور طاقت پر بڑا ناز ہے ،
جس نے شاعری میں ، فلسفہ میں ، ادب میں اور سیاست میں
بڑا نام پیدا کیا ،

جس نے قوموں اور ملکوں کو بار بار اپنا غلام بنا لیا ،
جس نے پہاڑوں کے جگر کاٹ کر دریا بہائے ،
جس نے دریاؤں اور فضاؤں کو مسخر کیا ،
جس نے آگ پانی کو بھی اپنا تابع بنا لیا ،
جس نے کبھی کبھی خدائی دعوے بھی کیے ،

وہ انسان جب انسانیت کے مقام سے گرا تو اپنے سے کہیں
زیادہ مجبور اور کمزور بلکہ بے جان چیزوں کے سامنے جھکنے لگا ،
وہ ان سے ڈرتا تھا اور ان کی خوشامد کرتا تھا ،

وہ دریاؤں ، پہاڑوں اور چاند ستاروں سے نہیں بلکہ کپڑوں
مکھڑوں کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوتا تھا ،

وہ جنوں اور شیطانوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتا تھا ،
آپ کی تعلیم | کائنات کے آقا نے بھٹکے ہوئے انسان کو سیدھی
راہ دکھائی ، اسے بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت

کے لائق نہیں ،

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (۴)

وہ تمہارا رب ہے اور تمہارے باپ دادا کا بھی رب ہے

رَبِّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ (۵)

نہ اس کی اولاد ہے ، نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کا کوئی

مددگار ہے

وَقَدْ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ
لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا
زمین و آسمان کو اس نے پیدا کیا۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ (۷)

آسمان میں برج اور چاند ستارے بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔

تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا
سِرَاجًا وَقَمَرًا مُنِيرًا (۸)

زمین کو قرار گاہ، آسمان کو چھت اور صورتوں کو پرکشش اسی نے بنایا۔

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً
وَصَوَّرَكُمُ فَاخْسَنَ صُورَكُمْ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ (۹)

رات اور دن، سورج اور چاند ایک اللہ نے پیدا کیے ہیں لہذا

سورج اور چاند کو نہیں بلکہ ان کے پیدا کرنے والے کو سجدہ کرو۔

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا

لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن

كُنْتُمْ آيَاهُ تَعْبُدُونَ (۱۰)

وانے سے کو نیل، گٹھلی سے پودا، مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ

صرف وہی پیدا کرتا ہے لہذا عبادت کے لائق بھی صرف وہی ہے

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ

مُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۗ ذَٰلِكُمْ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ (۱۱)

وہی ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کے حالات جانتا ہے

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں وہ بحر و بر کی ساری مخلوق کو جانتا ہے، درخت سے جو پتہ گرتا ہے اس کا اسے علم ہوتا ہے، زمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے دانے اور ہر خشک اور تر چیز کا علم اسی اللہ کو ہے۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنَ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (۱۳)

ساری مخلوق کو رزق وہی دیتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا (۱۴)

عزت و ذلت صرف اسی کے قبضے میں ہے۔

وَتُعْزِمُنَّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّنَّ مَن تَشَاءُ ط (۱۵)

ساری کائنات پر صرف اسی کی حکومت ہے۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ (۱۶)

مشرق و مغرب کا مالک صرف وہی ہے۔

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (۱۷)

وہ جس کا رزق چاہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کا چاہے تنگ کر دیتا ہے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ (۱۸)

پہناتا وہی ہے، رُلاتا وہی ہے، زندہ وہی کرتا ہے، مارتا وہی ہے۔

وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَى وَأَنَّهُ أَمَاتَ وَأَحْيَى

وہ جسے چاہے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور

وہ جسے ہدایت دیدے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

وَمَنْ يُضِلِّ اللهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ وَمَنْ يَهْدِ اللهُ فَمَا لَهُ
مِنْ مُضِلٍّ ط (۲۰)

وہ اگر کسی کو تکلیف پہنچانا چاہے تو اسے کوئی دُور نہیں کر سکتا،
اور اگر وہ کسی کو بھلائی پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔
وَإِنْ يَتَسَنَّكَ اللهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ط (۲۱)

اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ لَهٗ قَدِيحٌ ۝

انسان کیا سے کیا بن گیا | یہ وہ عقیدہ تھا جو آپ نے شرک کے بیماروں
کو انداز بدل بدل کر سمجھایا اور اسی عقیدے نے انسان کو بدل کر رکھ دیا۔
وہ انسان جو مظاہرِ فطرت کی پرستش کرتا تھا ان پر حکومت کرنے لگا۔
اس عقیدے نے انسان کی دنیا ہی بدل دی، دلوں کی کشتِ ویران پھر سے
آباد ہونے لگی، مردہ جذباتِ انگریزیاں لینے لگے۔ انسان کو صدیوں کے بعد جاگر
خیر ہونی کہیں انسان ہوں، وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد ہو گیا، اسے خوف اور دہشت
سے نجات مل گئی، وہ اپنے آپ کو ساری مخلوق سے افضل اور ساری دنیا کا منتظم
سمجھنے لگا۔ ہمارا آقا نے اتنے واشگاف اور ٹھوس انداز میں اس عقیدے کو دنیا
کے سامنے پیش کیا کہ مشرکوں کو اپنے شرک پر شرم آنے لگی، وہ اپنے مشرکانہ
عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہو گئے، جس معاشرے میں موجد ہونا بڑی عجیب بات
تھی اب اسی معاشرے میں مشرک ہونا بہت بڑا جرم تصور ہونے لگا۔ قرآن نے دو ٹوک
انداز میں کہہ دیا کہ مشرک کا وجود غلاظت اور نجاست ہے، اسے مسجد کے قریب
بھی نہ آنے دو۔

إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا
يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (۲۲) بیشک مشرک بالکل ہی ناپاک ہیں، وہ اس
سال کے بعد مسجدِ حرام کے پاس بھی نہ پھٹکنے پائیں

آج جو سائنسدان چاند ستاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں تو انہیں محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا ممنون ہونا چاہیے جنہوں نے انسان کے لیے ان کے مسخر ہونے کا اعلان کیا **وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ** اور اس نے چاند سورج کو کام پر لگا رکھا **وَلَيَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى** (۲۳) ہے، ہر ایک مقررہ مدت تک چل رہا ہے۔ ورنہ آپ کی بعثت سے پہلے تو انسان انہیں اپنا معبود سمجھتا تھا، وہ انہیں مسخر کرنے اور ان پر قدم رکھنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوعِ انسانی پر سب سے بڑا اور سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ آپ نے اسے عقیدہ توحید کی تعلیم دے کر صحیح معنوں میں انسان بنا دیا۔

دوسرا احسان | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا بڑا احسان نوعِ انسانی پر یہ ہے کہ آپ نے وحدتِ انسانی کا تصور دیا۔ انسان قوموں اور برادریوں میں بٹا ہوا تھا، کوئی اعلیٰ تھا کوئی ادنیٰ تھا، کوئی مستقل محکوم تھا اور کوئی مستقل حاکم تھا، یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ سارے انسانوں میں سے ہم اللہ کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ بیٹے اور اس کے دوست ہیں
(۲۴)

مصر کے فرعون کہتے تھے کہ ہم سورج دیوتا کے اوتار ہیں ہندوستان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنا رشتہ سورج اور چاند

سے جوڑتے تھے اور اپنے آپ کو سورج بنسی اور چنڈر بنسی کہتے تھے۔
 ایران کے بادشاہوں کا دعویٰ تھا کہ ہماری رگوں میں خدائی خون
 ہے، یہ صرف بادشاہوں کا دعویٰ نہ تھا بلکہ ایران کے عوام بھی یہ سمجھتے
 تھے کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے
 چینی اپنے شہنشاہوں کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔ ان کا
 عقیدہ تھا کہ آسمان زمین اس کا مادہ ہے، اور ان دونوں کے
 اتصال سے کائنات پیدا ہوتی ہے اور ہمارا شہنشاہ اس جوڑے کا
 پلوںٹھا بیٹا ہے۔

عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا (عجم) کہتے تھے اور ان کا
 سب سے ممتاز قبیلہ قریش تو اپنے آپ کو عام عربوں سے بھی اعلیٰ
 اور برتر سمجھتا تھا۔

یہ وہ ناموافق فضا تھی جس میں انسانیت کے سب سے بڑے
 محسن نے رب العالمین کا یہ پیغام سنایا :
 يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ط (۲۵)

اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و
 عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں
 ایک دوسرے کو پہچانو کہنے اور قبیلے بنا دینے
 ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت
 وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

وہ عظیم سورت جسے قرآن کا دیباچہ کہا گیا ہے اور جو سب سے زیادہ
 پڑھی جاتی ہے، اس کی پہلی آیت ہی یہ ہے :
 الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں

کا پروردگار ہے۔ چینی کارب بھی وہی، ہندی کارب بھی وہی، ایرانی کارب بھی وہی، رومی کارب بھی وہی، عربی کارب بھی وہی، عجمی کارب بھی وہی، کالے کارب بھی وہی، گورے کارب بھی وہی، طاقتور کارب بھی وہی، کمزور کارب بھی وہی۔ لہذا انسانوں میں قبیلوں، ذاتوں اور خاندانوں کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، اگر فرق ہے تو تقویٰ اور اخلاق کے اعتبار سے ہے، علم اور عمل کے اعتبار سے۔

فضیلت نہ تو حسب نسب سے ہو سکتی ہے، نہ رنگ و زبان سے بلکہ اللہ کے ہاں فضیلت صرف تدین اور اعلیٰ اخلاق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

تاریخی اعلان | پھر اس وقت کو یاد کیجئے، جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری حج کے لئے میدانِ عرفات میں تشریف لے گئے تھے اور آپ کے ارد گرد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد جمع تھے اس موقع پر آپ نے یہ تاریخی اور انقلاب انگیز اعلان فرمایا

یا ایہا الناس ان ربکم واحد
وان اباکم واحد کلکم من
ادم وادم من تراب ان
اکرمکم عند اللہ اتقکم
ولیس لعرب علی عجمی فضل
الابا بالتقوی - (۲۶)

لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے
تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب
اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے
بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں
سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں
سب سے زیادہ پاک باز ہے، کبھی عربی
کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کی
بنام پر۔

آپ کے اعلان نے تردید کردی ان لوگوں کی جو اپنے آپ کو خدا کی
لاڈلی اولاد کہتے تھے ،

تردید کردی ان لوگوں کی جو اپنا رشتہ سورج اور چاند سے جوڑتے
تھے ،

تردید کردی ان لوگوں کی جو صرف نسب کی بناء پر بھگوان بنے
بیٹھے تھے ،

تردید کردی ان لوگوں کی جو بے عمل بلکہ بد عمل ہونے کے باوجود
انسانی سیادت و قیادت پر قبضہ جمانے بیٹھے تھے

تردید کردی اس نظریہ کی کہ شاہ کا بیٹا بھی پیدا ہوتا ہے
آپ کے اعلان کا خلاصہ یہ تھا کہ اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک

ہے ، تمہارا اب بھی ایک ہے « الرب واحد والاب واحد »
تو پھر یہ تفریق اور تقسیم کیسے ہو گئی کہ ہر عربی اعلیٰ ہے اور ہر عجمی ادنیٰ ہے

ہر قریشی افضل ہے اور ہر اموی مفضول ہے ۔

بھائی بھائی | وہ اعلان تھا جس نے رنگ و نسل کے فرق کے

باوجود تمام صحابہ کو بھائی بھائی بنا دیا تھا ،

آپ جانتے ہیں کہ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فارسی تھے ، بلال رضی اللہ

تعالیٰ عنہ حبشی تھے ، صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رومی تھے ، عداس

رضی اللہ عنہ نینوائی تھے ، ابوذر رضی اللہ عنہ عفارمی تھے ، طفیل رضی اللہ

عنہ دوسی تھے ، ابوسفیان رضی اللہ عنہ اموی تھے ، عدی رضی اللہ عنہ

طائی تھے ، ضماد رضی اللہ عنہ ازدی تھے ، سراقہ رضی اللہ عنہ حاشمی

تھے مگر جو بھی تھے ، بھائی بھائی تھے اور بھائی بھی ایسے کہ « إِنَّمَا

الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ» کی تفسیر، ان کے عمل کو دیکھ کر خود بخود سمجھ آجاتی تھی، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے تھے، خود پیاسے رہ کر دوسروں کو پلاتے تھے، محمود و ایاز ایک ہی صنف میں کھڑے ہو جاتے تھے، وہ ایک ہی فرش پر بیٹھ جاتے تھے، ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے اور ایک ہی برتن میں پانی پی لیتے تھے۔ تو نوعِ انسانی پر آپ کا یہ دوسرا احسان ہے کہ آپ نے انسانوں کے درمیان وحدت اور مساوات کا درس دیا۔

تیسرا احسان | نوعِ انسانی پر محسنِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انسانیت کے احترام اور انسان کی قدر و قیمت کا سبق دیا۔

جس زمانے میں آپ تشریف لائے اس زمانہ میں انسان سے ذلیل کوئی نہیں تھا۔

بعض حیوانات مقدس شمار ہوتے تھے، بعض درختوں کی تکریم فرض سمجھی جاتی تھی، مٹی اور پتھروں سے بنائے ہوئے بتوں کی تعظیم کی جاتی تھی لیکن انسان کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔

ان مقدس حیوانوں، درختوں اور بتوں پر انہوں نے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے، انسان کا خون بے دریغ بہایا جاتا تھا۔

محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کے دل و دماغ میں یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کی سب سے زیادہ قابلِ احترام ہستی ہے، جو کچھ زمین میں ہے سب انسان کے لئے پیدا

کیا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي
الْأَرْضِ جَمِيعًا (البقرہ پ آیت ۲۹)
انسان خلیفۃ اللہ ہے
وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰئِكَةِ
إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً
(البقرہ پ آیت ۳۰)
نائب۔

انسان سجد ملائک ہے۔
وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰئِكَةِ اسْجُدُوا
لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ط
(البقرہ پ، آیت ۳۲)
اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو
سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر
پڑے مگر شیطان

انسان اشرف المخلوقات ہے اسے اللہ تعالیٰ نے کرم و شرف عطا

کیا ہے۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَ
حَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ
رَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ
عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝
(بنی اسرائیل ۷۵ آیت ۷۵)
اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد
کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں
اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں
سے اور بڑھادیں ان کو بہتوں سے جن کو
پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر۔

اللہ کا کنیہ | انسان کی عظمت اور عزت افزائی کی اس سے بڑی سند
کیا ہو سکتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اللہ کا کنیہ قرار
دیا ہے، فرمایا :

الخلق عیال الله فاحب انسان اللہ کا کنبہ میں اور اللہ کو اپنی مخلوق
 الخلق الى الله من احسن میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس
 الى عیالہ - (۲۷)

ایک حدیث قدسی میں انسانیت کی جو بلندی بیان کی گئی ہے اس
 سے زیادہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور سارے مذاہب اس کی مثال پیش کرنے
 سے قاصر ہیں، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا :
 ” اے آدم کی اولاد ! میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا، بندہ
 کہے گا: پروردگار ! میں تیری عیادت کیا کر سکتا ہوں، تو تورب العالمین
 ہے۔ ارشاد ہوگا: کیا تجھے معلوم نہیں میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا
 تو اس کی عیادت کو نہیں کیا تھا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت
 کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد ! میں نے تجھ سے کھانا
 مانگا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ عرض کرے گا پروردگار ! میں
 تجھے کیسے کلا سکتا ہوں تو تورب العالمین ہے۔ ارشاد ہوگا کیا تجھے
 اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو
 نے اسے نہیں کھلایا کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو
 مجھے اس کے پاس پاتا۔

پھر ارشاد ہوگا اے آدم کی اولاد ! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو
 نے مجھے نہیں پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے رب ! میں تجھے کیسے پانی
 پلا سکتا ہوں تو تورب العالمین ہے ! ارشاد ہوگا تجھ سے میرے

فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا « (۲۸)

ایک ایسا مذہب جس میں توحید پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے اور شرک کی سخت تردید کی گئی ہے اس میں یہ اندازِ تکلم انسانیت کی بلندی کا سب سے بڑا اعتراف ہے۔ انسانیت کے محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر اللہ رحم کرے تو تم اس کی مخلوق پر رحم کرو۔ یہ بات آپ نے ایک ایسی حدیث میں ارشاد فرمائی ہے جو مسلسل بالاولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔

حدیثِ مسلسل | مسلسل ان احادیث کو کہا جاتا ہے جن میں

راوی حدیث کے الفاظ ہی کو محفوظ نہیں رکھتا بلکہ اس کیفیت کو بھی محفوظ رکھتا ہے جس کیفیت میں اس نے اپنے استاد کو حدیث بیان کرتے ہوئے دیکھا ہوتا ہے۔ میں آپ کو جو حدیث سن رہا ہوں اس حدیث کے بارے میں متقدمین کا یہ معمول تھا اور عرب ممالک میں اب بھی ایسا ہی ہے کہ حدیث کے اساتذہ اپنے شاگرد کو حدیث کا درس شروع کرتے وقت سب سے پہلے یہی حدیث پڑھاتے ہیں۔ چنانچہ مجھے میرے شیخ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے سب سے پہلے یہی حدیث پڑھائی اور ان سے لے کر امام زمہری تک ہر شیخ نے اپنے شاگرد کو یہی حدیث سب سے پہلے پڑھائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الراحمون یرحمہم الرحمن رحم کرنے والوں پر رحمن کی رحمت

تبارك وتعالى ارحم الراحمين في هوتی ہے اگر تم اہل زمین پر رحم
الارضین یرحمکم من فی السماء کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ
(۲۹) تم پر رحمت نازل کرے گا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے ایک شعر میں اس حدیث کا ترجمہ
اس طرح کیا ہے ۵

کرو مہربانی تم اہل زمین پر خدامہرباں ہو گا عرش بریں پر
اس شعر کو ہمارے بھیک مانگنے والے خوب استعمال کرتے ہیں
اور اپنی بھیک پر مشتمل معروضات کا آغاز بطور خطبہ اس حدیث سے
کرتے ہیں لیکن یاد رکھیں یہ حدیث اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھیک
مانگتے وقت لوگوں کا دل نرم کرنے کے لیے اسے پڑھیں بلکہ یہ اس لیے
ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس پر عمل کریں اور اللہ کی
مخلوق پر اشنا رحم کریں کہ اللہ ہم پر مہربان ہو جائے۔

تب یہ حال ہو گا جس معاشرے میں آقا کی اس تعلیم کو نظر انداز
کیا جائے گا اور انسانیت کا احترام نہیں کیا جائے گا اس معاشرے
میں دولت، کرسی، اقتدار ہر چیز کی قدر ہوگی انسان کی قدر نہ ہوگی
آپ تاریخ اٹھا کر کافر اور ظالم بادشاہوں کے حالات پڑھیں کیا ہوتا
تھا؟ بادشاہ اٹھتے تھے اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے۔

سکندر اٹھا تو کشتوں کے پستے لگاتا ہوا ہندوستان تک
چلا آیا، کتنی ہی قوموں اور تہذیبوں کے چراغ اس نے گل کر دیئے۔
سینر اٹھا اور اس نے انسانوں کا اس طرح شکار کھیلا شروع
کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

ہمارا یہ دور جو بڑا ترقی یافتہ اور مہذب دور کہلاتا ہے اس دور کی دو عالمی جنگوں کا حال پڑھئے تو سرسرم کے مارے جھک جائے گا مگر وہ سر ہمارا ہی ہوگا، یورپ کے ان درندوں کا تو سر کبھی نہیں جھکے گا جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تو معاذ اللہ خونخوار ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اپنے آپ کو انسانیت کا غم خوار اور ہمدرد بنا کر انا چاہتے ہیں حالانکہ ہمارے آقا کی زندگی میں ستائیس غزوات اور ساٹھ سرے پیش آئے ان غزوات اور سرایا میں جو لوگ قتل ہوئے ان کی تعداد ایک ہزار اٹھارہ سے زیادہ نہیں جس میں مسلمان اور کافر دونوں شامل ہیں لیکن ان غزوات کے نتیجے میں جزیرۃ العرب میں ایسا امن قائم ہوا کہ ایک مسافر خاتون قادسیہ سے اپنے اونٹ پر چلتی اور بیت اللہ کی زیارت کرتی مگر اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا لیکن یورپ والوں نے جو دو جنگیں لڑیں ان کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی عالمگیر جنگ میں چونٹھ لاکھ افراد قتل ہوئے اور دوسری عالمگیر جنگ کے مقتولین کی تعداد ساڑھے تین کروڑ اور چھ کروڑ کے درمیان تھی۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ ان دونوں جنگوں سے انسانی سوسائٹی کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہیں ہوا، نہ ظالموں کی سرکوبی ہوئی نہ مظلوموں کو سکون ملا۔ نہ شہروں میں امن و سکون پیدا ہوا۔

بتایا رہا تھا کہ محسنِ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر تیسرا بڑا احسان یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی قدر و قیمت بتائی اور انسانیت کا احترام سکھایا

چوتھا احسان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی سوسائٹی پر چوتھا

بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے انسان پر چھائی ہوئی مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا جس سے انسان کا اپنے اوپر اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہو گیا جو مختلف مذہبی رہنماؤں نے متزلزل کر دیا تھا۔ ہندوستان میں تناسخ اور آواگون کا عقیدہ پایا جاتا تھا، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے پہلے جنم کے گناہوں کی سزا بھگتے، حالانکہ یہ گناہ اس نے نہیں کیے۔ اس عقیدے نے انسان کو مجبور محض بنا دیا تھا۔

عیسائیت کی تعلیم یہ تھی کہ ہر انسان پیدا کنشی گناہ گار ہوتا ہے اور اس کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کفارہ بنتے ہیں۔

کئی ایسے لوگ تھے جو مذہب کے نام پر گنہگاروں سے نفرت کرتے تھے اور انہیں یہ باور کرتے تھے کہ تمہاری مغفرت کی کوئی صورت نہیں اور تم سے خدا ہمیشہ کے لیے ناراض ہو چکا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واشگاف اعلان کیا کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو وہ معصوم ہوتا ہے اس پر گناہ کا کوئی ایک دھبہ بھی نہیں ہوتا وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ البتہ جو کچھ اچھایا بُرا عمل وہ خود کرے گا اس کا بدلہ اسے مل کر رہے گا۔ فرمایا گیا :

الَّذِي تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ
وَأَن تَلِيَنَّ بِلِلِّ نَسَابِ إِلَّا
مَآ سَعَىٰ ۗ وَأَن سَعَيْهِ سَوْفَ
يُرَىٰ ۗ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ
الْأَوْفَىٰ ۗ

کہ اٹھاتا نہیں کوئی اٹھانے والا بوجھ
کسی دوسرے کا اور یہ کہ آدمی کو وہی
ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی
کمائی اس کو دکھلائی ضرور ہے پھر اس کو
بدلہ ملتا ہے اس کا پورا بدلہ۔

آپ نے یہ بھی بتایا کہ اگر کسی انسان سے بڑے سے بڑا گناہ بھی ہو جائے تو اسے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ موت سے پہلے توبہ کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا ہوا ہے آپ نے اس کی اس زور شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شعبہ کا زندہ کرنے والا کہتا صحیح ہوگا۔ اسی لیے آپ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" بھی ہے۔

آپ نے توبہ کے اتنے فضائل بیان فرمائے کہ بڑے بڑے عابدوں اور زاہدوں کو سچے دل سے توبہ کرنے والے گنہگاروں پر رشک آنے لگا۔

قرآن کے اندازِ بیان کو دیکھیں تو گنہگاروں سے نفرت کا اظہار نہیں بلکہ محبت اور اپنائیت کا اقرار ہے۔ سورہ زمر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

قُلْ يُعْبَادِي الَّذِينَ اسْرِفُوا
عَلَىٰ اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن
رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ
الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر آیت ۷۵)

کہہ دو، اے بندو میرے جنہوں نے
کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر، اس
مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ
بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے
گناہ معاف کر نیوالا مہربان

سورہ آل عمران میں توبہ کرنے والوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے
انہیں مغفرت اور جنت کی طرف لپکنے اور جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے،

فرمایا :

وَسَارِعُوا اِلَىٰ مَغْفِرَةٍ
مِّنْ رَبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لَا

اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی
اور جنت کی طرف، جس کا عرض ہے
آسمان اور زمین، تیار ہوئی

اَعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ
 يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَ
 الضَّرَّاءِ وَالْكَاطِمِينَ
 الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ
 النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ
 الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ إِذَا
 فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا
 أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
 فَاسْتَغْفَرُوا لِدُنُوْبِهِمْ ۗ
 وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ ذُنُوبَهُ
 وَاللَّهُ تَعَالَىٰ
 وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوا
 وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
 أُولَٰئِكَ جَزَاءُ مَا كَفَرُوا
 مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَجَنَّتْ تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ خَالِدِينَ
 فِيهَا ۖ وَعِنَّمَا أُجْرُ
 الْعَمَلِينَ ۝

(آل عمران آیت ۱۳۳ تا ۱۳۶)

قرآن مجید کی ایک سورۃ کا نام ہی سورۃ توبہ ہے اس سورۃ کی آیت
 ۱۳۳ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مخصوص بندوں کا ذکر کیا ہے جن سے
 اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے اس فہرست میں عابد بھی شامل ہیں

رکوع کرنے والے بھی شامل، سجدے کرنے والے بھی شامل ہیں لیکن اس نورانی فہرست میں سب سے پہلے جن کا ذکر فرمایا ہے وہ ”تائبون“ ہیں یعنی توبہ کرنے والے۔ فرمایا

التَّائِبُونَ الْعَبَدُونَ الْحَدِيثُونَ
السَّائِحُونَ الرَّكِعُونَ السَّجِدُونَ
الْأَمْرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ
وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ط
وَبَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝
(التوبة - آیت ۱۱۲)

وہ توبہ کرنے والے ہیں، بندگی کرنے والے، شکر کرنے والے، بے تعلق رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، حکم کرنے والے نیک بات کا، اور منع کرنے والے بُری بات سے اور حفاظت کرنے والے ان حدود کی جو باندھی اللہ نے اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو۔

دلداری کی انتہا | آج ہم میں سے کئی کم ظرف ایسے ہیں جو گناہوں سے تائب ہو جانے والوں پر بھی انگلیاں اٹھاتے رہتے ہیں، وہ انہیں طعنہ دیتے ہیں کہ آج بڑے نیک بنتے ہو ہم جانتے ہیں کہ تم ماضی میں کیسے تھے۔ لیکن میرا اللہ جو بڑا رحم الراحمین ہے وہ گنہگاروں کی دل شکنی نہیں بلکہ ان کی دلداری کرتا ہے۔ اس دلداری کی ایک مثال آپ کو سنانا چاہتا ہوں مگر سمجھے گا وہی جو میری بات کو ذرا توجہ سے سنے گا۔ باقی جن کی آنکھیں تو میری طرف ہیں مگر ان کا دماغ کہیں اور ہے وہ بات کو سمجھ نہیں سکیں گے۔

ہو ایوں کہ تین صحابی ایسے تھے جو مخلص ہونے کے باوجود بدلا کسی عذر کے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔

اگر چہ شرکت سے محروم رہنے والے تو اور لوگ بھی تھے مگر وہ منافق تھے اور انہوں نے جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑالی تھی مگر یہ تینوں مخلص صحابی تھے انہوں نے جھوٹ بولنا گوارا نہ کیا اور صاف اقرار کر لیا کہ ہمیں کوئی مجبوری درپیش نہ تھی، بس نفس کی حیلہ سازی اور کاہلی کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تینوں سے بایکاٹ کا حکم دیا، صحابہ رضی اللہ عنہم تو آقا کے حکم کے غلام تھے، سب نے ان تینوں سے بات چیت بند کر دی۔ کل کے مخلص دوست بالکل اجنبی بن کر رہ گئے، جب پچاس راتیں گزر گئیں تو غفور رحیم نے آسمانوں کے اوپر سے ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا لیکن دلداری کی خاطر صرف ان کی توبہ کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ ان کی توبہ کی تمہید میں سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین و انصار کی توبہ کا ذکر بھی فرما دیا جو کہ غزوہ تبوک میں پیش پیش تھے۔

علماء کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی توبہ کا اس لئے ذکر فرمایا تاکہ یہ تینوں احساسِ کمتری میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اس کا اصل مقصد ان کی عزت افزائی اور دلداری تھا۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ

اللَّهُ مَهْرَبَانِ هُوَ نَبِيٌّ بِهِ أُو
الأنصار پر جو ساتھ رہے نبی کے مشکل

اَتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ
 بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ
 مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ طِائِفَةٌ
 مِنْهُمْ رَأَوْا رَحْمَتِي وَعَلَى
 الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا طِائِفَةٌ
 إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا
 رَحَبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
 أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَنْ لَا مَلْجَأَ
 مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ
 عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ
 هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝

(التوبة آیت ۱۱۷-۱۱۸)

کی کھڑی میں بعد اس کے کہ قریب تھا
 کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں
 سے پھر مہربان ہوا ان پر بیشک وہ
 ان پر مہربان ہے رحم کرنے والا ہے
 اور ان تین شخصوں پر جن کو پیچھے رکھا
 تھا یہاں تک کہ جب تنگ ہو گئی ان
 پر زمین باوجود کشادہ ہونے کے اور
 تنگ ہو گئیں ان پر ان کی جانیں اور
 سمجھ گئے کہ کہیں پناہ نہیں اللہ سے
 مگر اسی کی طرف پھر مہربان ہوا ان پر
 تاکہ وہ پھر آئیں بیشک اللہ ہی ہے
 مہربان رحم والا۔

مایوسی نہیں امید اگر آپ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو ان کی
 تعلیمات ایسی ہیں کہ یا تو خطا کاروں کو بالکل چھٹی دے دی گئی ہے کہ
 انہیں خود کچھ کرنے کی ضرورت نہیں فلاں اور فلاں ان کے گناہوں کا
 کفارہ اور ان کے لئے سفارشی بن جائے گا یا پھر ان سے ایسی نفرت ظاہر
 کی گئی ہے کہ انہیں رحمت اور مغفرت سے بالکل مایوس کر دیا گیا ہے
 اور ان کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ تمہاری نجات اور بخشش
 کی کوئی صورت نہیں، جس وقت دنیا میں اسلام کا ظہور ہوا اس وقت
 عمومی صورتحال یہی تھی کہ انسان اپنے آپ سے اپنے رب سے، اپنی نجات سے
 اور مغفرت سے مایوس ہو چکا تھا، اسلام نے آکر مایوسی کے بیماریوں

کو امید کا آبِ حیات پلایا پھر دنیا نے دیکھا کہ قاتلوں، رہزنوں، شرابیوں، زانیوں اور ظالموں نے اپنی گناہ آلود زندگی سے کیسے توبہ کی اور اس توبہ نے کتنے ہی ڈاکوؤں کو زاہد و پارسا بنا دیا، کتنے ہی ظالموں اور قاتلوں کو انسانیت کا محافظ اور غمخوار بنا دیا، کتنے ہی کافروں اور مشرکوں کو مؤمن اور موحد بنا دیا۔ قرآن نے مایوسی کی عالمگیر فضا میں یہ اعلان کر کے امید کے چراغ روشن کر دیئے۔

وَلَا تَأَيَّسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ
إِنَّهُ لَا يَأَيَّسُ مِنْ رَوْحِ
اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ

اور ناامید نہ ہو اللہ کے فیض سے بے شک ناامید نہیں ہوتے اللہ کے فیض سے مگر وہی لوگ جو کافر ہیں۔

(یوسف آیت ۸۷)

سورۃ اعراف میں یوں ارشاد فرمایا

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔

(الاعراف آیت ۱۵۶)

انبیاء کا شیوہ | قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ توبہ کرنا انبیاء کی سنت اور ان کا شیوہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے اجتہادی خطا ہوئی تو انہوں نے یوں مغفرت طلب کی :

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنَّ لَنَا
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ
الْحَاسِرِينَ ۝ (الاعراف آیت ۲۳)

اے رب ہمارے ظلم کیا ہم نے اپنی جان پر، اور اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور سو جائیں گے تباہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کا طلبِ مغفرت کا انداز یہ تھا :

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ

اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے

دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ ط وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ
إِلَّا تَبَاؤًا ۝ (نوح آیت ۲۸)

ماں باپ کو اور جو آتے میسر گھر میں ایماندار
اور سب ایمان والے مردوں کو اور عورتوں کو
اور گنہگاروں پر بڑھتا رکھ یہی پر باد ہونا۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے تھے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيْ
وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

اے رب ہمارے بخش مجھ کو اور میرے
ماں باپ کو اور سب ایمان والوں کو جس دن
قائم ہو حساب۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۴۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انداز یہ تھا :

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَ لِأَخِي
وَ ادْخُلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۝

اے میرے رب معاف کر مجھ کو اور میرے
بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت
میں اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے
(الاعراف آیت ۱۵۱)

تو محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ چوتھا احسان تھا کہ انسان پر چھائی ہوئی
مایوسی کی کیفیت کو دور کر دیا اور اسے بخشنے والے، توبہ قبول کرنے والے اور رحم
کرنے والے اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔

پانچواں احسان | محترم حاضرین! پچھلے دو جمعوں سے انسانی سوسائٹی
پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو بڑے بڑے احسانات ہیں وہ بیان
کر رہا ہوں اور ان کے بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہمارے دل میں آپ کی
ایسی محبت پیدا ہو جائے جو ہمیں آپ کی اتباع اور غلامی پر مجبور کر دے۔

بھائیو اور دوستو! ہمیں تو بس یہی باتیں کرنی ہیں ادھر ادھر
کے بے بنیاد قصے اور کہانیاں نہ ہمیں آتی ہیں اور نہ ہی ان کے سنانے میں ہم

کوئی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

آج کی نشست میں انسانی سوسائٹی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں احسان بیان کرنا چاہتا ہوں اور آپ کے پانچویں احسان کا عنوان ہے « دین و دنیا کی وحدت کا تصور »، قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک کا نام دین تھا اور دوسرے کا نام تھا دنیا۔ کلیسا میں دین تھا اور قصرِ شاہی میں دنیا تھی، گرجا میں دین تھا اور منڈی اور بازار میں دنیا تھی، گیان دھیان دین تھا اور مکان دوکان دنیا تھی۔

دیندار بننے کے لئے دنیا کو خیر باد کہنا ضروری تھا اور دنیا دار بننے کے لئے دین سے کنارہ کشی ضروری تھی۔

دین اور دنیا دو الگ الگ کشتیاں تھیں اور کوئی بھی شخص بیک وقت ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہو سکتا تھا

مذہب کے علمبرداروں نے یہ بات ذہنوں میں بٹھادی تھی کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے دنیا کی لذتوں اور دنیا کے کاروبار سے تعلق توڑنا ضروری ہے چنانچہ چند باہمت تو ایسے تھے جنہوں نے شادی بیاہ، تجارت، کاروبار، والدین کے حقوق اور تمام معاشرتی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر رہبانیت کی زندگی اختیار کر لی یوں وہ مذہبی رہنماؤں کے خیال میں دیندار بن گئے لیکن ان لوگوں کی اکثریت کے لئے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا لہذا انہوں نے دین کے بجائے دنیا کا انتخاب کر لیا اور وہ اسی پر مطمئن ہو گئے، انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہم دنیا کے تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ دیندار نہیں بن سکتے اور دنیا کے تقاضوں کو تو دبا یا نہیں

جاسکتا تھا لہذا انھوں نے دنیا دار بننا پسند کر لیا۔

دین و دنیا کی یہ تقسیم کوئی ماضی کا قصہ نہیں ہے بلکہ آج کے ترقی یافتہ یورپ میں اس کا عملی مظاہرہ اب بھی دیکھا جاسکتا ہے اور اسی تقسیم نے بے شمار انسانوں کو مذہب سے بے گانہ اور ملحد اور بے دین بنا دیا،

ناقابل فراموش احسان

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقابل فراموش احسان ہے کہ آپ نے دین اور دنیا کی اس تقسیم کو ختم کر کے پوری زندگی کو عبادت اور ساری زمین کو عبادت گاہ بنا دیا۔

آپ نے سمجھایا کہ تمام اعمال اور اخلاق کا اصل مدار نیت پر ہے جتنے بھی جائز کام ہیں وہ اپنی ذات میں نہ دین ہیں نہ دنیا ہیں، جس کام کے پیچھے رضاء الہی کے حصول کا جذبہ ہو وہ دین ہے اور جس کام کے پس پشت یہ جذبہ نہ ہو وہ دنیا ہے۔

لہذا اگر کوئی شخص رضاء الہی کے جذبے کے ساتھ حکومت کرتا ہے، تو دین ہے،

سیاست کرتا ہے تو دین ہے،

تجارت کرتا ہے تو دین ہے،

کافروں اور ظالموں سے جنگ کرتا ہے تو دین ہے،

ازدواجی حقوق ادا کرتا ہے تو دین ہے،

معاشرتی ذمہ داریاں نبھاتا ہے تو دین ہے،

محنت مزدوری کرتا ہے تو دین ہے۔

اور اگر یہ جذبہ کارفرمانہ ہو بلکہ ریاکاری اور نمود و نمائش کی نیت ہو تو پھر :

نماز روزہ، صدقہ خیرات بھی دنیا ہے ،
 ہجرت اور جہاد و قتال بھی دنیا ہے ،
 ذکر و تسبیح اور عبادت و ریاضت بھی دنیا ہے ،
 وعظ و تقریر اور درس و تدریس بھی دنیا ہے ۔
 عبادت گاہ صرف مسجد نہیں بلکہ ہر وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے حکموں
 کو اللہ کی رضا کے لئے پورا کیا جائے ۔

یوں قصر شاہی بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے ،
 دوکان ، بازار اور گھر بھی عبادت گاہ بن سکتا ہے ،
 منڈی ، کارخانہ اور فیکٹری بھی عبادت گاہ بن سکتی ہے ،
 غیر مسلموں کو عبادت گاہ میں جانا پڑتا ہے اور مخلص مسلمان جہاں
 چلتا پھرتا ہے ، جہاں اٹھتا بیٹھتا ہے ، جہاں سوتا جاگتا ہے اور جہاں
 لین دین کرتا ہے وہ جگہ عبادت گاہ بن جاتی ہے ،

اس کی عبادت بھی اللہ کے لئے ،
 اس کی سیاست بھی اللہ کی رضا کے لئے ،
 اس کی دوستی اور دشمنی بھی اللہ کی رضا کے لئے ،
 اور اس کی معیشت و تجارت بھی اللہ کی رضا کے لئے
 سوچئے یہ کتنا بڑا احسان ہے محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوع انسان کو
 کیسے نکلیا کیا اپنے مختلف خانوں میں بیٹے ہوئے انسانوں کو ،
 کیسے ایک صف میں کھڑا کیا تاجر اور درویش کو ، امیر اور فقیر کو ،

شہ سوار اور شب زندہ دار کو،

کیسی وحدت پیدا کی دین اور دنیا میں، عبادت اور سیاست میں،
تسبیح اور تلوار میں۔

چھٹا احسان | محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوع انسانی پر چھٹا احسان
یہ ہے کہ آپ نے منزل مقصود سے بے خبر انسان کو اس کی منزل سے آگاہ
کر دیا۔ آپ کی بعثت کے زمانے کا انسان اپنی حقیقی منزل سے بے خبر
ہو چکا تھا، اسے یاد نہیں رہا تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے اور میری کوششوں
کا اصل ہدف کیا ہے۔

چھوٹی چھوٹی چیزوں کو انسان نے اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا،
وہ انہی کے لئے جیتا اور انہی کے لئے مرتا تھا۔

کسی کو کامیابی دولت کے انبار میں نظر آتی تھی
کسی کو کامیابی زیادہ سے زیادہ انسانوں پر حکمرانی میں دکھائی دیتی تھی
ہزاروں لاکھوں انسان ایسے تھے جن کا پر دازِ تخیل نقش و نگار
لذت و ذائقہ اور شہوت پرستی سے بلند نہیں ہوتا تھا

ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانے کے
دولت مندوں اور بادشاہوں کی خوشامد میں استعمال ہوتی تھی،
بے شمار لوگ ایسے تھے جن کی پوری زندگی چوری چکاری اور دھوکے
فریب میں بسر ہو جاتی تھی،

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسل انسانی کے سامنے اس کی
حقیقی منزل لا کر کھڑی کر دی۔

آپ نے دلوں میں یہ بات بٹھادی کہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد

اللہ سے راضی ہونا اور اللہ کو راضی کرنا ہے،
اس کی عبادت اور اس کی تجارت سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے
ہونا چاہئے،

انسان کو صرف ظاہر کی نہیں بلکہ باطن کی بھی فکر کرنی چاہئے،
اس کی نظر صرف دنیا پر نہیں بلکہ آخرت پر بھی ہونی چاہئے،
اندر تبدیل بدل کر آخرت کی زندگی اور اس کی اہمیت و عظمت کو اس
قدر تکرار کے ساتھ بیان کیا گیا کہ دلوں میں آخرت کی محبت بیٹھ گئی،
قرآن کریم کا بھی مطالعہ کیا جائے تو غالباً توحید کے بعد جو مضمون
سب سے زیادہ قرآن میں بیان ہوا ہے وہ آخرت ہی کا مضمون ہے۔

سورہ انعام میں ہے :

وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ
وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ (الانعام آیت ۳۲)

اور نہیں ہے زندگی گانی دنیا کی مگر کھیل
اور جی بہلانا اور آخرت کا گھر بہتر
ہے پر ہنرگاروں کے لئے۔

سورہ توبہ میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ
إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ
اللَّهِ إِنَّا قُلْنَا إِلَى الْأَرْضِ
أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ
الْآخِرَةِ ۖ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ
الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

اے ایمان والو تم کو کیا ہوا جب تم
سے کہا جاتا ہے کہ کوچ کرو اللہ کی راہ
میں تو گرے جاتے ہو زمین پر، کیا خوش
ہو گئے دنیا کی زندگی پر آخرت کو تھوڑا کر
سو کچھ نہیں نفع اٹھانا دنیا کی زندگی
کا آخرت کے مقابلہ میں مگر بہت

تھوڑا،

(التوبہ آیت ۳۸)

وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ
إِلَّا مَتَاعٌ ۝ (الرعد آیت ۲۶)

اور فریفتہ ہیں دنیا کی زندگی پر اور
دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے آگے
مگر متاعِ حقیر۔

سورة القیامہ میں ہے :

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَ
تَذَرُونَ الْآخِرَةَ ۝ وَجُوهٌ
يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا
نَاطِرَةٌ ۝ وَوَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ
بَاسِرَةٌ ۝ تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا
فَاقِرَةٌ ۝

کوئی نہیں پر تم چاہتے ہو جو جلد
اور چھوڑتے ہو جو دیر میں آئے، کتنے
منہ اس دن تازہ ہیں اپنے رب کی
طرف دیکھنے والے، اور کتنے منہ اس
دن اُداس ہیں خیال کرتے ہیں کہ ان
پر وہ آئے جس سے ٹوٹے کمر۔

(القیامہ آیت ۲۰ - ۲۵)

پھر کتنی ہی ایسی سورتیں اور آیات ہیں کہ ان میں قسمیں اٹھا اٹھا کر
قیامت کے وقوع کا یقین دلایا گیا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا | اس تکرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ سوچوں کا رخ بد گیا
جہد و کاوش کا ہدف بدل گیا،

وہ لوگ جو صرف کھانے پینے، لذت و ذائقہ اور شہوت پرستی
کے لئے زندہ تھے ان کے دلوں میں نئی حرارت اور دماغوں میں نیا جذبہ
پیدا ہو گیا اور کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل تک پہنچنے کے لئے رنکل
کھڑے ہوئے۔

ان کی طلب کی شدت کو دیکھ کر عقل کے پرستار انہیں دیوانہ

سمجھتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانیت صدیوں سے سوئی ہوئی تھی اور اب
اچانک بیدار ہو کر مصروفِ عمل ہو گئی ہے،

آپ تاریخ کی کتابیں پڑھیں، آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد
سے پہلے کی انسانی سوسائٹی اور بعد کی سوسائٹی کے درمیان فرق دیکھ کر
حیران رہ جائیں گے،

آپ کو تعجب ہو گا کہ کیا واقعی یہ وہی انسان ہے کہ کل تک جس کی
سب سے بڑی منزل وزارت تھی، بادشاہت تھی، حکومت تھی، کرسی تھی،
تخت و تاج تھا،

جس کا سب سے بڑا ہدف دولت پرستی تھی، شہوت پرستی تھی،
جاہ پرستی تھی، اقتدار پرستی تھی، شخصیت پرستی تھی، حُسن پرستی تھی،
غرضیکہ بہت ساری پرستیاں تھیں اگر نہیں تھی تو خدا پرستی نہیں تھی،
اور پیغامِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے عام ہونے کے بعد ساری پرستیوں
کے چراغ ماند پڑ گئے اور خدا پرستی کا چراغ کچھ اس طرح چمکا کہ ظاہر تو ظاہر،
باطن بھی چمکا چونکہ ہو گئے۔

چہرے ہی روشن نہ ہوئے دل بھی روشن ہو گئے،
شہر کے شہر اور بستیوں کی بستیاں خدا طلبی اور خدا شناسی
میں لگ گئیں۔

عرب ہو یا کہ عجم، مصر ہو یا کہ شام، ایران ہو یا کہ ترکستان،
عراق ہو یا کہ خراسان، اسپین ہو یا کہ شمالی افریقہ، ہندوستان ہو
یا کہ جزائرِ شرقِ الہند ہر جگہ اسی شرابِ معرفت کے متوالے نظر آنے لگے۔
وہ دل جن میں دولت کی حرص، شہوت کی ہوس، اقتدار کی خواہش

اور مخالفین کے لئے بغض و حسد کے سوا کچھ نہ تھا، انہی دلوں میں عشقِ الہی کی روشنی، علم و معرفت کی محبت، اخلاص و وفا کی چمک اور انسانیت کا درد ایسا سمایا، ایسا سمایا کہ دیکھنے والوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ وہی انسان ہیں جو کل تک سر سے پاؤں تک مادہ پرستی میں ڈوبے ہوئے تھے اور محسوسات سے ماورا کسی چیز کو ماننا ان کے لئے کسی عجبہ سے کم نہ تھا۔

آپ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پڑھیں، آپ تابعین رحمہم اللہ کی زندگیوں کا مطالعہ کریں، آپ تبع تابعین رحمہم اللہ کی سیرت اٹھا کر دیکھیں، آپ ان سے بعد کے لوگوں کی سوانح پر نظر ڈالیں، آپ کو ان میں ایسے خدامست، ولی کامل، داعی حق اور خادمِ خلق نظر آئیں گے جن پر فرشتے بھی رشک کریں،

ان کی خلوتیں عبادت و تلاوت سے معطر ہوتی تھیں،
ان کی جلوتوں میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوتا تھا،

ان کا دل غمگین رہتا تھا اور آنکھیں روتی تھیں، یہ سب کیسے ممکن ہوا؟

یقین فرمائیں یہ نتیجہ تھا ان کے حقیقی منزل سے باخبر ہونے کا، جب تک ان کی منزل یہ فانی دنیا اور اس کے عارضی منافع تھے، ان کے دل پتھروں کی طرح سخت اور ان کی آنکھیں خشک تھیں، وہ اپنی ذات کے علاوہ کسی کے لیے نہیں سوچتے تھے، لیکن جب وہ اپنی حقیقی منزل سے باخبر ہوئے تو سب کچھ بدل گیا، ایک نیا انسان وجود میں آ گیا جو پہلے انسان سے یکسر مختلف

اور بالکل حمت از تھا۔

محترم بزرگو اور دوستوں! نوع انسانی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چھ بڑے بڑے احسانات ہیں یعنی عقیدہ توحید، وحدت انسانی کا تصور، انسانیت کا احترام، اللہ کی رحمت سے امید کا یقین، دین و دنیا کی وحدت اور حقیقی منزل کی نشاندہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے احسانات کو محسوس کرنے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا غلام بننے کی توفیق نصیب فرمائے

محمدؐ کی غلامی دین حق کی شرطِ اول ہے
گر ہو اسی میں خرابی تو سب کچھ نامکمل ہے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین

حوالہ جات

- (۱) صحیح بخاری مشکوٰۃ ص ۲۸ ج ۱
- (۲) آل عمران، آیت ۱۰۳
- (۳) تاریخ اخلاق یورپ بحوالہ نبی رحمت ص ۶۱۴
- (۴) سورة البقرہ آیت ۲۵۵
- (۵) سورة الشعراء آیت ۲۶
- (۶) سورة بنی اسرائیل آیت ۱۱۱
- (۷) سورة الانعام آیت ۷۳
- (۸) سورة الفرقان آیت ۶۱

- (٩) سورة المؤمن آيت ٦٢
 (١٠) سورة حم السجده آيت ٣٤
 (١١) سورة الانعام آيت ٩٥
 (١٢) سورة الشعراء آيت ٢٢٠
 (١٣) سورة الانعام آيت ٥٩
 (١٤) سورة هود آيت ٦
 (١٥) سورة آل عمران آيت ٢٦
 (١٦) سورة يوسف آيت ٢٠
 (١٧) سورة البقره آيت ١١٥
 (١٨) سورة الرعد آيت ١٣
 (١٩) سورة النعم آيت ٢٣-٢٢
 (٢٠) سورة الزمر آيت ٣٦-٣٤
 (٢١) سورة يونس آيت ١٠٤
 (٢٢) سورة التوبه آيت ٢٨
 (٢٣) سورة الزمر آيت ٥
 (٢٤) سورة المائدة آيت ١٨
 (٢٥) سورة الحجرات آيت ١٣
 (٢٦) كنف العمال
 (٢٧) مشکوة ص ٢٢٥ قديمي كتب خانه
 (٢٨) صحيح مسلم ص ٣١٨ ج ٢ باب عيادة المريض - قديمي كتب خانه
 (٢٩) ابو داود .

مقصدِ بعثت

انسانیت کو تونے وہ آئین دے دیا گویا پیام نازشس تمکین دے دیا
 عالم کو ذوقِ جلوہ تزیین دے دیا ٹوٹے دلوں کو مرشدہ تسکین دے دیا
 گونجی صنم کدوں میں صد اللہ کی
 صورت نکال دی ہے خدا سے تباہ کی

(احسان دانش)

» اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے، حکمت کے تحت پیدا کیا ہے
یہ پہاڑ، یہ درخت، یہ ندی نالے، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چرند
یہ پرند ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں ہے۔ جہاں اشیاء
کی تخلیق بے مقصد نہیں تو ان کی تخلیق ہی بے مقصد کیوں
ہو، بلکہ جو چیز جتنی اعلیٰ ہوگی اس کا مقصد تخلیق بھی اتنا
ہی اعلیٰ ہوگا۔ تو اب سوچئے کہ وہ انسان جو سارے انسانوں سے
اعلیٰ ہے، سارے جنوں سے افضل ہے اور سارے فرشتوں سے
برتر ہے، اس کا مقصد تخلیق اور مقصد بعثت کتنا اونچا ہوگا۔
میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقیناً ساری کائنات سے افضل اور اعلیٰ تھے۔ لہذا آپ کی
تخلیق اور بعثت کے مقاصد بھی سب سے اعلیٰ تھے «

مقصدِ بعثت

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

امَّا بَعْدُ :

فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ
آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

ترجمہ : وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں
کا، پڑھ کر مانتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا
ہے ان کو کتاب اور عقلمندی .

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز ! اس دنیا میں جو انسان بھی آیا
ہے اس کی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو سوال
کیا ہے :

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْتُمْ لِئِنَّا لَا تَرْجِعُونَ ○
کھیلنے کو اور تم ہمارے پاس پھر کرنے آؤ گے
اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا کیا ہے حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔

یہ پہاڑ، یہ درخت، یہ ندی نالے، یہ زمین، یہ آسمان، یہ چرند،
یہ پرند — ان میں سے کوئی چیز بھی بے فائدہ نہیں ہے جب ان اشیاء

کی تخلیق بے مقصد نہیں تو انسان کی تخلیق ہی بے مقصد کیوں ہو
کیونکہ جو چیز جتنی اعلیٰ ہوگی اس کا مقصد تخلیق بھی اتنا ہی اعلیٰ ہوگا تو اب
سوچئے کہ جو انسان سارے انسانوں سے اعلیٰ ہے، سارے جنوں سے
افضل ہے اور سارے فرشتوں سے برتر ہے، اس کا مقصد تخلیق اور مقصد
بعثت کتنا اونچا ہوگا۔

میکر اور آپ کے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً
ساری کائنات سے افضل اور اعلیٰ تھے لہذا آپ کی تخلیق اور بعثت کے
مقاصد بھی سب سے اعلیٰ تھے اور خطبے میں جو آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے
اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
کے مقاصد بیان فرمائے ہیں۔ اور وہ چار ہیں :

تلاوتِ کتاب | آپ کی بعثت کا پہلا مقصد اللہ تعالیٰ تے تلاوت
بیان فرمایا ہے۔ جو لوگ معنی سمجھے بغیر تلاوت کو بے فائدہ کہتے ہیں نہیں
اپنے فتوے پر نظر ثانی کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تلاوت کو حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرار دیا ہے اور خود اللہ کے نبی نے تلاوت
کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

حضرت لقمان بن بشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

میری امت کی سب سے افضل عبادت قرآن پاک کی تلاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا سب سے موثر ذریعہ کلام اللہ کی
تلاوت ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے کلام کی تلاوت سے جتنی خوشی ہوتی ہے

دوسرے کسی کلام سے نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ میں جب کسی کو انہماک سے اپنی کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں تو اجنبیت کے باوجود اس سے ایک انس سا محسوس کرتا ہوں۔ تو جب ایک انسان کا یہ حال ہے تو رب العالمین جو بڑا ہی غیور اور بڑا قدر دان اور محبت کرنے والا ہے، وہ جب دیکھتا ہوگا کہ میرا ایک بندہ بڑی محویت اور چاہت کے ساتھ میری کتاب کی تلاوت کر رہا ہے تو وہ کس قدر خوش ہوتا ہوگا

قرآن کریم کی تلاوت سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور دل میں ایمان کا نور پیدا ہوتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه القلوب تصدأ كما تصدأ الحديد اذا اصابه الماء قيل يا رسول الله وما جلاءها قال كثرة ذكر الموت وتلاوة القرآن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے کہ پانی لگ جانے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ سوال کیا گیا کہ یا رسول اللہ! پھر اس کی صفائی کا ذریعہ کیا ہے فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا حسد الا على اثنين ، رجل آتاه الله القرآن

دو شخصوں کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے

فہو یقوم بہ آناء اللیل قرآن شریف کی تلاوت کی توفیق بخشی
 و آناء النهار ورجل اور وہ دن رات اس میں مشغول رہتا
 آتاه اللہ مالاً فہو ینفق دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال
 منہ آناء اللیل و آناء کی کثرت عطا فرمائی اور وہ دن رات
 النهار اسے خرچ کرتا ہے۔

تلاوت کرنے والے | تلاوت کے ان فضائل کا نتیجہ یہ نکلا کہ
 امت کے ہر دور میں مسلمانوں نے تلاوت کو خاص اہمیت دی، ان
 کی زندگی کا وافر حصہ قرآن کی تلاوت میں صرف ہوتا تھا ایسے لوگ بھی
 گزرے ہیں جو ہر روز پورے قرآن کی تلاوت فرما لیتے تھے۔
 حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں طبقات ابن سعد میں ہے
 کہ وہ رات کو عبادت میں بسر کرتے تھے اور ایک رکعت میں قرآن ختم
 کر لیتے تھے۔ نماز کے علاوہ دیکھ کر بھی قرآن کی تلاوت کرتے تھے جس کی
 وجہ سے آپ کا قرآن مجید اتنا بوسیدہ ہو گیا تھا کہ لوگوں نے جب وفات
 کے بعد دیکھا تو وہ پھٹ چکا تھا۔

شہادت کے وقت بھی قرآن مجید آپ کے سامنے کھلا رکھا تھا اور
 خون کا پہلا قطرہ قرآن کریم پر ہی گرا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں انخیرات الحسان میں ہے
 کہ وہ رمضان المبارک کے مہینے میں اسٹھ قرآن کریم ختم فرما لیتے تھے۔
 امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بھی کتابوں میں لکھا ہے کہ
 وہ ویسے تو روزانہ ایک قرآن پڑھتے تھے لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا تو
 وہ ساٹھ ختم نماز میں پڑھتے تھے۔

یہ صرف پرانے لوگوں کی باتیں نہیں، ہمارے دور میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تلاوتِ قرآن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے اور جن کی دلوں کی غذا تلاوت ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگر وہ تلاوت سے محروم ہو گئے تو زندہ نہیں رہ سکیں۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی آپ بیتی میں خود ان سے منقول ہے کہ بیالیس سال سے زیادہ تک میرا یہ معمول رہا کہ رمضان میں ہر روز پورا قرآن ختم کر لیتا تھا اور فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رمضان میں اپنے دوستوں کو بھی ترغیب دی کہ زیادہ سے زیادہ قرآن ختم کرو تو کئی حضرات نے ساٹھ ساٹھ قرآن ختم کئے اور مولانا انعام الحسن صاحب رحمہ اللہ نے تو اکٹھ قرآن ختم کر دیتے مردوں کو چھوڑیئے عورتوں کا یہ حال تھا کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میری دادی صاحبہ رحمہا اللہ کا معمول تھا کہ وہ ماہِ مبارک میں سترہ ہزار تسبیحات کے علاوہ روزانہ چالیس پاروں کی تلاوت فرمالتی تھیں۔

میرے بزرگوار اور دوستو! تلاوت کے واقعات بے شمار ہیں اس مختصر سے وقت میں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں اگر رب تعالیٰ نے توفیق دی تو انشاء اللہ کسی دوسرے موقع پر تلاوت کے فضائل، آداب اور واقعات کے بارے میں مستقل بات کروں گا۔ مجھے تو بس یہ بتانا تھا کہ تلاوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک اہم مقصد تھا جسے آپ نے یوں پورا فرمایا کہ پوری امت کو قرآن کی تلاوت پر لگا دیا چنانچہ آج بھی دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن کریم ہے۔

ایک فرق عربی میں دو لفظ قریب والمعنی استعمال ہوتے ہیں ایک تلاوت

اور دوسرا قرأت۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ دونوں کا معنی پڑھنا ہے لیکن اپنے دیکھا ہوگا کہ دوسری کتابوں کے پڑھنے کے لیے ”قرأت“ کا لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن قرآن کریم کے پڑھنے کے لئے خاص طور پر تلاوت کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے اور دوسری کوئی کتاب خواہ وہ حدیث ہی کی کیوں نہ ہو اس کے لئے تلاوت کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ قرأت کا معنی تو صرف پڑھنا ہے، لیکن تلاوت ایسے پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی لحاظ ہو۔ تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے بارے میں فرمایا ”يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ“ تو اس میں حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے دو باتیں بتائی ہیں ایک یہ کہ لوگو! یہ میرے نبی کا معجزہ ہے کہ وہ ”اُمّی محض“ ہونے کے باوجود قرآن پڑھتا ہے، چالیس سال کی عمر تک وہ ایک لفظ بھی نہیں پڑھ سکتا تھا اور چالیس سال کے بعد جب ”اِقْرَأْ“ کا حکم ملا تو اس کی زبان کی گرہ کھل گئی اور وہ یکایک پڑھنے لگا۔ اور دوسری بات یہ کہ وہ صرف پڑھتا ہی نہیں بلکہ جو کچھ پڑھتا ہے خود اس کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔ وہ جو کچھ تمہیں اپنی زبان سے پڑھاتا ہے اسے تم اس کی کتاب زندگی میں بھی پڑھ سکتے ہو۔

غرض اپنی اپنی | ایک اور بات ذہن میں آنی ہے اس کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ بات یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت سے ہر ایک کی غرض مختلف ہوتی ہے۔ ایسے بدقسمت لوگ بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت محض دنیا کمانے کے لئے کرتے ہیں۔

کسی نے قرآن خوانی کی پارٹی بنا رکھی ہے، کوئی فیکٹریوں، کارخانوں

اور دوکانوں میں بھاگا بھاگا پھرتا ہے، ان لوگوں کو خالص اللہ کی رضا کے لیے تلاوت کا موقع تو شاید ہی میسر آتا ہو لیکن دنیا کے لالچ میں یہ پوری پوری رات تلاوت کے لئے تیار رہتے ہیں، گھروں میں، دوکانوں میں، فیکٹریوں میں، کارخانوں میں یہاں تک کہ قبرستانوں میں جہاں بھی آپ اٹھیں لے جانا چاہیں یہ لوگ تلاوت کے لئے چل پڑیں گے، یہ حضرات تلاوت سے چند ٹکے تو کما لیتے ہیں لیکن آخرت کے ثواب سے یہ قطعاً محروم رہتے ہیں۔

بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآن کی تلاوت اس لیے کرتے ہیں تاکہ اس کی

ادبی زبان اور فصاحت و بلاغت سے لطف اندوز ہو سکیں۔ آپ کو یقیناً میری یہ بات بڑی عجیب لگے گی لیکن یہ بات سبھی حقیقت ہے کیونکہ غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی اور انگریز قرآن کو عربی ادب کا شہ پارہ تسلیم کرتے ہیں اور اس کے ادبی محاسن سے استفادہ کے لیے اور اس کی فصاحت و بلاغت سے مزہ حاصل کرنے کے لیے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے پڑھنا تو شروع کیا تھا فصاحت کے لیے اور لذت کے لیے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا کر دی اور قرآن زبان اور دماغ سے ہوتا ہوا ان کے دل میں اتر گیا۔

آپ نے مولانا عبد الماجد دریا بادی کا نام ضرور سنا ہوگا، کئی کتابوں کے مصنف ہیں قرآن کریم کی تفسیر بھی انھوں نے لکھی ہے اور بڑی عجیب تفسیر ہے، اردو میں بھی ہے، انگریزی میں بھی ہے۔ اصل میں تو انہوں نے انگریزی میں لکھی تھی لیکن بعد میں خود ہی اردو میں اس کا ترجمہ کر دیا۔

دریا بادی صاحب ہمیشہ سے کوئی مذہبی آدمی نہیں تھے بلکہ ان پر ایک

دور ایسا بھی آیا کہ وہ ملحد ہو گئے تھے، اللہ کا انکار کر دیا، نبوت و رسالت کا انکار کر دیا، مذہب کا انکار کر دیا لیکن وہ اللہ جو بنجر زمین کو آباد کر دیتا ہے، اور مردہ انسانوں میں جان ڈال دیتا ہے اسی نے ان کو دوبارہ دین کی طرف پلٹنے کی توفیق دی اور ایسے پلٹے کہ بالکل بدل گئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے انہوں نے اصلاحی تعلق قائم کیا اور مختلف موضوعات پر دینی کتابیں لکھیں۔

دریابادی صاحب کو دوبارہ دین کی طرف لانے میں مشہور شاعر حضرت اکبر الہ آبادی رحمہ اللہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا اور وہ بڑے حکیمانہ انداز میں انہیں سمجھا بچھا کر ایمان کی طرف اور قرآن کی طرف لائے۔

دریابادی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک دن جناب اکبر الہ آبادیؒ مجھ سے فرمانے لگے کہ عبد الماجد صاحب! آپ کو اللہ کے بارے میں تو شک ہے لیکن آپ تھوڑی دیر کے لئے اللہ میاں کے مسئلہ کو الگ رکھیے مجھے صرف اس سوال کا جواب دیجئے کہ کیا آپ کو کبھی اپنے بندہ ہونے میں بھی شک ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، اپنے بندہ ہونے میں تو کبھی شک نہیں ہوا، حضرت اکبرؒ نے میرا جواب سن کر فرمایا کہ بس پھر تو بڑھ پار ہے، اپنی بندگی کا احساس کرتے رہئے آپ کے لیے یہی کافی ہے اللہ کی معرفت نہاد غویٰ کون کر سکتا ہے، ہر شخص کی پہنچ اور معرفت اپنے اپنے مقام تک رہی ہے اور پھر اپنا یہ شعر سنایا۔

درد تو موجود ہے دل میں شفا ہو یا نہ ہو

بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو

بات ذرا طویل ہو گئی، اصل واقعہ جو میں سننا چاہتا تھا وہ یہ کہ

دریابادی صاحب کہتے ہیں کہ میں چونکہ ملحد ہو چکا تھا، نماز اور قرآن سے دور تھا تو ایک دن حضرت اکبر کہنے لگے ”کیوں صاحب آپ نے کالج میں عربی کا مضمون لیا تھا نا، میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے عربی پڑھی ہے، پھر پوچھا کیا آپ کبھی قرآن پڑھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جواب یہی ہو گا کہ میں قرآن نہیں پڑھتا اس لیے کہ ایک سنکر خدا کا قرآن سے کیا تعلق؟ حضرت اکبر نے فرمایا جناب آپ قرآن کو مذہبی کتاب سمجھ کر نہ سہی، عربی ادب سے اپنا تعلق قائم رکھنے کے لیے ہی کبھی کبھی پڑھ لیا کریں اس لیے کہ آپ اپنے موجودہ خیالات کی وجہ سے اگرچہ قرآن کو آسمانی کتاب نہیں سمجھتے لیکن اس سے تو آپ کو بھی انکار نہیں کہ یہ عربی کا اعلیٰ لٹریچر ہے آخر آپ انگریزی لٹریچر بھی تو پڑھتے ہیں، قرآن کو بھی پڑھ لیا کریں، پھر آپ چونکہ مذہب اور مذہبی مسائل سے انکار کرتے ہیں اس لیے آپ کیلئے نہ وضو کی قید ہے، نہ قبلہ رخ بیٹھنے کی قید ہے، جب دل چاہے وضو بے وضو کچھ پڑھ لیا کریں، جو آیت پسند آئے اسے ذرا دو ایک بار پڑھ لیا کریں، جیسے اچھے شعر کو دو چار بار پڑھ لیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے کہ وہ جو قرآن کا انکار کرتا تھا، قرآن کو ہاتھ لگانے کے لیے تیار نہیں تھا، ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن کی تفسیر لکھنے کی توفیق عطا فرمادی۔

حاضرین محترم! اب آپ میری بات ضرور سمجھ گئے ہوں گے کہ بعض لوگ قرآن کی تلاوت اس پہلو سے بھی کرتے ہیں کہ یہ عربی ادب کا شاہکار کلام ہے اس لیے یورپ کی کئی یونیورسٹیوں کے عربی ادب کے مضمون پر قرآن کریم داخلِ نصاب ہے۔

دو قسم کے لوگوں کا حال آپ نے سُن لیا۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جو دنیا مکمل کرنے کے لیے قرآن کی تلاوت یا قرآن خوانی کرتے ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عربی ادب کی اعلیٰ کتاب ہونے کی وجہ سے قرآن کو پڑھتے ہیں۔ تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو قرآن کی تلاوت عبادت کے طور پر کرتے ہیں اس لیے اس کتاب مقدس کی تلاوت بہت بڑی عبادت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قرآن کے ایک حرف کی تلاوت سے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ پھر فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ الہم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اس طرح حرف الہم پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جاتی ہیں۔ بلکہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات کا خیال ہے کہ الہم کے پڑھنے سے نوے نیکیاں مل جاتی ہیں اس لیے کہ الہم اصل میں نو حروف کا مجموعہ ہے۔

الف، لام اور میم یہ تینوں تین تین حروف سے مرکب ہیں۔

میں نے بھائیو! مجھ گناہ گار کا ذوق تو یہ ہے کہ اپنی عبادت اور تلاوت کو کالکولیٹ نہیں کرنا چاہتے کہ اتنی اور اتنی نیکیاں مل گئیں۔ اللہ کے ہاں کسی عبادت اور ذکر و تلاوت کی قیمت اخلاص کی بنیاد پر متعین ہوتی ہے۔ اگر دل میں اخلاص اعلیٰ درجہ کا ہوگا تو تھوڑی سی عبادت پر بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو جائے گا اور اگر اخلاص نہیں ہوگا تو بہت بڑی عبادت پر کچھ ہی اجر و ثواب ہوں گے گا۔ چوتھی قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن کو ہدایت کے لیے پڑھتے ہیں، وہ تلاوت اس لیے کرتے ہیں تاکہ دل میں ایمان کا نور پیدا ہو تاکہ انہیں پتہ چلے کہ قرآن عملی زندگی کے بارے میں کیا ہدایات دیتا ہے، کس چیز سے منع کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ

قرآن کے نزول کا اصل مقصد تو ہدایت ہے جو کہ ابتداء ہی میں بتا دیا گیا ہے۔
 ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۗ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝
 اس کتاب میں کوئی شک نہیں، یہ اللہ کا
 ڈر رکھنے والوں کے لیے ہدایت ہے۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵ میں ہے :

شَهْرٍ مَّصْنٰنَ الَّذِيْ اُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ
 مَآءٍ مَّيِّمٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْقُرْاٰنِ
 ماہِ رَمَضَانَ وہ ہے جس میں قرآن اتارا
 گیا ہے، وہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے
 اور اس میں ہدایت کے اور حق و باطل میں
 امتیاز کے کھلے ہوئے دلائل ہیں

پانچویں قسم کے لوگ وہ ہیں جو قرآن کی تلاوت کرتے ہیں دین کی دعوت
 و تبلیغ کے لیے، وہ صرف اپنے لیے تلاوت نہیں کرتے، دوسروں کے لیے
 تلاوت کرتے ہیں۔ اور یاد رکھیں اپنے لیے تلاوت کرنا آسان ہے لیکن معاشرے
 میں تبدیلی لانے کے لیے،

بُرَاۤئِيۡوٰی کے خاتمہ کے لیے،

کفر و نفاق کے قلع قمع کے لیے،

ظلم اور فساد کے مقابلہ کے لیے،

اخلاقِ حسنہ پھیلانے کے لیے،

اخلاقِ ذمیمہ کے ازالہ کے لیے،

دنیا سے بے رغبت کرنے کے لیے،

آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے،

مال و جان کی قربانی پر آمادہ کرنے کے لیے،

اور انسانوں کے قلوب و دماغ کو بد لسنے کے لیے تلاوت کرنا کل بھی مشکل

تھا اور آج بھی مشکل ہے۔

میرے آقا کی تلاوت | اور میرے آقائے یہی مشکل کام سر انجام دیا اور ان لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی جن کے کان اللہ کا کلام سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب سلمان ہونے تو ان کے دل میں عجیب خیال آیا اور وہ یہ کہ اسلام کی خدمت و اشاعت کے لیے کوئی ایسا کام کر لوں جو بڑا مشکل ہو، مسلمانوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید سنانا ہے۔

یہ دھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچے اور قرآن کی تلاوت شروع کر دی، تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو ان کا سارا بدن لہولہان تھا او زخموں کی وجہ سے چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔

آپ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کتنا مشکل کام تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو ایک دن قریش کے سامنے تلاوت کی جرأت کی تھی آپ اس عظیم پیغمبر کے صبر، حوصلے اور جرأت کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ہر روز اسی کام میں لگا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں بھی قرآن سناتے تھے اور ہر شخص کو تنہائی میں بھی اللہ کا پیغام پہنچاتے تھے، آبادی سے باہر بھی جتنے آنے جانے والوں کے راستے تھے ان راستوں پر بھی دن کی روشنی اور تاریکی میں حضور پہنچتے تھے اور آنے جانے والوں کے کانوں میں قرآن کی آواز ڈال ہی دیتے تھے۔ عرب کی کوئی مشہور و منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ پہنچے ہوں۔ اور آپ نے دنیا کی مستیوں میں ڈوبے ہوئے لوگوں کے سامنے قرآن کی تلاوت نہ کی ہو۔ آپ کی ساری دعوت اور ساری تبلیغ قرآن کی تلاوت پر ہی موقوف ہوتی تھی۔

اور پھر بتدریج اس تلاوتِ قرآن کی برکت سے عرب کے اندھوں کی آنکھیں کھل گئیں، بہروں کے کان سننے لگے اور گونگوں کی زبانیں بولنے لگیں۔
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا تذکرہ بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔
فرماتے ہیں :-

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع
ہمارے درمیان میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جو
کتاب اللہ کی تلاوت اس وقت کرتے ہیں جس وقت کہ فجر کی روشنی
پھوٹی ہے۔

ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا بہ
موقنات ان ما قال واقع
اس اللہ کے رسول نے ہمیں گمراہی اور اندھے پن کے بعد ہدایت
کا راستہ دکھایا، پس ہمارے دل اس کا یقین رکھتے ہیں کہ آپ جو کچھ فرماتے
ہیں وہ ہو کر رہے گا۔

یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ
اذا استثقلت بالمشرکین المضاجع (۵)
یہ اللہ کے رسول اس طرح رات گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو اس وقت
بستر سے الگ رہتا ہے جبکہ مشرکین کے بوجھ سے بستر بوجھل ہوتے ہیں۔
تویوں ہوتی تھی میرے آقا کی تلاوت !
اندھوں کو بینائی بخشنے والی تلاوت ،

گوں کو گویائی بخشنے والی تلاوت،

اور بہروں کو شنوائی عطا کرنے والی تلاوت،

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے تھے تو کوئی آپ کی زبان مبارک سے سن کر نہیں سمجھ پاتا تھا وہ آپ کے عمل کو اور آپ کی اداؤں کو دیکھ کر سمجھ جاتا تھا۔ میرے آقا کا عمل قرآن کریم کا ترجمان تھا۔

تعلیمِ کتاب | تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا پہلا مقصد

تلاوتِ کتاب تھا اور آپ کی بعثت کا دوسرا مقصد تعلیمِ کتاب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی اور واسطہ کے بغیر قرآن سمجھ نہیں

آسکتا۔ صرف عربی زبان جان لینے سے بھی قرآن سمجھ میں نہیں آسکتا

اگر ایسا ہو سکتا تو رسول کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہوتی بس حضرت

جبریل علیہ السلام آتے، کسی مقدس مقام پر کتاب اللہ کو رکھ دیتے

اور اعلان فرمادیتے کہ لوگو! اس کتاب کو پڑھ لو اور جو کچھ اس میں لکھا ہے

اس پر عمل شروع کر دو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ان لوگوں کی ہدایت کیلئے

کتاب اللہ بھی آئی اور رسول اللہ بھی آئے۔

قرآن نے کہہ دیا تھا ”وَاقِمُوا الصَّلَاةَ“ لیکن صرف قرآن پڑھنے

سے نہ اقامتِ صلوة سمجھ میں آیا، نہ نمازوں کی تعداد معلوم ہوئی، نہ رکعتوں

کی تعداد معلوم ہوئی، نہ یہ پتہ چلا کہ ہر رکعت میں رکوع کتنے ہوں گے

سجدے کتنے ہوں گے، کونسا رکن پہلے ہوگا، کونسا رکن بعد میں ہوگا،

نماز میں کیا تسبیح پڑھی جائیں گی، نماز کی ادائیگی کے لیے کیا شرائط

ہوں گی، جماعت کی نماز کیسے ہوگی، امام کہاں کھڑا ہوگا، امام کسے بنایا

جائے گا، امام کے اندر کیا اوصاف ہونے چاہئیں، نماز سے پہلے اذان اور

اقامت کا کیا طریقہ ہوگا۔ پھر یہ کہ عید کی نماز کیسے ہوگی، جمعہ کی نماز کیسے ہوگی، جنازہ کی نماز کیسے ہوگی، صلوٰۃ الخوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ الکتوف کیسے ہوگی، صلوٰۃ استسقاء کیسے ادا ہوگی، صلوٰۃ الحاجہ کیسے پڑھیں گے آپ اللہ کے نبی کو ایک طرف رکھ دیں اور صرف قرآن کھول کر بیٹھ جائیں، سارے منکرین حدیث اور ان کے پیلے چانٹے جمع ہو جائیں، خوب دماغ لڑائیں اور پھر بتائیں کہ رسول اللہ کے واسطہ کے بغیر صرف کتاب اللہ سے یہ مسائل کیسے سمجھ میں آتے ہیں۔

قرآن نے ایک اور حکم دیا «وَأَتُوا الزَّكَاةَ» (زکوٰۃ دو) یہ حکم ہر مسلمان کو ہے خواہ اس کے پاس تھوڑا مال ہو یا زیادہ مال ہو لیکن زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، سونے کا نصاب کیا ہے، غلے کا نصاب کیا ہے، بھٹیر بکریوں کا نصاب کیا ہے، اونٹ اور گائے کا نصاب کیا ہے، کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے، سال میں کتنی بار زکوٰۃ دینی ہے۔ یہ سب باتیں ہمیں اللہ کے نبی نے سمجھائیں۔

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے «وَأَتِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ» (اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو) لیکن حج اور عمرہ میں فرق کیا ہے ان کے ارکان کیا ہیں اور وہ ارکان کس ترتیب سے ادا ہوں گے، کونسی چیزیں فرض ہیں اور کونسی چیزیں سنت ہیں، طواف کب ہوگا، سعی کب ہوگی، عرفات کب جائیں گے، مزدلفہ اور منیٰ کب جائیں گے، احرام میں کیا کیا چیزیں ممنوع ہیں اور اگر ان میں سے کسی ممنوع چیز کا ارتکاب کر لیا تو کیا حکم ہے — یہ مسائل ہمیں اللہ کے رسول کے واسطہ کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتے۔

آج لوگ نعرے لگا رہے ہیں ”حسبنا کتاب اللہ“ ہمیں بس اللہ کی کتاب کافی ہے، نہ حدیث کی ضرورت ہے، نہ فقہ کی ضرورت ہے حضور تو معاذ اللہ ایک ڈاکیومنٹ تھے۔ انہوں نے اللہ کی کتاب پہنچادی تو ان کی ذمہ داری ختم ہوگئی۔ اب اگر ہمیں عربی زبان آتی ہے تو ہم یہ خط خود پڑھ لیں گے، سمجھ بھی لیں گے اور عمل بھی کر لیں گے۔ جب ہر شخص اپنی اپنی عقل کے مطابق صلوٰۃ کا، زکوٰۃ کا، صوم کا، جہاد کا اور حج کا مفہوم مستعین کرے گا تو قرآن باز بچہٗ اطفال بن کر رہ جائے گا۔

ملنگ کہے گا نماز دل میں ہوتی ہے، مسجد میں نہیں ہوتی، نقلی پیر کہے گا نماز حضوری کا نام ہے اور مجھے حضوری حاصل ہے، منکر حدیث کہے گا اقامت صلوٰۃ کا مطلب ہے نماز کا نظام قائم کرنا، مسٹر کہے گا نماز کسی بھی زبان میں پڑھی جاسکتی ہے چاہے انگریزی ہو یا عربی یا فرانسیسی۔

اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یورپ کا پڑھا ہوا کوئی ڈاکٹر صاحب کہے کہ نماز کا اصل مقصد ورزش کرنا ہے لہذا کوئی بھی ورزش اور اٹھک بیٹھک کر لو، نماز ادا ہو جائے گی۔

ہاں تو دوستو! اگر کتاب اللہ کو ہر شخص کی عقل کے سہارے پر چھوڑ دیا گیا تو پھر تفسیر نہیں تحریف ہوگی، الفاظ تو یہی رہیں گے معنی بدل جائیں گے۔

کتاب اللہ اور رجال اللہ | لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جناب اسلام

ایمان اور دین کی حقیقت سمجھنے کے لیے کتاب اللہ بھی ضروری ہے، رجال اللہ بھی ضروری ہیں نہ کیلی کتاب کافی ہے نہ کیلی رجال کافی ہیں۔ آج کتنے لوگ ہیں جو انگریزی زبان جانتے ہیں لیکن کیا کوئی شخص انگریزی زبان

جاننے کی وجہ سے سائنس کی کتاب سمجھ سکتا ہے ؟ ریاضی کی کتاب سمجھ
سکتا ہے ؟ الجبر کی کتاب سمجھ سکتا ہے ؟

چلیے اس کو بھی تھوڑی سی آپ ماشاء اللہ سب لوگ اردو زبان جانتے
ہیں اور اردو میں حکمت کی کت ابیں بے شمار ہیں لیکن کیا صرف کتاب
پڑھ کر آپ حکیم بن سکتے ہیں۔ اگر بالفرض بن بھی گئے تو پھر وہی ہو گا نیم
حکیم خطرہ جان۔

اسی قسم کے ایک نیم حکیم تھے وہ قبرستان سے گزرے تو انہوں نے
اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا، کسی جاننے والے نے پوچھا جناب آپ مردوں سے
کیوں شرماتے ہیں، حکیم حسبِ فرمان لگے بھائی ان میں سے بہت سارے
وہ ہیں جو میری ہی دوا کھا کر یہاں پہنچے ہیں۔

کمال یہ ہے کہ جب تک کسی استاد کے سامنے مشق اور محنت نہ کی جائے
محض کت ابوں میں ترکیبیں پڑھ کر لوگ چاول اور سالن تو پکا نہیں سکتے،
لیکن چاہتے یہ ہیں کہ بغیر استاد کے محض ترجمے اور تفسیریں پڑھ کر مفتر
بن جائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مادری زبان عربی تھی، ذہین اور ذکی بھی تھے
حافظ بھی ان کا غضب کا تھا، ایسے بھی تھے جنہیں ہزاروں اشعار یاد تھے
لیکن اس کے باوجود وہ قرآن سمجھنے کے لئے معلم اعظم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی رہنمائی اور سرپرستی کے محتاج تھے۔ وہ آپ کے ارشادات سنتے
تھے اور آپ کی سیرت اور عملی زندگی کو دیکھتے تھے۔ یوں انہوں نے کتاب
کو سمجھا۔

تعلیمِ حکمت | نبی کریم صلی اللہ کی بعثت کا تیسرا مقصد تعلیمِ حکمت تھا

آپ دنیا کو حکمت کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے۔ حکمت کے کئی معنی علماء نے لکھے ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ حکمت کا معنی سنت ہے۔ جیسے قرآن کے الفاظ سکھانا اور اس کے معانی کا سمجھنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری تھی اسی طرح اپنی سنت کا سمجھانا بھی آپ ہی کی ذمہ داری تھی۔

میرے دوستو! قرآن کا اپنا مقام ہے، سنت کا اپنا مقام ہے ظاہر ہے کہ قرآن کی ایک ایک سورت، ایک ایک رکوع اور ایک ایک آیت کے بارے میں ہمیں سو فیصد یقین ہے کہ یہ قطعی ہے، یقینی ہے، صحیح ہے قرآن کریم کی کسی آیت کے بارے میں یہ بحث ہو ہی نہیں سکتی کہ کوئی آیت معاذ اللہ تم معاذ اللہ موضوع بھی ہو سکتی ہے یا ضعیف بھی ہو سکتی ہے لیکن سنت اور حدیث کے بارے میں یہ بحث ہو سکتی ہے اور علماء نے بڑی تفصیل سے یہ بحث کی ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے کونسی ضعیف ہے، کونسی موضوع ہے، کونسی منکر ہے، کونسی شاذ ہے اور کونسی معلول ہے ضعیف اور موضوع حدیثوں کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے جہاں تک صحیح حدیثوں کا تعلق ہے وہ حجت ہیں، وہ دین کا ماخذ ہیں وہ قرآن کی تفسیر ہیں، ان کے بغیر قرآن سمجھ آ ہی نہیں سکتا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ جب سے مغربی اقوام کو مسلمانوں پر سیاسی غلبہ حاصل ہوا ہے، مسلمان ذہنی مرثوئیت کا شکار ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ عجیب سی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف وہ چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان رہیں اور دوسری طرف یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی میں مغرب والوں کے طریقے اپنائیں۔

وہ چاہتے ہیں کہ ہم سود بھی کھائیں اور مسلمان بھی رہیں،

وہ چاہتے ہیں کہ ناچ ڈانس بھی چلتا رہے اور اسلام بھی چلتا رہے
وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں بھی بے پردہ پھریں اور ایمان پر بھی کوئی حرف نہ آئے
وہ چاہتے ہیں مردوں اور عورتوں کے مخلوط اجتماعات بھی ہوں اور
قرآن پر بھی عمل ہوتا رہے۔

اب بتائیے یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو ایسے ہے جیسے پانی اور آگ کو اکٹھا
کرنا۔

تو ان لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ قرآن کو حدیث سے کاٹ دیا اور
کہا کہ جناب یہ حدیث تو عجمی سازش ہے اور قرآن کو سمجھنے کے لیے اس کی
ضرورت نہیں۔

پہلے تو مجبور تھے کہ سود کا وہی مفہوم تسلیم کریں جو حدیث میں ہے، پردے
کا وہی مطلب تسلیم کریں جو حدیث میں ہے لیکن جب ان لوگوں نے قرآن کو
حدیث سے بے نیاز کر دیا تو اب انہوں نے قرآن کی ہر آیت اور ہر حکم کا مطلب
اپنی عقل سے متعین کرنا شروع کر دیا۔

حکمت کا دوسرا معنی | تو حکمت کا ایک معنی تو سنت ہے، اور
حکمت کا دوسرا معنی بصیرت اور دانائی ہے۔

اللہ کے نبی نے اپنے عمل سے، اپنے کردار سے اور اپنے فرمودات سے
بصیرت اور دانائی سکھائی ہے۔

مکہ میں ظلم و تشدد اور جوہ و جفا کی فضا تھی،
مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں مہاجروں کی آبادی کا مسئلہ درپیش تھا
منافقین آستین کے سانپ بنے تو ان سے نمٹنے کا معاملہ تھا،
بدر و احد اور خندق و حنین کے تقاضے کچھ اور تھے۔

حدیبیہ میں بالکل ہی خلاف توقع صورت حال کا سامنا تھا
ایک ریاست اور مملکت کو نئی بنیادوں پر اٹھانے میں کچھ مشکلات تھیں
بڑی طاقتوں اور ہمسایوں سے تعلقات کے معاملات تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور آج تک
کے مسلمان کتابوں میں پڑھ رہے ہیں کہ اللہ کے نبی نے ان مشکل مواقع میں
کیا رویت اختیار کیا اور مسائل سے کیسے عہدہ برآ ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں غور و فکر کرنے سے آج بھی
ہمیں حکمت و بصیرت کی تعلیم ملتی ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک مسلمان
کو مظلومیت کے دور میں، جنگ کے دور میں، صلح اور امن کے دور میں،
ہجرت اور نصرت کے دور میں، سیادت و قیادت کے دور میں مختلف
حالات سے کیسے نمٹنا چاہیے۔

تزکیہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا چوتھا مقصد
تزکیہ ہے۔ **وَيُزَكِّيهِمْ**، اللہ کا نبی ان کا تزکیہ کرتا ہے۔

بعض حضرات نے **وَيُزَكِّيهِمْ** کا معنی کیا ہے کہ اللہ کا نبی ان کو
مانجھتا ہے اور بعض حضرات نے معنی کیا ہے ان کو سنوارتا ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ دونوں معنی صحیح ہیں، اللہ کے نبی نے صحابہ
کو مانجھا بھی اور سنوارا بھی۔ ان کے دلوں میں کفر تھا، شرک تھا،
حسد تھا، بخل تھا، دنیا کی محبت تھی، تکبر تھا اور غرور تھا۔ اللہ کے نبی نے
ان کا تزکیہ کیا، ان کے دلوں کو مانجھا اور ایسا مانجھا کہ دل سے ہر غلاظت
نکلتی چلی گئی۔ کفر و شرک نکلا، حسد و بخل نکلا، حب جاہ نکلی، حب مال
نکلی۔ اور جب دل ان گندگیوں سے پاک ہو گئے تو پھر ان دلوں کو ایمان سے

سنوار دیا، ایثار اور احسان سے سنوار دیا، استغناء اور قناعت سے سنوار دیا
تواضع اور انکساری سے سنوار دیا۔

اور ایسا مت سمجھئے گا کہ تزکیہ صرف صحابہ تک محدود رہا۔ میرے بزرگو
اور دوستو! تزکیہ آج بھی ضروری ہے، ساری عبادات اور اخلاق کی بنیاد
تزکیہ پر ہے، کوئی عبادت بغیر تزکیہ کے ہو ہی نہیں سکتی۔

اگر دل میں ریا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ ہے تو نماز، روزہ،
زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی۔ حج وہی شخص کر سکے گا جس کا تزکیہ ہو چکا ہو، اگر تزکیہ
نہیں ہو تو حج سیر پٹا بن جائے گا۔ جہاد صرف وہی کر سکے گا جو صحابہ
تزکیہ ہو، اگر دل کا تزکیہ نہیں تو جہاد نہیں ہوگا فساد ہوگا۔

چونکہ تزکیہ تو ہمیشہ کے لیے ہے اس لیے تزکیہ کے اصول اور تزکیہ
کا طریقہ کار سازی امت کو بتا دیا گیا ہے۔ اگر ہم اپنا تزکیہ چاہتے ہیں تو
ہمیں صحابہ کرام و الابرار کا اختیار کرنا ہوگا۔ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کی صحبت میں بیٹھے، آپ کی توجہ حاصل کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی
باطنی بیماریوں کے لیے جو علاج بتلائے ان پر صحابہ رضی عنہم نے عمل کیا، یوں ان کا
تزکیہ ہوا۔

آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو موجود نہیں مگر آپ کے نائبین موجود ہیں۔
آپ کی تعلیمات موجود ہیں، آپ کی تعلیمات کی روشنی میں ہم بھی حضور کے سچے
نائبین کی صحبت میں بیٹھیں ان کی توجہ حاصل کریں، ان کے سامنے اپنے
باطنی امراض رکھیں اور پھر وہ ان کا جو بھی علاج بتائیں ان پر ہم سچے دل سے
عمل کریں تو انشاء اللہ ہمارا تزکیہ بھی ہو جائے گا۔

میرے بزرگو اور دوستو! میں نے اپنی ناقص معلومات کی روشنی میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد، آپ کے سامنے بیان کر دیے
ہیں آئیے ہم عہد کریں کہ انشاء اللہ ہم بھی تلاوت کے لیے، تعلیم کتاب
کے لیے، تعلیم حکمت کے لیے اور تزکیہ کے لیے وقت نکالیں گے اور ان مقاصد
کو زندہ کریں گے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس کی توفیق نصیب فرمائے
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

الذبات :-

- (۱) الجامع الصغير للسيوطي
- (۲) مشکوٰۃ - کتاب فضائل القرآن .
- (۳) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۳ مصنف مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ
مکتبہ محمودیہ کریم پارک، لاہور
- (۴) کتاب فضائل القرآن ص ۲۶۲
- (۵) بخاری شریف ص ۱۵۵

اقبال کے چالیس ارشادات

محمدؐ یعنی وہ حرفِ نخستیں کلکِ فطرت کا

محمدؐ یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربّانی

وہ ناطق جس کے آگے مہر بہ لب بلبیلِ سدرہ

وہ صادق جس کی حق گوئی کا شاہدِ نطقِ ربّانی

وہ گنجِ معارف جس کے اک اک حرف میں پنہاں

نکاتِ فلسفی، اسرارِ نفسی، رازِ عمرانی

وہ بادلِ سن کے جس کے ابرِ رحمت کی گہر باری

فنائے آسماں ہے شکوہِ سنخِ تنگِ دامانی

(اقبالِ سہیل)

» افسوس کہ آج احادیث سے مسلمانوں کی توجہ دن بدن ہٹتی جا رہی ہے بلکہ بعض زبان دراز تو احادیث کو عجمی سازش قرار دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے۔

جہاں تک حدیث یاد کرنے کا تعلق ہے تو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔

عام مسلمان دو چار سورتیں تو ضرور یاد کر لیتے ہیں مگر احادیث کے یاد کرنے سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں حالانکہ زیادہ نہ سہی تو کم از کم چالیس احادیث ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو یاد کر لینی چاہئے۔

چالیس احادیث کو یاد کرنے کی اس قدر فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس فضیلت کو سنے اور پھر وہ انہیں یاد کرنے سے محروم رہے،

آقا کے چالیس ارشادات

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ ، اِقَابَعَد
فَاعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (صدق اللہ العظیم) پر رحم کیا جائے۔

حاضرین گرامی قدر! رب کریم نے ہماری ہدایت کے لیے صرف قرآن ہی نہیں بھیجا بلکہ قرآن کے ساتھ ساتھ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پاکباز مرشد، مقدس رہنما، ہمدرد مرتبی اور عظیم نبی بھی بھیجا۔ آپ انسانوں کی ہدایت کے لیے جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ آپ کے ذاتی خیالات نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ وحی ہوتی تھی جو آپ کے دل میں القا کی جاتی تھی اور پھر وہ وحی آپ کی زبان فیض ترجمان سے ظاہر ہوتی تھی۔ گویا الفاظ اگرچہ آپ کے ہوتے تھے مگر معنی اور مفہوم اللہ کی طرف سے آپ کے قلب مبارک میں ڈالا جاتا تھا۔ قرآن میں اگرچہ اصول اور کلیات بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن جزئیات کی وضاحت میرے آقا کی احادیث ہی سے ہو سکتی ہے اور کوئی بھی ایسا مسلمان جو اپنی ساری زندگی اسلام کے مطابق گزارنا چاہتا ہو وہ احادیث نبویہ سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

مبارک ہیں وہ لوگ جن کی زندگیاں احادیث کے پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے میں گزرتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ دعا فرمائی ہے کہ :
”اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جس نے میری حدیث سنی پھر اسے یاد کیا اور دوسروں تک پہنچا دیا“

ایک زمانہ تھا جب مسلمان امت میں ایسے افراد لاتعداد تھے جن میں سے ایک ایک کو ہزاروں حدیثیں یاد ہوتی تھیں اور ان کے ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ

ایک ایک حدیث کے لیے سینکڑوں میل کا سفر کیا کرتے تھے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں مجھے ایک حدیث کے بارے میں پتہ چلا کہ فلاں صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے اسی وقت میں نے اونٹ خریدا اور اس پر سوار ہو کر صحابی کی تلاش میں چل پڑا۔ ایک مہینہ کی مسافت کے بعد شام میں عبد اللہ بن انیس کے پاس پہنچا جنہوں نے یہ حدیث سُنی تھی، ان کے دروازے پر اونٹ بٹھا دیا، گھر میں خیر بھیجی کہ جابر آپ کی چوکھٹ پر کھڑا ہے۔ خادم نے لوٹ کر کہا کہ مسیّر آقا دریافت فرماتے کہ آپ جابر بن عبد اللہ ہیں۔ میں نے کہا ہاں، یہ سنتے ہی عبد اللہ بن انیس باہر آئے اور مجھ سے معافہ کیا اور مجھے وہ حدیث سنائی۔

حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے مصر کا سفر محض اس لیے کیا کہ حضرت عقبہ بن عامر سے ایک حدیث جا کر سُنیں۔ چنانچہ وہاں پہنچ کر یہ حدیث ان سے سُنی اور حدیث سنتے ہی اپنے اونٹ کی طرف بڑھے اور ایک لمحہ ٹھہرے بغیر اس پر سوار ہو کر واپس مدینے چلے گئے۔

آج جو لوگ دنیا کا علم حاصل کرنے کے لیے امریکہ اور برطانیہ کا سفر کرتے ہیں انہیں کہاں یقین آئے گا کہ ایسے لوگ بھی تھے جو ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل سفر کیا کرتے تھے۔

افسوس کہ آج احادیث سے مسلمانوں کی توجہ دن بدن سہٹی جا رہی ہے بلکہ بعض زبان دراز تو احادیث کو عجیبی سازش قرار دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے، جہاں تک احادیث یاد کرنے کا تعلق ہے تو اس طرف تو بالکل ہی توجہ نہیں۔ عام مسلمان دو چار سورتیں تو ضرور یاد کر لیتے ہیں مگر احادیث کے یاد کرنے سے وہ بالکل محروم رہتے ہیں حالانکہ زیادہ نہ سہی تو کم از کم چالیس احادیث تو ہر چھوٹے بڑے مسلمان کو یاد کر لینی چاہئیں۔ چالیس احادیث کو یاد کرنے کی

اس قدر فضیلت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان اس فضیلت کو سے اور پھر وہ انہیں یاد کرنے سے محروم رہے۔ محدثین اور علماء کرام نے اس فضیلت کے حصول کے لیے ”چہل حدیث“ کے کئی مجموعے ترتیب دیئے ہیں کسی نے عقائد کے موضوع پر، کسی نے اخلاق کے موضوع پر کسی نے معاملات کے موضوع پر، کسی نے نماز کے بارے میں اور کسی نے قرآن کے بارے میں چالیس حدیثیں جمع کی ہیں۔ میں آپ کے سامنے جو چالیس احادیث سلسلہ وار بیان کرنا چاہتا ہوں یہ ایک تو بہت مختصر ہیں، انہیں یاد کرنا بہت ہی آسان ہے اور دوسری خصوصیت ان کی یہ ہے کہ ان میں عقائد کا بھی بیان ہے، عبادات و معاملات کا بھی، بنیادی اخلاق بھی ان میں بیان کیے گئے ہیں اور بڑے بڑے گناہوں کی تفصیل اور پھر ان سے بچنے کی تلقین بھی۔ ان احادیث میں کی گئی ہے بفضلہ تعالیٰ میں نے یہ چالیس حدیثیں خود بھی یاد کی ہیں، اپنے کئی شاگردوں کو یاد کرائی ہیں اور کراچی اور کراچی سے باہر علماء اور قراء کے کئی اجتماعات میں، میں نے ان کا باقاعدہ درس دیا ہے اور انشاء اللہ مجھے اللہ پاک توفیق دے گا تو میں ملک سے باہر تک نہیں پہنچانے اور ان کو یاد کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ حضرات سے بھی گزارش ہے کہ خود بھی ان احادیث کو یاد کریں اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں اور جہاں تک ان احادیث کو آپ پہنچا سکتے ہیں انہیں پہنچانے کی کوشش فرمائیں انشاء اللہ آپ کی یہ کوشش ضائع نہیں جائے گی۔

جہاں تک ان کی فضیلت کا تعلق ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان چالیس احادیث

کے بارے میں سوال کیا جن کے بارے میں آپ نے فرمایا ہے کہ جو انہیں یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا تو آپ نے میرے اس سوال کے جواب میں یہ چالیس احادیث ارشاد فرمائیں اور یہ چالیس احادیث سنانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو انہیں یاد کر لے گا اس کا حشر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہوگا

• میرے بزرگو اور دوستو! وہ شعر تو آپ نے سنا ہوگا

مکتب عشق کا دستور نالا دیکھا

اسے چھٹی نہ ملی جسے سبق یاد ہوا

تو اس شعر کے مطابق عرض کروں گا کہ صحیح یاد کرنا یہ ہے کہ زبان سے بھی یاد ہو جائیں دل میں بھی بیٹھ جائیں اور عمل میں بھی آجائیں اگر یہ تینوں باتیں پیدا ہو گئیں تو انشاء اللہ ہمارا حشر انبیاء اور اولیاء کے ساتھ ہوگا۔ اب آئیے میں آپ کو یہ چالیس احادیث سناؤں :

اللہ پر ایمان

پہلی حدیث ہے

① اَنْ تُوْمِنَ بِاللّٰهِ (یہ کہ تم ایمان لاؤ اللہ پر)

اللہ کو تو سب ہی مانتے ہیں یہودی بھی، عیسائی بھی، مجوسی بھی، ہندو بھی، بدھ بھی، سکھ بھی۔ کوئی اسے یزدان کہتا ہے، کوئی اہرمین کہتا ہے، کوئی برہما ہمیش اور بشن کے نام سے پکارتا ہے اور کوئی خدا کہتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم گزرے ہیں جو سر سے اللہ کے وجود ہی کا انکار کرتے ہوں لیکن ملنے والے اس کے وجود کا اقرار کرنے کے باوجود بہت ساری باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

یہودی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو ایک خاندانی خدا ہے جس نے ساری دنیا صفر بنی اسرائیل کے لئے پیدا کی ہے، وہ ان لوگوں سے کشتی لڑتا ہے اور اس کی اولادیں بھی ہیں۔ عیسائی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو سب کچھ مسیح بن مریم کو دے کر خود معطل ہو گیا تھا۔ ایرانیوں کے ہاں نیکی کا خدا اور ہے اور بدی کا خدا اور ہے۔ ہندوؤں کا خدا اوتاروں کا بھیس بدل کر لاکھوں خدا بن گیا تھا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خدا کو ماننے کا حکم دیا وہ آسمان کے اوپر سے لیکر زمین کے نیچے تک کا تنہا مالک ہے، اس کی بادشاہی میں کوئی دوسرا شریک نہیں، اس کی ذات پر بھی ایمان ضروری ہے اور صفات پر بھی ایمان ضروری ہے، وہ رحمن ہے وہ رحیم ہے، وہ سمیع ہے وہ بصیر ہے، وہ علیم ہے وہ خبیر ہے، وہ خالق ہے وہ مالک ہے، وہ رازق ہے وہ غفار ہے، وہ تواب ہے وہ وہاب ہے۔ وہی قوت والا ہے باقی سب کمزور ہیں۔ حقیقی علم اسی کے پاس ہے ہم سب جاہل ہیں۔ باقی رہنے والا وہی ہے باقی سب قاتل ہیں،

وہ کسی کا محتاج نہیں باقی سب اس کے محتاج ہیں، وہ شہنشاہ ہے باقی سب اس کے بندے ہیں، وہ مالک ہے باقی سب اس کے مملوک ہیں، وہ خالق ہے باقی سب اس کی مخلوق ہیں، وہ رازق ہے باقی سب مرزوق ہیں، وہ مَنَّان ہے باقی سب ممنون ہیں، وہ اکیلا مغیث ہے باقی سب مستغیث ہیں، وہ قاہر ہے باقی سب مقہور ہیں

یومِ آخرت پر ایمان

دوسری حدیث ہے

② وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (ایمان لاؤ آخرت پر)

آخرت پر ایمان لانا اسلام کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے، قرآن کریم میں ایمان باللہ کے بعد سب سے زیادہ زور ایمان بالآخرت پر دیا گیا ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ سورہ معنکبوت میں ہے :

وَلَلْآدَاُ الْآخِرَةُ لَهِیَ الْحَيٰوَانُ اور بیشک آخری گھر اصلی زندگی ہے۔

دنیا کی زندگی عارضی اور یہاں کی خوشی اور غمی بھی عارضی، آخرت کی زندگی حقیقی اور وہاں کی خوشی اور غمی بھی حقیقی۔ دنیا میں کسی کی زندگی سو سال، کسی کی پچاس سال کسی کی دس سال، کسی کی دس دن اور کسی کی دس سیکنڈ لیکن آخرت کی زندگی کبھی ختم نہ ہونے والی ہے۔

دنیا کی زندگی کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتی ہے، غربت میں بھی امارت میں بھی عزت میں بھی، ذلت میں بھی، بیماری میں بھی صحت میں بھی، کلفت میں بھی، راحت میں بھی محسوس میں بھی، جھونپڑے میں بھی، کار میں بھی، پیدل چلتے ہوئے بھی، پیٹ بھر کر بھی، بھونکے رہ کر بھی لیکن میرے بزرگو اور دوستو! آخرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے۔ وہاں

ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر گزارہ محال ہے۔ وہاں کی ذلت اور کلفت ناقابلِ برداشت ہوگی۔

آخرت کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے۔ پہلا مرحلہ موت سے لے کر قیامت تک اور دوسرا مرحلہ قیامت سے لے کر ابد (ہمیشہ) تک ہے، پہلے مرحلے کا نام ”برزخ“ اور دوسرے مرحلے کا نام ”قیامت“ ہے۔ مسلمان آخرت کی زندگی کے ان دونوں مرحلوں پر ایمان رکھتا ہے۔ برزخ کی زندگی جو کہ عام طور پر قبر میں گزرتی ہے وہ بھی بڑی عجیب زندگی ہے۔ قبر آخرت کی پہلی سیڑھی ہے جو یہاں کامیاب ہو گیا وہ قیامت میں بھی کامیاب ہوگا اور جو یہاں ناکام ہو گیا وہ قیامت میں بھی ناکام ہوگا۔

اور قیامت تو پھر قیامت ہے، وہ ایسا حادثہ، ایسا واقعہ اور ایسا زلزلہ ہوگا کہ اس کی کوئی دوسری مثال دنیا میں نہ پیش کی جاسکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے، نہ اس کا پورا پورا تصور کیا جاسکتا ہے۔ اس دن بڑوں کی بڑیاں اچھلیں گی، دنیا میں بڑی بڑی کرسیوں پر بیٹھنے والے اس دن ذلت کے گڑھوں میں پڑے ہوں گے، یہاں جو کچھ مخفی ہے قیامت میں ظاہر ہو جائے گا، وہاں نہ فنکاری چلے گی نہ دھوکہ دیا جاسکے گا

صحیح اور سچا مسلمان دنیا کی ساری زندگی آخرت کو سامنے رکھ کر گزارتا ہے اور وہ آخرت کی زندگی ہی کو اصلی زندگی سمجھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ لَا عَيْشَ إِلَّا عَيْشُ (۱) اللہ اصل زندگی تو آخرت کی
الْآخِرَةِ۔ (زندگی ہے)۔

فرشتوں پر ایمان

تیسری حدیث

③ وَالْمَلَائِكَةُ

(اور فرشتوں پر ایمان لاؤ)

ملائکہ سے مراد وہ نورانی ہستیاں یا ارواح ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سارے جہاں کے کاروبار کو چلا رہی ہیں۔

دنیا کے تقریباً تمام مذاہب میں ان ہستیوں کا وجود تسلیم کیا گیا ہے یونانیوں نے ان کا نام عقولِ عشرہ (دس عقلیں) رکھا، پارسیوں نے کہا کہ ان کا نام "امشاسیند" ہے، یہودیوں نے انہیں وہیم کے نام سے پکارا، ہندو مذاہب میں انہیں دیوتا اور دیویاں کہا گیا لیکن ان تمام مذاہب میں ان ہستیوں کے بارے میں عجیب و غریب تصورات پائے جاتے تھے کبھی انہیں فرشتے سمجھا جاتا کبھی انہیں خدا کے مقابل ٹھہرا دیتے کوئی کہتا کہ فرشتے نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی، عرب کے جاہل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ اسلام آیا تو اس نے ان تمام غلط تصورات کو مٹا دیا، اسلام نے بتایا کہ فرشتے نہ خدا ہیں نہ شریر ہیں نہ نر ہیں نہ مادہ، وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار غلام ہیں، انہیں نہ کوئی ذاتی اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ان کا کوئی ذاتی ارادہ ہے، وہ اللہ کے حکم سے بال برابر بھی تجاوز نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کائنات کا نظام چلانے کے لئے فرشتوں کا محتاج نہیں ہے اس کے تو ارادے ہی سے سب کچھ ہو جاتا ہے لیکن چونکہ یہ دنیا اسبابِ علل کی دنیا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف کاموں کے لئے مختلف فرشتوں کی ڈیوٹیاں لگا رکھی ہیں اور وہ اپنی اپنی ڈیوٹی پوری کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں

کرتے۔ سورہ تحریم میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے بارے میں فرماتے ہیں :
 لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ۔
 نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی جو انہیں حکم دے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا

جاتا ہے

فرشتے بے شمار ہیں، ان کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، چند فرشتے زیادہ مشہور ہیں مثلاً جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل، کراما کاتبین، منکر نکیر وغیرہ

کتابوں پر ایمان

چوتھی حدیث یہ ہے

④ وَالْكِتَابِ (تم ایمان لاؤ کتابوں پر)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے مختلف کتابیں نازل فرمائیں چار آسمانی کتابوں کے نام قرآن کریم میں مذکور ہیں یعنی تورات، زبور، انجیل اور خود قرآن۔ ان چار کتابوں کے علاوہ کئی صحیفے بھی نازل کئے گئے یہ سب کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ یہودی صرف توراہ کو مانتے ہیں، عیسائی پوری طرح صرف انجیل کو مانتے ہیں، پارسی صرف اوستا کو خدا کا کلام کہتے ہیں، برہمن ویدوں کے علاوہ ہر چیز کا انکار کرتے ہیں لیکن مسلمان قرآن کے ساتھ دوسری کتابوں کے بارے میں بھی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ آسمان سے نازل ہوئیں لیکن اتباع صرف قرآن کی کرتے ہیں کیونکہ پہلی کتابوں میں خود ان کے ماننے والوں نے بے پناہ تحریفات اور ترمیمات کر دی ہیں، ہر قسم کی تحریف اور ترمیم سے محفوظ کتاب صرف

قرآن کریم ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیں کہ پہلی کتابوں میں جتنی سچائیاں تھیں وہ ساری کی ساری قرآن کریم میں محفوظ ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو سابقہ کتابوں کا ”محصین“ یعنی نگران اور محافظ قرار دیا ہے۔

میں آپ سے یہ گزارش بھی کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام آسمانی اور مذہبی کتابوں کا احترام ہم پر لازم ہے، کسی سبب کی توہین کرنا جائز نہیں، جیسا کہ پچھلے دنوں خانیوال میں سانحہ پیش آیا کہ بائبل کی توہین کے جواب میں قرآن کی توہین ہوئی پھر سنگامہ ہوا اور سینکڑوں گھر جلا دیئے گئے۔ تو اسلام ان باتوں کی اجازت ہرگز نہیں دیتا جو لوگ یہ سب کچھ اسلام دوستی کے نام پر کرتے ہیں وہ اسلام کے غلط اور نام نہاد ترجمان ہیں۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کا احترام کرو، ان کی مذہبی کتابوں کا احترام کرو، ان کی مذہبی شخصیات یہاں تک کہ جھوٹے معبودوں کو بھی برا بھلا نہ کہو۔

علمی تحقیق کے ذریعے کسی غلطی کو ثابت کرنا اور بات ہے اور گالی گلوچ کرنا اور بات ہے، ہم علمی تحقیق سے تورات اور انجیل کی غلطیاں ضرور بیان کریں گے مگر ان کی تحقیر اور توہین کا پہلو اختیار نہیں کریں گے اس لئے کہ ہمیں ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

نبیوں پر ایمان

پانچویں حدیث ہے

(تم ایمان لاؤ نبیوں پر)

⑤ والنَّبیین

یاد رکھیں ! ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰؑ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں، ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے، ایک ہندو تمام دنیا کو ملچھ، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے، ایک زردشتی حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دیناری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن ایک مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک نبی کی نبوت و صداقت کا اقرار نہ کرے، گویا کہ محمدی بننے سے پہلے اسے ابراہیمی، اسماعیلی، موسوی اور عیسوی بننا پڑتا ہے۔ اور اگر وہ یہ سب کچھ نہ بنے تو اس کے محمدی ہونے کا بھی کوئی اعتیار نہیں رہتا، مسلمان ہونے کیلئے ہمارے بنیوں کا ماننا ضروری ہے اور کافر ہونے کے لئے سب کے انکار کی ضرورت ہے بلکہ کسی ایک کا انکار کرنے اور توہین کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دنیا کی ہر قوم صرف اپنے آپ کو خدا کا محبوب قرار دیتی تھی اور اپنے علاوہ دنیا کی ساری قوموں اور ان کے مذہبی رہنماؤں کو گمراہ قرار دیتی تھی، اور تو اور یہودیوں جیسی مذہبی قوم حضرت علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی کو جھوٹا کہتی تھی اور ان کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کئی یہودی ایمان لانے کے لئے تیار تھے مگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں انہیں بتا دیا کہ اگر تم مسلمان ہونا چاہتے ہو تو حضرت علیہ السلام کو بھی ماننا پڑے گا۔

ایسے بد بخت بھی تھے جو مختلف انبیاء کو معاذ اللہ بت پرست،

جادوگر اور بدکار تک کہتے تھے یہ ہمارے آقا نے بتایا کہ ہر نبی معصوم تھا، ہر نبی پاک تھا، ہر نبی موحد تھا، ہر نبی اللہ کا فرمانبردار تھا، ہر نبی اللہ کا محبوب اور مقبول بندہ تھا، ہر نبی اپنے زمانے کا سب سے بہترین انسان تھا۔ یہ مسیحی و مدنی آقا کی تعلیم ہے کہ کسی نبی کی توہین جائز نہیں۔ احترام سب کا ہے مگر اطاعت صرف خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، ہم تو پھر بھی امتی ہیں اگر بالفرض کوئی دوسرا نبی بھی آجائے تو اسے بھی آپ ہی کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تورات کے اوراق دیکھ کر فرمایا تھا :
 لَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا مَا وَسَعَهُ اِذَا رَأَى آيَاتِ رَبِّهِ لَآتَىٰ بِهَا طَوًّا
 اِذَا اتَّبَعْتَهُ .
 میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا۔

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان

چھٹی حدیث ہے :

⑥ وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ (اور تم ایمان لاؤ مرنے کے بعد کی زندگی پر) یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ ”وَالْيَوْمِ الْآخِرِ“ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو دوبارہ ”وَالْبَعْثُ بَعْدَ الْمَوْتِ“ کہنے کی کیا ضرورت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو یہ تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے یا پھر اس لئے کہ یہاں اصل میں دو چیزیں ہیں ایک تو مرنے کے بعد زندہ ہونا اور دوسری چیز آخرت میں حساب کتاب اور جزا سزا ہونا — ان دونوں چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے، مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان کافی نہیں بلکہ زندہ ہونے کے بعد جو کچھ ہوگا اس پر بھی ایمان ضروری ہے۔

ایک بات جو پہلے عرض کر چکا ہوں اسے بھی سامنے رکھیں تو مزید بات واضح ہو جائے گی وہ یہ کہ آخرت کی زندگی دو مرحلوں پر مشتمل ہے پہلا مرحلہ موت سے لیکر قیامت تک ہے جسے برزخ کہا جاتا ہے، اور دوسرا مرحلہ قیامت سے لیکر ابد تک ہے۔ دوسرا مرحلہ یعنی قیامت تو ہوگی جب پہلا مرحلہ تو موت کے فوراً بعد شروع ہو جائے گا، ان دونوں مرحلوں پر ایمان ضروری ہے قبر کے مرحلہ پر بھی اور حشر و نشر کے مرحلہ پر بھی۔

تقدیر پر ایمان

ساتویں حدیث ہے :

④ وَالْقَدْرُ خَيْرٌ وَشَرٌّ مِنْ اللَّهِ تَعَالَى . (اور تم ایمان لاؤ اس بات پر کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے)

عقیدہ تقدیر کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ اب تک ہوا، جو کچھ اب ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہوگا وہ سب اللہ تعالیٰ کے ازلی فیصلے اور علم کے مطابق ہوا ہے، ہو رہا ہے اور ہوگا، جس طرح ایک ماہر انجنیئر مکان بنانے سے پہلے اس کا نقشہ تیار کر لیتا ہے اور پھر سارا مکان اس کے تیار کئے ہوئے نقشے کے مطابق بنتا ہے اسی طرح کائنات کے خالق نے کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اس کی ساری جزئیات تیار کر لی تھیں بات صرف کائنات کی نہیں بلکہ ہر انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی موت اور زندگی، امیری اور غریبی، کامیابی اور ناکامی، تکلیف اور راحت، بیماری اور صحت کی تفصیل طے ہو جاتی ہے اور اس ساری تفصیل کا علم

اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے پھر جو کچھ ہوتا ہے اس کے علم کے مطابق ہوتا ہے انسان سے بھی آگے بڑھ کر ہمارا یہ ایمان ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب، چاند کی روشنی اور ستاروں کے نکلنے اور ڈوبنے کے متعلق جو احکام مالکِ حقیقی نے دے دیئے ہیں اسی طرح ہو رہا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا اس کو قانونِ قدرت کہتے ہیں اور اسی پر دنیا چل رہی ہے عقیدہٴ تقدیر پر ایمان رکھنے والا انسان کامیابی پر فخر اور غرور نہیں کرتا اور ناکامی پر وہ دل شکستہ نہیں ہوتا، اس کا ایمان ہے کہ کامیابی اور ناکامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے میرا کام صرف جدوجہد کرنا ہے۔ نتیجہ میرے ہاتھ میں نہیں۔ یہ اسی عقیدہ کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کی گردنیں عین کامیابی کی حالت میں قاصرِ مطلق کے آگے جھک جاتی تھیں اور ناکامی کی حالت میں وہ مایوس نہیں ہوتے تھے یہ عقیدہٴ تقدیر ہے جو مسلمان کو بے خوف اور بہادر بناتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تلواروں کی چھنا چھن اور گولیوں کی دنا دن میری زندگی نہیں چھین سکتی اور مضبوط قلعے آنے والی موت سے مجھے بچا نہیں سکتے۔

بعض لوگ یہ غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مسئلہ تقدیر کے ماننے سے انسان نکمّا ہو جاتا ہے، میں اس پروپیگنڈہ کے جواب میں زیادہ علمی بحثیں چھیڑنا نہیں چاہتا، بس یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر عقیدہٴ تقدیر پر ایمان کا مطلب یہ ہوتا کہ انسان غافل اور نکمّا ہو کر بیٹھ جائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ دعوت دیتے نہ تبلیغ کرتے، نہ مکہ کے بازاروں میں پھرتے، نہ طائف جاتے، نہ بدر و احد کا معرکہ برپا ہوتا، نہ کوئی شہید ہوتا، نہ صحابہؓ تجارت کرتے نہ زراعت کرتے، نہ آپؐ کسی مسلمان کو محنت مزدوری کی تلقین کرتے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ ایک صحابی کو آپؐ خود

کلہاڑی تیار کر کے دیتے ہیں کہ جاؤ جب نکل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی ضرورتاً پوری کرو۔

ایک دوسرے صحابی اونٹ کو کھلا چھوڑ کر آجاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ میں اللہ کے توکل پر چھوڑ آیا ہوں تو آپ فرماتے ہیں عَاقِلَهَا وَتَوَكَّلْ پہلے اسے باندھو پھر اللہ پر توکل کرو۔

مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے :
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول جب ہمارا جنتی اور جہنمی ہونا طے ہو چکا تو پھر عمل کی کیا ضرورت ہے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا : كُلُّ مَيْسَرَةٍ لِمَا خُلِقَ لَهُ تم عمل کرتے رہو تمہیں اگر جنت کے لئے پیدا کیا گیا ہے تو اہل جنت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور اگر تم اہل جہنم میں سے ہو تو جہنم والے اعمال کرنا تمہارے لئے آسان ہو جائیگا دوسرے مذاہب کا اگر مطالعہ کریں تو ان میں سے کسی مذہب نے تو اس مسئلہ میں ویسے ہی خاموشی اختیار کر رکھی ہے، کسی نے انسان کو بالکل بے بس اور مجبور محض بنا دیا ہے، کسی نے انسان کو تناسخ اور آواگون کے چکر میں پھنسا دیا کسی نے انسان کو مکمل خود مختار اور خدا کو مجبور بنا دیا۔ یہ شرف صرف ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے کہ آپ نے اس مسئلے کو حل فرمایا اور بتایا کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، اس کے ارادے ابوہکیم کے بغیر اس کائنات کا ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا، دوسری طرف انسان نہ تو پتھروں اور درختوں کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی اپنے مالک کی طرح خود مختار ہے بلکہ وہ قانون قدرت کے ہاتھوں مجبور بھی ہے اور اشرف المخلوقات ہونے کی وجہ سے اسے کچھ نہ کچھ اختیار بھی ضرور بخشا گیا ہے۔

یہ حدیث جو آپ نے ابھی سنی ہے ” وَالْقَدْرُ خَيْرٌهُ وَشَرُّهُ مِنْ اللّٰهِ
تعالیٰ “ اس کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اچھے اور بُرے کام سب
خدا کی طرف سے ہیں، حالانکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو راحت اور
تکلیف، صحت اور بیماری، دولت اور غریبی جو کچھ پہنچتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی
طرف سے پہنچتا ہے۔

شہادت

آٹھویں حدیث ہے :

⑧ وَأَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ ۚ
اور تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں اور بے شک محمد اللہ کے رسول ہیں
دو چیزوں کی شہادت ایمان کی بنیاد ہے: پہلی شہادت یہ کہ اللہ تعالیٰ
کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی حقیقی محبوب نہیں، کوئی حاجت روا نہیں، کوئی
مشکل کشا نہیں۔

اس کلمہ میں اثبات سے پہلے نفی ہے۔ جب تک اللہ کے ماسوا کی نفی نہ
کی جائے اس وقت تک اثبات کا کوئی اعتراف نہیں، اللہ تعالیٰ کے
نبیوں کو سب سے زیادہ ” لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ہے ” إِلَّا اللَّهُ “
میں تو بہت سے مشرکوں کو بھی اختلاف نہیں تھا، وہ اللہ کو بھی مانتے تھے
اور اللہ کے سوا دوسروں کو بھی مانتے تھے جبکہ ” لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ “ میں یہ تعلیم
دی گئی ہے کہ صرف اللہ ہی کو مانو اور صرف اللہ ہی کی مانو۔ اور آج ہمارا حال
یہ ہے کہ ہم سب کو مانتے ہیں، اللہ کو نہیں مانتے، اور سب کی مانتے ہیں
اللہ کی نہیں مانتے۔

دوسری شہادت یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

انبیاء اور رسول تو انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سارے بھیجے اور ان سب پر ایمان رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اب اگر کسی کو ایمان کا نور، ہدایت کی روشنی، کامیابی کی نوید، اللہ کی رضا اور جنت کا راستہ مل سکتا ہے تو وہ صرف کائنات کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور غلامی ہی میں مل سکتا ہے جنت تک پہنچنے کے لئے محمدی گیٹ کے کھلنے کے بعد باقی ساری کھڑکیا بند کر دی گئی ہیں۔

اقامتِ صلوٰۃ

نویں حدیث ہے :

⑨ وَأَنْ تُقِيمَ الصَّلَاةَ اور یہ کہ تم نماز قائم کرو کامل وضو بوضوء سابع کامل لوقیتہا کے ساتھ اپنے وقت پر۔

اس حدیث میں ایک حکم تو دیا گیا ہے نماز قائم کرنے کا اور نماز قائم ہوتی ہے دو چیزوں سے ایک تو یہ کہ نماز پابندی اور تسلسل کے ساتھ پڑھی جائے، دوسری یہ کہ آداب و فرائض کی رعایت رکھتے ہوئے خشوع خضوع کے ساتھ پڑھی جائے۔

جو شخص کبھی کبھار نماز پڑھتا ہے یا ہمیشہ پڑھتا ہے مگر آداب اور خشوع خضوع اس کی نماز میں نہیں ہوتا وہ صرف نماز پڑھتا ہے، نماز قائم نہیں کرتا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے پڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

دوسرا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ کامل وضو کے ساتھ

نماز پڑھی جائے۔ جن اعضاء کا وضو میں دھونا فرض ہے اگر ان میں بال برابر جگہ بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوتا اور اگر جگہ تو خشک نہ ہے لیکن ناقص طریقے سے استنجا اور وضو کیا جائے تو نماز میں خشوع خضوع پیدا نہیں ہوتا۔

علماء نے نماز میں خشوع خضوع پیدا کرنے کے جو طریقے لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ استنجا اور وضو کامل طریقے سے یعنی سنت کے مطابق کیا جائے۔

چوتھا حکم اس حدیث میں یہ دیا گیا ہے کہ نماز کو اپنے وقت پر ادا کیا جائے۔
قرآن کریم میں بھی ہے

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا۔
وقت کے ساتھ فرض ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:

..... يَا عَلِيُّ تَلْتُ لَا تُؤَخِّرْهَا، اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کر نماز کا وقت
الصَّلَاةُ إِذَا آتَتْ وَالْجَنَازَةُ إِذَا
حَضَرَتْ وَالْأَيْمُ إِذَا وَجِدْتَ لَهَا كُفْرًا لڑکی (کی نکاح میں) جب اس کا جوڑ مل جائے۔
آج امت ان تینوں باتوں میں تاخیر کے جرم کی مرتکب ہو رہی ہے،

بیٹیاں جوان ہو جاتی ہیں لیکن اونچے رشتوں کی تلاش اور جہنیر کی خاطر انہیں
گھروں میں بٹھا کر بوڑھا کر دیا جاتا ہے اور ہمارے دور میں زنا کی کثرت کی
ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، یونہی بڑا مجمع اکٹھا کرنے کے شوق یا دور دور کے
عزیز رشتہ داروں کو جمع کرنے کے لئے جنازہ پڑھنے میں بے حد تاخیر

کردی جاتی ہے، یہی حال نماز کا ہے۔ مختلف جیلے بہانوں سے نماز کی ادائیگی میں اتنی تاخیر کی جاتی ہے کہ بسا اوقات نماز کا مکروہ وقت شروع ہو جاتا ہے اور پھر وہ نماز پڑھی جاتی ہے جسے حدیث میں منافق کی نماز کہا گیا ہے، مرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر سمجھا جاتا ہے کہ ہم نے نماز پڑھ لی۔ وہ جو پنجابی میں کہتے ہیں ناں ”ویلے دی نماز تے کویلے دیاں ٹکراں“ (وقت پر جو پڑھی جائے تو وہ نماز ہوتی ہے اور جو بے وقت پڑھی جائے تو وہ نماز نہیں، بلکہ ٹکریں ہوتی ہیں) تو یہ ضرب المثل سو فیصد صحیح ہے۔

زکوٰۃ

دسویں حدیث ہے :

⑩ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ اور تم زکوٰۃ دو۔

زکوٰۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے، قرآن کریم میں بیسیوں جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے اور ایمان والوں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نماز قائم کرنے کے ساتھ زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ اور مشرکوں کافروں کی صفت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ زکوٰۃ نہیں دیتے۔

سورہ فصلت رکوع ۷ میں ہے :

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ . ان مشرکوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے .

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے : اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت

کے لائق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا، حرص و ہوس کے وہ بندے جو زکوٰۃ ادا کئے بغیر مال جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں وہ حقیقت میں اڑدھا پال رہے ہیں جو قیامت کے روز گلے کا طوق بن کر انہیں ڈستا رہے گا۔

ہر عاقل بالغ مسلمان جو نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اس کا مال قرض اور بنیادی ضروریات سے بھی فارغ ہو اور نصاب پر پورا سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، تین قسم کے اموال میں زکوٰۃ ہوتی ہے: سونا، چاندی (نقد روپیہ بھی اسی حکم میں ہے)، مالِ تجارت اور جنگل میں چرنے والے مویشی۔ بے شمار لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ دنیا کے دکھاوے، رسم و رواج اور نام و نمود کے لئے بے تحاشا خرچ کرتے ہیں لیکن زکوٰۃ جو کہ فرض ہے اس کے ادا کرنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی۔

رمضان کے روزے

گیارہویں حدیث ہے:

⑪ وَتَصُومَ رَمَضَانَ اور تم رمضان کے روزے رکھو۔

روزہ اسلام کا چوتھا رکن ہے، نماز اور زکوٰۃ کی طرح رمضان کے پورے مہینے کے روزے ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہیں، جو شخص کسی عذر اور مجبوری کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے وہ بہت ہی سخت گناہ گار ہے۔

ایک حدیث ہے کہ «جو شخص بلا کسی معذوری اور بیماری کے رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑ دے، وہ اگر اس کے بدلہ ساری عمر بھی روزے رکھے

تو اس کا پورا حق ادا نہ ہو سکے گا۔“

قرآن کریم بتاتا ہے کہ روزہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسلام سے پہلے بھی جتنے مذاہب تھے ان میں بھی روزہ فرض تھا۔ یہودی مذہب کو دیکھیں تو حضرت عیسیٰ نے جنگل میں چالیس دن کا روزہ رکھا، ہندوستان کے برہمن سال میں چوبیس روزے رکھتے ہیں اور ہندو چوگی تو چالیس دن تک کھانے پینے سے احتراز کرتے ہیں، یونانی اور عیسائی بھی روزہ رکھتے تھے۔

روزے کا اصل مقصد یہ ہے کہ باطن کا تزکیہ ہو جائے اور دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔ اس کے علاوہ ایک حکمت یہ ہے کہ امیروں کو غریبوں کے دکھ درد اور بھوک پیاس کا احساس ہو۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ مسلمان جفاکشی کا عادی ہو اور وہ اتنا نازک نہ بنے کہ صبح سے شام تک بھوک پیاس ہی برداشت نہ کر سکے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ جسم ایسی بیماریوں سے محفوظ ہو جائے جو زیادہ کھانے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

چوتھی حکمت یہ کہ انسان کو منہیات سے بچنے کی مشق ہو جائے۔ ظاہر ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے حلال کے قریب نہیں جاتا وہ حرام کے قریب کیسے جائے گا۔

رمضان کے پورے مہینے میں مسلمان کو گناہ چھوڑنے کی مشق کرائی جاتی ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”جو شخص روزہ رکھے وہ بھی جھوٹ اور فریب کے کام کو نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا چھوڑ دے“

یہاں یہ بھی عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ فرض روزوں کی طرح کچھ نفل روزے بھی ہیں ان کا بھی اہتمام کرنا چاہئے تاکہ رمضان سے جو سبق حاصل ہوا تھا وہ تازہ ہوتا رہے۔ مثلاً ایام بیض یعنی چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کا روزہ، محرم کے دو روزے، یوم عرفہ کا روزہ، شوال کے چھ روزے

حج

بارہوی حدیث ہے :

⑫ وَتَحَجَّ الْبَيْتِ إِنْ كَانَ
لَكَ مَالٌ - پاس مال ہو۔
اور تم بیت اللہ کا حج کرو اگر تمہارے

حج اسلام کا پانچواں رکن اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی دعوت پر لبیک کہا اور اپنا وطن چھوڑ کر اس دور دراز مقام میں چلے آئے اسی طرح مسلمان بھی اپنا گھراؤ چھوڑ کر جب بیت اللہ کی جانب روانہ ہوتے ہیں تو ان کی زبانوں پر وہی ترانہ ہوتا ہے جو تین ہزار برس قبل حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی زبانوں پر تھا

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ
لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ
الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ
لَا شَرِيكَ لَكَ .
میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں
میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں،
سب تعریفیں اور نعمتیں تیری ہی ہیں،
اور بادشاہی تیری ہی ہے۔

اور جیسا لباس تمدن کے اس ابتدائی دور میں ان حضرات نے پہنا تھا ویسا ہی بن سلاسادہ لباس مسلمان پہنتے ہیں، پھر انہی کی طرح نہ خوشبو

لگاتے ہیں، نہ سسلے ہوئے کپڑے پہنتے ہیں، نہ سر چھپاتے ہیں، نہ شکار کرتے ہیں، نہ بیوی سے ہم بستری ہوتے ہیں۔

جیسے وہ دونوں مقدس ہستیاں تین دن کے سفر میں گرد و غبار میں اٹی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی تھیں اسی طرح مسلمان بھی آتے ہیں، بڑوں بڑوں کو وہاں تکلفات سے بچنا پڑتا ہے، حسینوں جمیلوں کو وہاں آرائش و زیبائش اور خوشبوئیات سے دامن کش ہونا پڑتا ہے۔ وہ جگہ جسم کو نہیں روح کو سوار نے کی ہے، ظاہر کو نہیں باطن کو چمکانے کی ہے۔ جو شخص وہاں جا کر بھی گردن اکڑا کر رکھتا ہے اور ظاہر کی تحسین و تزئین میں لگا رہتا ہے وہ تزکیہ باطن سے محروم رہتا ہے، ایسے لوگ وہاں سے ایمان نہیں سامان لیکر آجاتے ہیں۔ پھر جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے زم زم سے اپنی پیاس بجھائی تھی حجاج کرام بھی اسی سے اپنی پیاس بجھاتے ہیں جہاں حضرت باجرہ بے تابی سے دوڑی تھیں انہیں دو پہاڑیوں کے درمیان حجاج بھی دوڑتے ہیں اور اسی انداز سے دوڑتے ہیں جیسے وہ دوڑی تھیں۔

حج یقیناً ایک عاشقانہ عبادت ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرضی ہو تو حج کر لیں اور مرضی نہ ہو تو نہ کریں بلکہ ہر صاحب استطاعت پر حج کرنا فرض ہے۔

کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک والدین حج نہ کر لیں تو اولاد پر حج فرض نہیں ہوتا یا اگر بچیاں جوان ہوں تو حج فرض نہیں ہوتا تو یہ بالکل غلط خیال ہے۔

بارہ رکعات

تیرہویں حدیث ہے :

(۱۳) وَتُصَلِّيْ اِثْنَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً اور تم ہر دن اور رات میں بارہ رکعتیں

فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ - پڑھو۔

ان بارہ رکعات سے مراد سننِ مؤکدہ ہیں۔ یعنی فجر سے پہلے دو رکعتیں ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو، اور عشاء کے بعد دو رکعتیں۔ یہ کل بارہ ہو گئیں مگر یہ بات سمجھ لیں کہ صرف ان بارہ رکعات کے پڑھ لینے پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ مزید نفسی نمازیں پڑھنے کی بھی کوشش کریں تاکہ ہماری فرض نمازوں میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے اس کی تلافی ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد تین بار اَسْتَغْفِرُ اللہ، اَسْتَغْفِرُ اللہ، اَسْتَغْفِرُ اللہ پڑھا کرتے تھے۔ علماء نے اس میں یہ حکمت لکھی ہے کہ آپ زبانِ حال سے یوں فرماتے تھے کہ اے اللہ تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا اور جیسے نماز پڑھنی چاہتے تھی میں نہیں پڑھ سکا، مجھے معاف فرما دینا۔

میں تو یوں عرض کروں گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ استغفار امت کی تعلیم کے لئے فرماتے تھے کہ اے اللہ ہم نماز پڑھنے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کر سکے تو ہماری اس کوتاہی کو معاف فرما۔ جب ہم سے نماز کا حق ادا ہی نہیں ہوتا تو ہمیں نفسی نمازوں کا بھی اہتمام کرنا چاہئے تاکہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں ہونے والی کوتاہی کی کچھ نہ کچھ تلافی تو ہو سکے

نماز وتر

چودھویں حدیث ہے :

(۱۴) وَالْوَيْتْرُ لَا تَرْكُهُ فِيْ اور ہر رات میں وتر کو نہ چھوڑو۔

مُكَلِّ لَيْلَةٍ

وتر کی نماز واجب ہے۔ اگر کسی شخص کو تہجد کے وقت اٹھنے کا یقین ہو تو اسے وتر، نماز تہجد کے ساتھ پڑھنے چاہئیں اور اگر یقین نہ ہو تو وہ نماز عشاء کے ساتھ ہی وتر بھی پڑھ لے۔ اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ نماز تہجد کی احادیث میں بہت زیادہ فضیلت آئی ہے، جتنی بھی نفسی نمازیں ہیں ان میں سب سے زیادہ فضیلت اسی نماز کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز تہجد کی نماز ہے۔“ یہ وہ مبارک وقت ہے جب حدیث کے مطابق ”باری تعالیٰ کی خاص تجلّی آسمانِ دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، جب رات کا ایک تہائی باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ اس کی دعا قبول کروں، کون ہے مجھ سے مانگنے والا کہ میں اسے عطا کروں، کون ہے مجھ سے بخشش طلب کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں“

جتنے بھی اولیاء اللہ گزرے ہیں ان کے حالات کا مطالعہ کیجئے وہ سب راتوں کو اٹھ کر اللہ سے مانگنے والے اور آنسو بہانے والے تھے، راتوں کی عبادت ہی تھی جس نے انہیں اللہ کا محبوب اور پیارا بنا دیا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا عجیب قول تفسیر عزیزی میں منقول ہے، ان کو کسی نے ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے ان کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا:

طَاحَتِ الْعِبَارَاتِ وَفَنِيَتْ
الإِشَارَاتُ وَمَا نَفَعْنَا إِلَّا رُكُوعًا
عِبَارَاتِ ارْطُكَيْتِ، اِشَارَاتِ سَبِّ قِنَا
ہو گئے اور ہم کو کسی چیز نے نفع نہ دیا سوائے
ان چند رکعات کے جو ہم نے رات کے
وسط ادا کی تھیں۔

شُرک

پندرہویں حدیث ہے :

(۱۵) وَلَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ شَيْئًا اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب قریب قریب سارا عرب شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھا، عربوں کے علاوہ عیسائی اور مجوسی علانیہ مشرک تھے کیونکہ وہ تین اور دو خدا مانتے تھے، ہندوؤں نے بیسٹا دیوتاؤں اور دیسیوں کو مختلف اختیارات دے کر لاکھوں خدا بنائے تھے۔ غرضیکہ دنیا کی مختلف اقوام میں سے کوئی شرک فی الذات میں مبتلا تھی اور کوئی شرک فی الصفات میں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے شرک کو حرام قرار دے دیا۔ شرک کا ایک بڑا ذریعہ کسی خاص انسان یا چیز کی حد سے زیادہ تعظیم ہے جسے ہم شخص پرستی بھی کہہ سکتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ، رام چندر اور کرشن کو اسی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم نے آدمی سے خدا بنا دیا ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حاصل کون و مکان تھے آپ نے اپنی امت کو واضح طور پر فرما دیا کہ :

لا تطرونی كما اطری میری شان میں اس طرح مبالغہ نہ
الیهود والنصارى . کریں جس طرح یہود و نصاریٰ نے
اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا۔

ایک خاص نکتہ جو یاد رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ جتنے بھی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں ان کے خاص خاص لقب ہیں، مثلاً

حضرت موسیٰ کلیم اللہ تھے، حضرت ابراہیم خلیل اللہ تھے، حضرت عیسیٰ روح اللہ تھے لیکن ہمارے آقا باوجودیکہ افضل الانبیاء تھے آپ کا لقب قرآن میں، کلمہ توحید میں، نماز میں اور درود شریف میں صرف "عبدہ ورسولہ" ذکر کیا گیا ہے۔

شُرک کا ایک سبب درمیانی واسطوں کا مشرکانہ اعتقاد بھی ہے لیکن قرآن و سنت میں سارے واسطوں کی نفی کر دی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ جو شخص بھی جس وقت چاہے اللہ کو پکار سکتا ہے اس کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں۔

یاد رکھیں اللہ کے ماسوا کو حلال و حرام کا اختیار دینا بھی شرک ہے، غیر اللہ کے سامنے رکوع و سجود بھی شرک ہے، کسی کے لئے علم غیب یا حاضر و ناظر ہونے یا لینے دینے کا اختیار ثابت کرنا بھی شرک ہے، آفتاب و ماہتاب یا ستاروں کی چال کا قسمت میں عمل دخل ماننا بھی شرک ہے، غیر خدا کے نام کی قسم اٹھانا یہ بھی شرک ہے، ریا کاری اور دکھاوا بھی شرک ہے۔ اور شرک بدترین جرم ہے۔

والدین کی نافرمانی

سولہویں حدیث ہے :

①۶ وَلَا تَعُوْا وَاِلٰدِيْكَ اور اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو۔

قرآن کریم میں کئی مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا یا اپنے ساتھ شرک نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور پھر اس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں ہے

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ
إِحْسَانًا . اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی
اسرائیل سے عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا
(کسی کی) بجز اللہ کے اور حسن سلوک

سے پیش آنا (اپنے) والدین سے ۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم صرف قرآن نے نہیں دیا بلکہ تورات
اور انجیل میں بھی ان کے حقوق ادا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے ۔ والدین میں
سے بھی پہلا درجہ ماں کا ہے ، یہ ماں ہے جو فطرۃً کمزور ہونے کے باوجود
حمل اور وضع حمل کے جان لیوا مرحلے سے گزرتی ہے ، تربیتِ اولاد کی تکلیفیں
ہنسی خوشی برداشت کر لیتی ہے ، خود دکھا اٹھا کر اولاد کو سکھ دیتی ہے ، اپنی
نیند غارت کر کے بچے کو میٹھی نیند مہیا کرتی ہے ، کانٹا بچے کے پاؤں میں
چبھتا ہے تکلیف وہ محسوس کرتی ہے ۔

ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ
سب سے زیادہ میرے حسن سلوک کا مستحق کون ہے ؟ آپ نے فرمایا تیری ماں ،
پوچھا پھر کون ؟ فرمایا تیری ماں ! اس نے عرض کیا پھر کون ؟ فرمایا تیری ماں ،
تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا ، چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا تیرا باپ ۔
ایک دن آپ نے چار بڑے بڑے گناہوں کا ذکر کیا اور ان میں ماں
کی نافرمانی کو سرفہرست ذکر کیا اور فرمایا کہ تمہارے رب نے ماں کی نافرمانی تم
پر حرام کی ہے ۔

مالِ یتیم

سترہویں حدیث ہے :

①۷ وَلَا تَأْكُلْ مَالَ الْيَتِيمِ ظُلْمًا اور یتیم کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ

اسلام نے یتیموں پر شفقت اور ان پر کسی بھی قسم کا ظلم نہ کرنے کا خاص طور پر حکم دیا ہے، کتنے ہی ایسے سنگدل تھے جو یتیموں کا مال ہڑپ کر جاتے تھے، مکہ کے یتیم نے ایسے ہی سنگدلوں کو اللہ پاک کا یہ حکم سنایا:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ
الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي
بُطُونِهِمْ نَارًا .
ہی بھرتے ہیں .

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے عربوں کی فطرت ہی بدل دی، وہی دل جو بے کس یتیموں کے لئے پتھر سے زیادہ سخت تھے وہ موم سے زیادہ نرم ہو گئے، ہر صحابی کا گھر ایک یتیم خانہ بن گیا، ایک ایک یتیم کی پرورش کے لئے کئی کئی حضرات اپنے آپ کو پیش کرنے لگے۔

یہاں یہ بات سمجھ لیں کہ یتیم کا تو آپ نے خاص طور پر اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ وہ بے سہارا ہوتا ہے ورنہ کسی بھی انسان کا مالی حق دبا جانا کسی بھی طرح سے اس پر ظلم کرنا، اس کی جائیداد ہتھیانا ایسا گناہ ہے جو صرف تو بہ کرنے سے بھی معاف نہیں ہو سکتا .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اپنے بھائی کی آبرو یا کسی چیز پر ظلم کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ آج ہی اس سے پاک ہو لے اس دن سے پہلے کہ اس کے پاس دینے کو نہ دینا ہو گا نہ درہم ہو گا، ظلم کے بدلے، اس ظلم کے برابر ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوائی جائیں گی اور نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے۔

شراب نوشی

اٹھارویں حدیث ہے :

⑱ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ اور شراب نہ پیو
شراب نوشی کے نقصانات بالکل کھلے ہوئے ہیں لیکن زمانہ جاہلیت میں لوگ اس بُری عادت میں مبتلا تھے اور آج کے پڑھے لکھے جاہل بھی شراب کے متوالے ہیں۔

اسلام نے شراب کو قطعاً حرام قرار دیا ہے، سورۃ المائدہ میں اسے گندگی اور شیطان کا عمل بتایا گیا ہے، حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا «کوئی مومن جب شراب پینے لگتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان اس سے رخصت ہو جاتا ہے»

شراب کے لفظ سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس سے مراد کوئی خاص قسم کی شراب ہے بلکہ ہر وہ چیز جس سے نشہ ہو وہ حرام ہے، بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا: «ہر وہ شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے»

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا: «ہر نشہ کی چیز حرام ہے اور جس کی زیادہ مقدار پینے سے نشہ ہو اس کا تھوڑا پینا بھی حرام ہے» ان احادیث کی بناء پر آپ سمجھ سکتے ہیں کہ چرس، بھنگ، ہیروئن اور ہر قسم کی منشیات حرام ہیں، جو لوگ منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں وہ اپنی دنیا بھی تباہ کرتے ہیں اور آخرت بھی، صحت بھی تباہ کرتے ہیں اور مال و دولت بھی ایسے ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ نشہ کی

حالت میں بہن اور بیٹی تک کی آبرو پامال کر دیا۔
نشہ آور چیزیں بنانا، بیچنا، خریدنا، لینا اور لے جانا سب حرام ہیں۔

زنا

انیسویں حدیث ہے :

①۹ وَلَا تَزْنِ اور زنا مت کر

زنا بہت بڑی بُرائی ہے، جس معاشرہ میں زنا عام ہو جائے اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر رہتا ہے، رب کریم جو انسانوں کی کمزوریوں سے خوب واقف ہے اس نے صرف زنا کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ زنا کے اسباب کو بھی حرام قرار دیا ہے لہذا غیر محرم کی طرف بے حیائی کے ارادے سے دیکھنا بھی حرام ہے، بلاوجہ اس کے بدن کو چھونا بھی حرام ہے۔ مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں جھکا کر رکھیں، عورتوں سے کہا گیا کہ وہ غیروں کو اپنے اندر کا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں۔ زنا کی سزا بھی سخت رکھی گئی ہے۔ اگر غیر شادی شدہ زنا کرے تو سزا سو کوڑے ہیں اور اگر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو سزا انگسار کرنا ہے یہ تو دنیا کا عذاب ہے، آخرت کا عذاب اس سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔

جھوٹی قسم

بیسویں حدیث ہے :

②۰ وَلَا تَخْلِفْ بِاللَّهِ كَاذِبًا اور اللہ کے نام پر جھوٹی قسم مت اٹھاؤ۔
علماء نے قسم کی تین قسمیں بیان کی ہیں، پہلی قسم یہ ہے کہ لغو اور بیکار

قسمیں اٹھاتا رہے، دوسری قسم جسے ”منعقدہ“ کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ یوں قسم اٹھائے کہ میں فلاں کام کروں گا، یہ قسم اگر جائز ہو تو اسے پورا کرنا چاہئے اور اگر پورا نہ کیا جائے تو کفارہ لازم آتا ہے۔ تیسری قسم جسے ”غموس“ کہا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھائی جائے، اسے غموس اس لئے کہتے ہیں کیونکہ غموس کا معنی ہے ڈوب جانا تو اس قسم کا اٹھانے والا سر سے پاؤں تک گناہ میں ڈوب جاتا ہے

زیادہ قسمیں اٹھانے سے تو ویسے ہی بچنا چاہئے کیونکہ اس طرح اللہ کے نام کی حرمت پامال ہوتی ہے لیکن جھوٹی قسم سے بچنا تو بہت ہی ضروری ہے، قسم اٹھانے والا حقیقت میں اپنے بیان کی سچائی پر اللہ کو گواہ بناتا ہے ایسی حالت میں سوچنا چاہئے کہ قسم کھانا کتنی بڑی بات ہے۔ جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اپنے جھوٹ پر اللہ کو گواہ بناتا ہے، وہ اپنے مخاطب کو عین دلارہ ہوتا ہے کہ اللہ گواہ ہے کہ میں سچ بول رہا ہوں، حالانکہ وہ خود جانتا ہوتا ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمایا: ”تین آدمی ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے دن نہ دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، صحابی کہتے ہیں: میں نے کہا یہ لوگ جو ناکام ہوئے اور خسارے میں پڑے وہ کون ہیں یا رسول اللہ! فرمایا جو اپنا لباس ٹخنوں سے نیچے تک لٹکاتا ہے (کیونکہ یہ غرور کی علامت ہے) اور جو احسان جتلاتا ہے اور جو جھوٹی قسمیں کھاکر اپنا مال بیچتا ہے۔ عموماً تاجر لوگ اپنا مال بیچنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اس لئے آپ نے خاص طور پر ان کا ذکر فرمایا۔

جھوٹی شہادت

الکیسوس حدیث ہے :

②۱ وَلَا تَشْهَدْ شَهَادَةً زُورًا اور جھوٹی گواہی مت دو

انسان کی بڑی عادتوں میں سے سب سے بڑی عادت جھوٹ ہے ، حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ جنت میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سچ بولنا ، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے ، وہ ایمان سے بھر پور ہوتا ہے اور جو ایمان سے بھر پور ہو وہ جنت میں داخل ہوا ، اس نے پھر پوچھا کہ یا رسول اللہ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے؟ فرمایا جھوٹ بولنا ، جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا ، جو گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرے گا اور جو کفر کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ جھوٹ کی سیلی بڑائی نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جھوٹے میں بیسیوں قسم کی دوسری بڑائیاں بھی لازمی طور سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

جھوٹ بولنا تو ویسے ہی گناہ ہے لیکن گواہی میں جھوٹ بولنا اور زیادہ بڑا گناہ ہے۔ آج ہماری زندگی میں جھوٹ بہت زیادہ داخل ہو چکا ہے۔ باپ بچوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے ، بچے والدین کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں ، استاد شاگردوں کے سامنے اور شاگرد استادوں کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں ، دوکاندار گاہکوں کے سامنے جھوٹ بولتا ہے ، ریڈیو عام کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں ، اخبارات میں جھوٹ ، ریڈیو میں جھوٹ ، ٹی وی میں جھوٹ ، عدالتوں اور کچہریوں میں جھوٹ ، جھوٹے

گواہوں کے ذریعے من مانے فیصلے کرا لیے جاتے ہیں، ہماری دروغ گوئی کی وجہ سے بین الاقوامی منڈی میں ہمارا اعتبار ختم ہو چکا ہے لیکن جب ہم سچ بولتے تھے تو غیر مسلم بھی ہم پر اعتماد کرتے تھے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ کا ایک واقعہ اکثر سناتا رہتا ہوں ان کے قصبے میں ایک پلاٹ پر مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان جھگڑا تھا، بات بڑھتے بڑھتے عدالت تک جا پہنچی، ہندوؤں نے عدالت میں خود پیش کش کی کہ اگر مولوی مظفر حسین کہہ دے کہ یہ پلاٹ مسلمانوں کا ہے تو ہم اس سے دست بردار ہو جائیں گے، مسلمان بھی خوش ہو گئے انہیں یقین تھا کہ ہمارا مولوی بہر صورت ہمارے حق میں گواہی دے گا لیکن حضرت مولانا نے خلاف توقع گواہی دی کہ یہ پلاٹ ہندوؤں کا ہے۔ مسلمانوں کے سر جھک گئے۔ لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ اس دن کاندھلہ میں مسلمان تو بار گئے مگر اسلام جیت گیا اور وہ یوں کہ مولانا کے کردار کی صفائی اور سچی گواہی کی وجہ سے اس دن شام تک ہندوؤں کے تقریباً اٹھارہ خاندانوں نے اسلام قبول کر لیا، وہ کام جو لمبی لمبی تقریریں اور تحریریں نہ کر سکیں وہ کام ایک کھرے مسلمان کی سچی گواہی نے کر دکھایا۔

خواہشاتِ نفسانی کی پیروی

بانیسویں حدیث ہے :

(۲۱) وَلَا تَعْمَلْ بِالْهَوَىٰ اور خواہشات پر عمل نہ کر۔

انسان کے گمراہ ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب نفسانی خواہشات کی پیروی بھی ہے۔ وہ بعض اوقات خواہشات ہی کو اپنا معبود

بنالیتا ہے وہ وہی کرتا ہے جو اس کا نفس چاہتا ہے وہ خواہشات ہی کے لئے جیتا اور خواہشات ہی کے لئے مرتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ . . .
اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے

جبکہ دیکھا جائے تو اکثر برائیوں کی جڑ نفسانی خواہشات کی پیروی ہے جو شخص خواہشات کے پیچھے لگتا ہے وہ راہِ ہدایت سے بہت دور چلا جاتا ہے۔ سورہ ص میں ہے:

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ
عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ
اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کر کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔

جنت اسی کو ملے گی جو اپنے آپ کو ہوائے نفسانی سے بچالے گا۔

سورہ نازعات میں ہے:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ
اور لیکن جو کوئی اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو بڑی خواہش سے روکا تو بیشک جنت ہے اس کے امن سے رہنے کی جگہ۔

اے خدا پرستی کا دعویٰ کرنے والے انسانو! سوچو تو سہی ہم میں سے کتنے ہیں جو بت پرستی پر ہزار لعنت بھیجتے ہیں لیکن انہوں نے اپنے سینوں کے اندر نفسانی خواہشات کے ہزاروں بت سجا رکھے ہیں۔

بت خانوں کو توڑنے کے لئے جہاد کرنے والو! پہلے یہ اندر کا بت ختم تو مسمار کرو۔

غیبت

تینسویں حدیث ہے :

⑬ وَلَا تَغْتَبْ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ اپنے مسلمان بھائی کی غیبت نہ کرو
پیٹھ پیچھے اپنے بھائی کی کوئی ایسی بات کرنا جو اگر اس کے سامنے کی جائے
تو اسے ناپسند ہو، اسے غیبت کہتے ہیں۔

غیبت صراحت بھی ہو سکتی ہے، اشارہ بھی ہو سکتی ہے، زبان
سے بھی ہو سکتی ہے، قلم سے بھی ہو سکتی ہے، نقل اتار کر بھی ہو سکتی ہے
اور کسی کے نسب، اخلاق، جسم، معاملات اور عبادات میں عیب نکال کر بھی ہو سکتی
ہے۔ غیبت حرام ہے۔ اور سورہ حجرات میں غیبت کو اپنے مردہ بھائی کا گوشت
کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے گویا جیسے کوئی شخص جوش غضب میں سنگدلی کی وجہ سے
اپنے مردہ بھائی کا گوشت تک نوچ کھاتا ہے۔ اسی طرح غیبت کرنے والا بھی اپنے
غیظ و غضب کا اظہار کرتا ہے پھر جیسے مردہ اپنا گوشت نوچنے والے کو روکنے کی
طاقت نہیں رکھتا اسی طرح جس کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کی جائے وہ اپنا دفاع
کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

ایک حدیث میں ہے کہ شب معراج میں میرا گدرا ایسی قوم پر ہوا جس کے ناخن
تانے کے تھے اور وہ ان سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے میں نے جبریل
سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت
کھاتے تھے اور ان کی عزت و آبرو پر حملہ کرتے تھے۔

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کی جو برائی وہ بیان کرتے ہیں وہ اگر واقعی
اس کے اندر پائی جاتی ہے تو غیبت نہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول
صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے کہ یہی تو غیبت ہے اور اگر اس کے اندر وہ برائی پائی ہی

نہ جاتی ہو تو یہ بہتان ہے

غیبت میں کئی معاشرتی اور اخلاقی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ باہمی تعلقاً خراب ہوتے ہیں۔ بعض اوقات قتل و قتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے، اپنی برائیوں اور کمزوریوں سے نظر سٹ جاتی ہے اور انسان دوسروں کے تجسس ہی میں لگ جاتا ہے، کسی بھی مسلمان کو بدنام کرنا اور اس کے عیوب کی پردہ دری کرنا بجائے خود ایک بڑی بُرائی ہے۔

تہمت

چوبیسویں حدیث ہے :

②۳ وَلَا تَقْذِفِ الْمُحْصَنَةَ اور پاکدامن عورت پر تہمت نہ لگاؤ۔
تہمت اور بہتان یہ ہے کہ کسی کی طرف ایسی بُرائی کی نسبت کی جائے جو اس میں نہ ہو۔ بہتان تراشی جھوٹ بھی ہے، خیانت بھی ہے اور انتہائی درجہ کی کمینگی بھی ہے نہ صرف یہ کہ خود کسی پر بہتان تراشی کرنا جرم ہے بلکہ کسی کی اڑائی ہونی بات کو بغیر تحقیق کے پھیلانا بھی جرم ہے۔

کسی مسلمان کو معمولی تکلیف پہنچانا بھی بُری بات ہے لیکن کسی پر جھوٹا الزام رکھ کر اسے دلی تکلیف پہنچانا یہ تو بہت ہی بُری بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمُؤْمِنَاتِ بَغْيًا مَا كُتِبَ لَهُمْ
فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا
مُبِينًا

اور جو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو بن کیے (تہمت لگا کر) تکلیف پہنچاتے ہیں انہوں نے بہتان اور گناہ (اپنے سر) لادا۔

یوں تو کسی پر بھی بہتان باندھنا بہت بڑا گناہ ہے لیکن پاکدامن اور شریف

عورتوں پر بہتان باندھنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص کے لئے دنیا ہی میں سزا مقرر فرمادی ہے جو بہتان کا مرتکب ہو اور شرعی گواہ بھی پیش نہ کر سکے۔ سورہ نور میں ہے

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ

اور جو لوگ شریف بیبیوں پر عیب لگاتے ہیں پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے تو ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو اور وہ فاسق ہیں۔

خیانت

پچیسویں حدیث ہے :

②۵ وَلَا تَعْلُ أَخَاكَ الْمُسْلِمَ اور اپنے مسلمان بھائی سے خیانت نہ کرو ایک شخص کا جو حق دوسرے کے ذمہ واجب ہو اس کو ایمان داری سے ادا نہ کرنا یہ خیانت اور بددیانتی ہے۔ کسی کی دی ہوئی امانت میں ناجائز تصرف کرنا یا مانگنے پر واپس نہ کرنا خیانت ہے، کسی کا راز کھول دینا بھی خیانت ہے، جو کام اپنے ذمہ لیا ہو اسے دیانت داری سے انجام نہ دینا بھی خیانت ہے، اللہ اور رسول کے ساتھ اقرار کر کے اسے پورا نہ کرنا بھی خیانت ہے، اللہ اور رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں کی چوری چھپے امداد کرنا بھی خیانت ہے،

لہ اس کا معنی دھوکہ دینا بھی ہے اور خیانت کرنا بھی۔ اگر اس کا مصدر غلول ہو تو معنی خیانت کرنا اور غلیلاً ہو تو معنی دھوکہ کرنا۔

سورہ انفال میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا
اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ
وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ .
اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی
خیانت نہ کرو اور نہ آپس کی امانتوں
پر جان کر بددیانتی کرو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین علامتیں بتائی ہیں
جن میں سے ایک یہ ہے کہ جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو وہ اس
میں خیانت کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن بُری باتوں سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے
تھے ان میں سے ایک خیانت بھی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ!
مجھے خیانت سے بچائے رکھنا کہ یہ بہت بُرا اندرونی ساتھی ہے۔

خیانت صرف دل ہی سے نہیں ہوتی بلکہ ہر عضو سے ہو سکتی ہے
لیکن اگر انسان کا ایمان ہو کہ ایک ذات ایسی ہے جو میری ہر ہر حرکت کو جانتی
ہے اور باخبر ہے تو وہ خیانت کی جرات نہیں کر سکتا۔

سورہ مؤمن میں ہے :

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا
تَحْفَى الصُّدُورُ
اللہ جانتا ہے آنکھوں کی خیانت کاری کو
اور جو چھپا ہے سینوں میں۔

کھیل کود

چھبیسویں حدیث ہے :

②۶ وَلَا تَلْعَبْ .
کھیل کود میں نہ لگو۔

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے اس نے چند حدود اور پابندیوں

کے دائرے میں رہتے ہوئے کھیل کود کی اجازت دی ہے۔
 پہلی پابندی یہ ہے کہ اس کھیل سے شریعت کا کوئی حکم نہ ٹوٹے، بے
 پردگی نہ ہو، مرد و زن کا اختلاط نہ ہو، آج کل بہت سے کھیل ایسے ہیں
 جن میں مرد تو کیا خواتین بھی گھسٹنوں سے اوپر تک نشگی ہوتی ہیں اور یہ تو بہت
 عام ہے کہ مرد کھیلتے ہیں تو عورتیں دیکھتی ہیں اور عورتیں کھیلتی ہیں تو مرد دیکھتے ہیں
 دوسری پابندی یہ ہے کہ ایسا کھیل نہ ہو کہ جس میں انہماک سے
 حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہو جیسا کہ آجکل کرکٹ
 میں ہوتا ہے کہ بعض اوقات کئی کئی دن ورنہ صبح سے شام تک کھیل میں ایسے
 لگتے ہیں کہ نہ نماز کا ہوش رہتا ہے نہ گھریلو ذمہ داریوں کا احساس۔
 کھیلنے والوں کو چھوڑنے کی کمنٹری سننے اور دیکھنے والوں کا یہ حال ہوتا ہے
 کہ اللہ نہ کرے گھر کو آگ بھی لگ جائے تو انہیں خبر نہیں ہوگی۔
 تیسری پابندی یہ ہے کہ کھیل میں شرط اور جو وغیرہ نہ ہو جیسا کہ
 گھڑ دوڑ وغیرہ میں ہوتا ہے۔

غفلت

ستائیسویں حدیث ہے :

(۲۷) وَلَا تَلْهَآ مَعَ اللَّآهِیْنَ اور غافلوں کے ساتھ غافل نہ ہو جا۔

غفلت بڑا تباہ کن مرض ہے، بسا اوقات چند لمحوں کی غفلت، انسان

کو سالوں پیچھے دھکیل دیتی ہے۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے

تاریخ نے قوموں کے وہ دور بھی دیکھے ہیں

لمحوں نے خطا کی ہے صدیوں سے سزا پائی

اسلام نے اس بات کا خاص اہتمام کیا ہے کہ مسلمان غفلت کا شکار نہ ہونے پائے اور اس کی زندگی کا جو مقصد ہے وہ ہر وقت اس کے سامنے رہے اور وہ مقصد کیا ہے؟ اللہ کی رضا کا حصول! اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنا! اب ایک نظر مسلمان کے دن رات کے معمولات پر ڈال لیجئے، اللہ پاک نے مقصدِ حقیقی کی یاد دہانی کا ایسا نظام قائم کیا ہے کہ ان معمولات کے مطابق زندگی گزارنے والا شخص غافل ہو ہی نہیں سکتا۔

پیدا ہوتے بچے کے کان میں اذان کہی جاتی ہے تو حقیقت میں دنیا میں آنے والے بچے کو مقصد کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔ دن میں پانچ وقت اذان کہی جاتی ہے تو یہ بھی یاد دہانی کرائی ہے، خود بیچ وقت نماز میں بھی یاد دہانی کا نکتہ پوشیدہ ہے، مسجد میں، گھر میں، بازار میں۔ یہاں تک کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے ہوئے، نکلتے ہوئے اور مختلف اعمال کے بجالاتے وقت جو مسنون دعائیں پڑھی جاتی ہیں یہ بھی یاد دہانی کا مقصد پورا کرتی ہیں۔

اسلام نے ان اسباب کو حرام قرار دیا ہے جو انسان کو غفلت میں ڈالتے ہیں مثلاً ہر قسم کا نشہ حرام ہے، رقص و سرود اور گانا بجانا حرام ہے۔ عربی زبان میں گانے بجانے کے آلات کو ”ملاھی“ کہتے ہیں اور ملاھی ”لھو“ سے نکلا ہے اور اس کا معنی بھی ہے غفلت میں ڈالنے والی چیزیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کو گانے بجانے کی لت پڑ جاتی ہے وہ نماز، تلاوت، ذکر اذکار اور حقوق و فرائض سے غافل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے تو نضر بن حارث نے گانے بجانے کا سامان کیا تھا تاکہ لوگ اس میں ایسے منہمک ہو جائیں اور ان کے دل اتنے سیاہ ہو جائیں کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے قرآن نہ سُنیں۔ سورۃ لقمان کے رکوع غام میں ”لھو الریش“

کا لفظ آیا ہے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں
 « هو والله العنا » (اللہ کی قسم اس سے مراد گانا بجانا ہے)

تحقیق

اٹھائیسویں حدیث ہے :

②۸ وَلَا تَقُلْ لِلْقَصِيرِ يَا
 قَصِيرٌ تَرِيدُ بِذَلِكَ عَيْبًا اس سے تمہارا مقصد عیب نکالنا ہو
 اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کو حقیر مت سمجھو۔ غربت کی
 وجہ سے، حسب نسب کی وجہ سے، سادی شکل و صورت کی وجہ سے یا
 جسمانی عیب کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا حرام ہے
 اسلام نے اس گناہ سے بچنے کی جو تعلیم دی ہے تو اس میں کئی خرابیاں ہیں
 پہلی خرابی یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے والا فخر و غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے
 جبکہ یہ وہ اخلاقی عیب ہے جس نے ابلیس کو راندہ درگاہ اور لعین بنا دیا
 تھا، یہ وہ جرم ہے جس کی وجہ سے انسان، ایمان سے، ہدایت سے اور قرب
 الہی سے محروم ہو جاتا ہے، یہ وہ غلاطت ہے کہ جس شخص کا دل اس سے آلودہ
 ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ دوسری خرابی یہ ہے کہ یہ چیز لڑائی
 جھگڑے اور قتل و قتال کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ جس
 سوسائٹی میں دوسروں کی جسمانی حالت کا مذاق اڑانے کی اجازت ہو اس
 سوسائٹی میں جسمانی کمزوریوں میں مبتلا لوگوں کا رہنا محال ہو جاتا ہے جیسا
 کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے، مذاقیہ فلموں اور ڈراموں نے دوسروں کی
 شکل و صورت اور جسمانی عیوب کا مذاق اڑانا ایک آرٹ اور فن بنا دیا ہے

اور ایسی بیہودہ فلموں کو دیکھ اور سن کر عام نوجوان بلکہ بوڑھے اور جوان بھی اس فن میں طاق ہو گئے ہیں ۔

چوتھی خرابی یہ ہے کہ اس سے دوسرے مسلمان کی دل آزاری ہوتی ہے جو کہ بجائے خود بہت بڑا جرم ہے ۔ انہی خرابیوں کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا
اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبِدِيِّ
وہ مومن نہیں جو طعن دیتا ہے ، لعنت
بھیجتا ہے اور بدزبانی اور فحش کلامی
کرتا ہے ۔

تمسخر

انتیسویں حدیث ہے :

②۹ وَلَا تَسْخَرُ بِأَحَدٍ مِّنَ
النَّاسِ شَرِيْدٌ بِذَلِكَ
عَيْبُهُ
اور لوگوں میں سے کسی کا مذاق نہ اڑاؤ
جس سے تمہارا مقصد اس میں عیب
نکالنا ہو ۔

دو چیزیں بالکل الگ الگ ہیں ، ایک دل لگی یا خوش طبعی اور دوسری چیز ہے کسی کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کا مذاق اڑانا یا اسے نظروں سے گرانے اور ذلیل کرنے کے لئے طنز کرنا ۔

پہلی چیز یعنی باہمی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے دل لگی یا خوش طبعی نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ دیکھا جائے تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے کیونکہ آپ خود بھی دل لگی فرمایا کرتے تھے اور آپ کے جاں نثار صحابہ بھی

آپس میں خوش طبعی فرماتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ ایک صاحب آپ سے سواری کے لئے اونٹ مانگنے کے لئے آئے آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا، انہوں نے عرض کیا حضرت! میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں گا (سوچا ہوگا کہ بچے پر میں سوار ہوگا یا وہ بچہ مجھ پر سوار ہوگا) آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ بھائی! ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک بڑھیا نے حاضر خدمت ہو کر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرے لئے جنت کی دعا کیجئے، آپ نے فرمایا: اماں! بوڑھی عورتیں تو جنت میں نہیں جائیں گی۔ وہ بیچاری رونے لگی کہ پھر تو میری ساری عبادت اور ریاضت ضائع چلی گئی۔ آپ نے فرمایا: بوڑھی عورتیں بڑھاپے کے ساتھ جنت میں نہیں جائیں گی بلکہ جوان ہو کر جائیں گی۔ جنت جو انوں کی جگہ ہے، صحت مند انوں کی جگہ ہے، بڑھاپا تو سیا پاپا ہے، بڑھاپا بجائے خود ایک بیماری بلکہ کسی بیماریوں کا مجموعہ ہے اور جنت میں بیماریوں اور بیماریوں کا کیا کام!

دوسری چیز یعنی کسی کو ذلیل کرنے کے لئے گھٹیا قسم کا مذاق کرنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں بڑے پیارے انداز میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس قسم کا مذاق کرنے سے منع فرمایا ہے۔ سورۃ الحجرات میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ .
اے ایمان والو! نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر (ہنسنا چاہئے) کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

چغل خوری

تیسویں حدیث ہے

③ وَلَا تَمَسَّ بِالْمَمِيَّةِ بَيْنَ دَوَّاسَانِ بَهَائِيَّوْنَ فِي حِجْلِ خَوْرِي نَهْ
الْأَخْوَيْنِ .
کرو۔

بسا اوقات غیبت اور چغل خوری کے درمیان فرق نہیں کیا جاتا، غیبت تو آپ سُن چکے ہیں یہ ہے کہ دوسرے بھائی کی کوئی ایسی بات پیٹھ پیچھے کرنا جو اگر اس کے سامنے کی جائے تو وہ اُسے بُرا سمجھے۔

چغلی یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان جھوٹی سچی باتیں کر کے دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانا۔

چغل خوری ایک فتنہ پر دازی ہے جس کے نتیجے میں بعض اوقات خون بہہ جاتا ہے، گھرتباہ ہو جاتے ہیں، دائمی عداوت کا بیج پڑ جاتا ہے، اسی لئے چغل خوری پر شدید وعید سنائی گئی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان میں سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ چغلی کھاتا پھرتا تھا۔

مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَاتٌ جَنَّتْ فِي حِجْلِ خَوْرٍ وَدَاخِلٌ نَهْ هُوَ كَا .

لغت میں "قتات" اسے کہتے ہیں جو چھپ چھپ کر لوگوں کی باتیں سننے، چونکہ چغل خور بھی یہی کام کرتا ہے اس لئے اسے بھی قَتَات کہا جاتا ہے۔ عربی میں

چغل خور کو حامل الحطب (لکڑیاں چننے والا) بھی کہتے ہیں جیسے لکڑیاں بیچنے

والا پہلے لکڑیاں چن چن کر لاتا ہے پھر آگ جلانے کے لئے چل پھر کر فروخت کرتا ہے، اسی طرح چغل خور بھی کرتا ہے وہ پہلے آگ لگانے والی باتیں ادھر ادھر سے اکٹھی کرتا ہے پھر انہیں فتنہ اور فساد کے لئے پھیلاتا ہے۔

قرآن کریم میں ابولہب کی بیوی کو جو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا خطاب دیا گیا ہے تو اس کا ایک مفہوم مفتخرین نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ لوگوں کی چغلیاں کھاتی پھرتی تھی

شکر

اکتیسویں حدیث ہے :

③۱) وَاشْكُرِ لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى نِعْمَتِهِ اللهُ تَعَالَى كِي نِعْمَتٍ بِرَأْسِ كَا شَكَرًا دَاكِرُو شَكَر كِي صَد كُفْر هِي اَوْر اِسْلَام كِي لَعْنَت مِيں كُفْر سِي زِيَادَه بِر لَفْظ كُوْنِي نَهِيں۔ جِس سِي يِه نَيْتِيْجِه نَكَلْتَا هِي كِه كُفْر كِه بِالْمَقَابِلِ شَكَر سَبِّ بَهْتَر صِفْت هِي كُفْرِيَه هِي كِه اَللّٰهُ كِي نِعْمَتُوں كِي قَدْر نِه دَل سِي كَرِي، نِه زَبَان سِي اَقْرَار كَرِي اَوْر نِه عَمَل سِي اَطَاعَت اَوْر فَرْمَانِ بَر دَارِي كَا اِظْهَار كَرِي جَب كِه شَكَرِيَه هِي كِه مَحْسِنِ حَقِيْقِي كَا دَل سِي اِحْسَان مَنْدَبِنِي، زَبَان سِي اِس كِي حَمْد و شُنَا كَرِي اَوْر اِيْنِي سَارِي جِسْم اَوْر سَارِي اَعْضَاؤ كُو اِس كِه حُكْمُوں كِي اَطَاعَت مِيں لَغَا دِي۔

جس شخص کے دل میں شکر کا جذبہ پیدا ہو جائے اسے نیکی کی راہ پر چلانے کے لئے نہ جہنم کی آگ سے ڈرانے کی ضرورت ہے نہ ہی جنت کے باغوں کی تحریریں کی ضرورت ہے، اکیلا شکر کا جذبہ ایسی چیز ہے جو اسے مالک کی بتائی ہوئی راہ سے ادھر ادھر نہیں ہونے دے گا۔

ایک کتے کو دیکھ لیجئے جس مالک کا کھانا ہے کیسے اس کی خوشامد کرتا

ہے اس کے سامنے کچھ بچھ جاتا ہے اور اس کے اشارے پر اپنے سے طاقتور دشمن سے بھڑ جاتا ہے۔

گھوڑے کو دیکھ لیجئے اپنے مالک کی خاطر تیروں اور گولیوں کی بارش میں گھس جاتا ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ عادیات میں گھوڑے کے اشارے کی مختلف حالتوں کی قسمیں اٹھا کر فرمایا ہے :

إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ
بیشک انسان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکر ہے
شکر بہت بڑی عبادت ہے اور ایسی عبادت کہ جسے یہ نصیب ہو جائے

وہ اللہ کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ سورہ نسا میں ہے :

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنَّ
اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ
شکرت تم و امنت تم و کان اللہ
تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اور
اللہ تو قدر پہچاننے والا اور علم رکھنے
شاکراً علیما۔
والا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف دو باتیں چاہتا ہے شکر اور ایمان کی حقیقت تو معلوم ہے، باقی رہا شکر تو جان لیجئے کہ شریعت میں جو کچھ ہے وہ شکر کے دائرہ میں داخل ہے، ساری عبادتیں شکر ہیں۔ بندوں کے ساتھ اچھا سلوک شکر ہے، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا شکر ہے، اپنے علم سے بندوں کو فائدہ پہنچانا شکر ہے، کمزور اور بے سہارا انسانوں کی مدد کرنا شکر ہے۔

انسان جتنا شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا زیادہ اسے دیتا ہے اور ناشکرے انسان پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ ایک بار حضرت مولانا علی میاں صاحب زید مجدہم

نے فرمایا کہ لوگ حج اور عمرے بھی کرتے ہیں، چلے بھی لگاتے ہیں، فرض اور نفل نمازیں بھی پڑھتے ہیں لیکن ان میں سے بہت سارے لوگ اہم عبادت سے محروم ہیں۔

ہم سب چوکنے ہو گئے کہ وہ کون سی عبادت ہے جس سے حج اور عمرے کرنے والے، چلے لگانے والے اور نمازیں پڑھنے والے بھی محروم ہیں تو حضرت نے کچھ دیر توقف کے بعد فرمایا کہ وہ اہم عبادت شکر ہے، بہت کم لوگ ہیں جو شکر کا حق ادا کرتے ہیں۔

وہ صاحب کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اپنا معمول بنا لیا کہ روزانہ دو نفل شکرانے کے ادا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت سے ملاقات ہوئی تو میں نے حضرت کو اپنا یہ معمول بتایا تو حضرت نے فرمایا ”بھائی! صرف دو نفل پڑھنے سے شکر ادا نہیں ہو سکتا، شکر تو یوں ادا ہو گا کہ جب بھی اللہ پاک کی طرف سے کوئی بڑی یا چھوٹی نعمت میسر آئے تو دل کی گہرائی سے اس کی حمد و ثنا نکلے، خواہ وہ نعمت پانی کے چند گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔“

صبر

بتیسویں حدیث ہے :

(۳۲) **وَاصْبِرْ عَلَى الْبَلَاءِ وَالْمُصِيبَةِ** صبر کرو تکلیف اور مصیبت پر

عام لوگ بے بسی اور بے کسی کو صبر کہتے ہیں، ان کی نظر میں بزدلی اور صبر ہم معنی لفظ ہیں حالانکہ صبر کا حق صرف وہ ادا کر سکتا ہے جو بہت بڑا بہادر ہو، بڑے مضبوط دل کا مالک ہو، اس کے اندر اخلاقی جرات پائی جاتی ہو۔ مختصر طور پر یہ جان لیں کہ صبر کا لفظ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے :

صبر عن الشيء ، صبر على الشيء أو صبر في الشيء .

”صبر عن الشيء“ کا مطلب ہے اپنے آپ کو گناہوں سے روکنا دنیاساری رعنائیوں کے ساتھ سامنے آئے، گناہوں کے لئے خلوت نصیب ہو اور شاہد و شراب بھی، حرام پیسہ امن دل کو اپنی طرف کھینچے مگر انسان صبر کرے اور محض اللہ کے ڈر سے اپنے آپ کو روک رکھے تو اس کا بدلہ اللہ کے ہاں جنت کے سوا کچھ نہیں۔ سورۃ الفرقان میں رحمن کے اُن خاص بندوں کا ذکر ہے جو سراپا اطاعت ہیں اور اپنے دامنِ زندگی کو گناہوں سے بچا کے رکھتے ہیں اور آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ ۚ إِنَّكَ تَجِدُهُم بِرَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ ۚ
بِمَا صَبَرُوا ۚ

کہ وہ صبر کرتے رہے۔

”صبر على الشيء“ کا معنی ہے کسی چیز پر جم جانا، ڈٹ جانا۔ وہ جو ایک حدیث میں آتا ہے ایک صحابی نے عرض کیا تھا کہ مجھے مختصر سی بات ارشاد فرمائیں جس سے میں چمٹ جاؤں (اور وہ میری نجات کے لئے کافی ہو جائے) تو آپ نے فرمایا :

قُلْ أَمِنْتُ بِاللَّهِ ثُمَّ
اسْتَقِمَّ

کہہ دے میں ایمان لایا اللہ پر پھر اس پر جم جا۔

تو یہی حقیقت میں ”صبر على الشيء“ ہے

حق کی راہ میں کیسی ہی مشکلات اور پریشانیاں کیوں نہ پیش آئیں مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر حال میں جادۂ حق پر جما رہے، نہ پست بہت ہو، نہ دل شکستہ ہو، نہ سودے بازی کرے، نہ مدد ہنت اختیار کرے نہ ایک قدم پیچھے ہٹے، یہی ازل سے اہل حق کا شیوہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ

اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزْمِ (اے محمد!) تو بھی اسی طرح صبر کر جس
مِنَ السُّسْلِ .
طرح پختہ ارادہ والے پیغمبروں نے کیا

میدان جنگ میں کافروں کے مقابلے میں بہادر رہنے سے ڈٹ جانا یہ بھی
صبر ہے۔ سورۃ انفال رکوع ۷۷ آیت ۷۷ اور ۷۸ میں اللہ تعالیٰ
نے کامیابی کی چار شرطیں ذکر کی ہیں : ① اللہ کی یاد ② اللہ اور اس کے
رسول کی اطاعت (جس میں امیر کی اطاعت بھی شامل ہے) ③ آپس میں
اتحاد و اتفاق ④ اور صبر و استقامت۔

”صبر فی الشئ“ کا مفہوم یہ ہے کہ غم ہو یا خوشی، تکلیف ہو یا راحت
سلب ہو یا کہ عطا، محرومی ہو یا کہ عنایت، ہر حالت میں اعتدال پر رہے
کسی صورت میں بھی آپس سے باہر نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ نعمت ملے تو غرور
سے گردن تن جائے اور کسی چیز سے محرومی ہو تو بہت شکستہ اور ایسا بیقرار
ہو جائے کہ نوحہ و ماتم کرنے لگے، سورۃ البقرہ رکوع ۱۹ میں اللہ تعالیٰ
فرماتے ہیں :

وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا
أَسَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا
إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ
اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے
کہ جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے
تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی
کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف
واپس ہونے والے ہیں۔

یہ جو دو صفیں آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہیں صبر اور شکر یہ اگر ہمارے
اندر آجائیں تو ہم کامل مومن بن جائیں۔

بے خوفی

تین تیسویں حدیث ہے :

③۳ وَلَا تَأْمَنُ مِنْ عِقَابِ اللَّهِ بے خوف نہ ہو جا اللہ کے عذاب سے انسان خواہ کتنا ہی نیک اور زاہد و پارسا کیوں نہ ہو اُسے ہر وقت اللہ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جو اس کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔

بعض اوقات ایک انسان بڑا نیک ہوتا ہے مگر اپنی عبادت پر گھٹن اور اپنی پارسائی پر اترانے کی وجہ سے مارا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایسی ویسی بات زبان سے نکل جاتی ہے جو کسی کی دل شکنی کا سبب بن جاتی ہے اور ٹوٹے ہوئے دل کی پکار جب کسی روک ٹوک کے بغیر عرشِ الہی تک پہنچتی ہے تو لمحوں میں اس دل شکن انسان کو سزا دینے کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہئے ہر وقت اس کی گرفت سے ڈرتے رہنا چاہئے صرف گنہگاروں کو نہیں بلکہ نیکو کاروں کو بھی ڈرتے رہنا چاہئے جو جتنا مقرب اور نیک ہو اسے اتنا زیادہ ڈرنا چاہئے کہ

”نزدیکان را بیش بود حیرانی“ (جو نزدیک ہوتے ہیں ان کے لئے زیادہ پریشانی ہوتی ہے) ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

قطع رحمی و صلہ رحمی

چونتیسویں اور پینتیسویں حدیث ہے

③④ وَلَا تَقْطَعُ مِنْ أَقْرَبِيكَ اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی نہ کرو

③⑤ وَصِلْهُمْ ان سے صلہ رحمی کرو

اسلام نے جو اخلاقی تعلیمات دنیا کے سامنے پیش کی ہیں ان میں سے پہلی تعلیم یہ ہے کہ ہر انسان پر دوسرے انسانوں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کے بھی کچھ فرائض اور حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ضروری ہے۔

اسلام کی تمام اخلاقی تعلیمات اور حقوق و فرائض کو اگر ہم صرف ایک لفظ سے ادا کرنا چاہیں تو تورات اور انجیل کی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسروں سے محبت کرنا۔ یہ لفظ محبت تمام اخلاقی تعلیمات کا خلاصہ ہے — حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اخلاق کی تکمیل کے لئے آئے تھے آپ نے صاف یہ کہہ کر نہیں چھوڑ دیا کہ دوسروں سے محبت کرو بلکہ آپ نے ان حقوق کی تفصیل بھی کی ہے جو اس محبت کا تقاضا ہیں اہل قرابت کے بھی کچھ حقوق ہیں جنہیں ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے، قرابت کا حق ادا کرنے کو ”صلہ رحمی“ اور اس حق کے پامال کرنے کو ”قطع رحمی“ کہتے ہیں۔

رحم ماں کے پیٹ کو کہتے ہیں جس میں بچہ پرورش پاتا ہے اور ماں کا رحم ہی قرابت کے تمام تعلقات کی جڑ ہے اور یہ ایسی جڑ ہے جو کسی صورت بھی نہیں کٹ سکتی، حتیٰ کہ وطن اور مذہب کا اختلاف بھی اس جڑ کو کاٹ نہیں سکتا، والدین یا قرابت دار اگر کافر بھی ہوں تو بھی اسلام ان کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ لوگ بڑے

ظالم ہیں جو اس جہڑ کو کاٹتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”رحم، رحمان (اللہ) سے مشتق ہے اس لئے محبت والے اللہ نے رحم کو خطاب کر کے فرمایا کہ ”جس نے تجھے ملایا اس کو میں نے ملایا، جس نے تجھ کو کاٹا اس کو میں نے کاٹا“

ایک دفعہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جو مجھے جنت میں لے جائے فرمایا اللہ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت کا حق ادا کرو۔

جسیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی یعنی قرابت کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اسے چاہئے کہ صلہ رحمی کرے“

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ وصاحت بھی کر دی گئی ہے کہ صلہ رحمی کا کمال یہ نہیں ہے کہ جو تمہارے ساتھ صلہ رحمی کرے تم اس کے جواب میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو بلکہ کمال تو یہ ہے کہ جو قطع رحمی کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ یعنی جو توڑتے ہیں تم ان کے ساتھ جوڑو، جو نفرت کے کانٹے تمہارا راستے میں بچھاتے ہیں تم محبت کے پھول انہیں پیش کرو۔

لعنت

چھتیسویں حدیث ہے :

﴿۳۶﴾ وَلَا تَلْعَنُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِ اللَّهِ اللہ کے مخلوق میں سے کسی پر لعنت نہ کرو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو دو چیزوں کی خاص طور پر حفاظت کی تلقین فرمائی ہے ایک زبان اور دوسری شرمگاہ
 ایک حدیث میں آپ نے فرمایا: لوگو! تم مجھے زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دے دیتا ہوں
 زبان سے سوچ سمجھ کر کوئی بات نکالنی چاہتے، اول نول بکنا، فحش گوئی
 کرنا، گالی گلوچ دینا اور لعن طعن کرنا مسلمان کی شان نہیں ہے۔

مسلمان کو بد زبان نہیں بلکہ خوش کلام ہونا چاہئے۔
 صحیح بخاری میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”مسلم
 نہ طعنہ دیتا ہے، نہ لعنت بھیجتا ہے، نہ بد زبانی اور فحش کلامی کرتا ہے“
 صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جو اللہ اور
 روز جزا پر یقین رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اچھی بات بولے ورنہ چپ رہے“
 جن لوگوں کو لعن طعن کی عادت پڑ جاتی ہے وہ صرف انسانوں ہی
 کو نہیں بلکہ حیوانوں اور بے جان چیزوں کو بھی لعن طعن کرتے رہتے ہیں مثلاً
 ہوا کو گالیاں دیتے ہیں، زمانے پر لعنت بھیجتے ہیں، سواری پر لعنت کرتے
 ہیں اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے زبان اور بے جان چیزوں
 کو بھی گالی دینے سے منع فرمایا ہے۔

ایک حدیث قدسی میں آپ نے فرمایا: اللہ کہتا ہے کہ انسان زمانے
 کو بُرا بھلا کہتا ہے حالانکہ میں خود زمانہ ہوں اور رات دن میرے ہاتھ
 میں ہیں ” یعنی زمانے کو بُرا بھلا کہنا خود خدا کو بُرا بھلا کہنا ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے کہ ایک سفر میں ایک عورت نے اپنی اونٹنی پر لعنت
 بھیجی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی کو الگ کر دیا کہ یہ لعنت کی

ہوئی اونٹنی ہمارے قافلے میں شامل نہیں رہ سکتی۔ یہ اصل میں اس عورت کو سزا تھی تاکہ وہ دوبارہ اس قسم کا کلمہ نہ کہے۔ ویسے دیکھا گیا ہے کہ عورتیں بہت زیادہ لعنت کرتی ہیں اپنی اولاد تک کہ نہیں بچتیں اور ایسی ہی بد دعائیں دیتی ہیں کہ اگر وہ قبول ہو جائیں تو اولاد کا ستیاناس ہو جائے۔ اسی لیے ایک حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم میں عورتوں کے کثرت کے ساتھ جانے کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لعنت بہت کرتی ہیں

ذکر

سینتیسویں حدیث ہے :

③۷ وَأَكْثَرُ دَا مِنْ التَّسْبِيحِ وَالتَّكْبِيرِ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کثرت سے پڑھا کرو۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو۔

جبتنی بھی عبادات ہیں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ان میں سے کسی عبادت کے بارے میں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ انہیں کثرت کے ساتھ کیا کرو لیکن ذکر کے بارے میں کئی مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ اسے کثرت سے کرو۔ مثلاً سورۃ احزاب میں ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا۔ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کرو بہت ذکر اور اس کی پاکی بیان کرو صبح شام۔

سورۃ جمعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ اور ذکر کرو اللہ کا بہت، تاکہ تم فلاح پاؤ

اسلام میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے اور بلاشبہ نماز اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے لیکن ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس پر اکتفاء کر کے بیٹھ جائیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی اللہ کا ذکر کرتے رہو سورۃ نسا میں ہے :

فَاِذَا قُضِيَتْ السَّلٰوَةُ ۙ اَوْ رَجَبْتُمْ نَمَازَ پڑھ چکو تو اللہ کا ذکر
فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۙ كِرًا وَّكُهْرًا ۙ اَوْ رِيْطًا

سورۃ انفال کی آیت ۱۵۷ میں مجاہدین کو حکم دیا گیا ہے کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو تو اس وقت بھی اللہ کا ذکر کثرت سے کرو۔

ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے، ذکر سے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت بیٹھتی ہے، ذکر کی کثرت سے گناہوں سے بچنے کی توفیق ملتی ہے، ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی سی ہے کہ ذکر کرنے والا زندہ اور نہ کرنے والا مردہ ہے۔

ایک حدیث قدسی میں ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ » اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بندہ جب مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹوں کو حرکت ہوتی ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ «

یوں تو نماز بھی ذکر ہے، تلاوت بھی ذکر ہے، مختلف مسنون دعائیں بھی ذکر ہیں لیکن ان کے علاوہ بھی صبح و شام ذکر کا اہتمام ضرور کرنا چاہئے۔

بالخصوص یہ جو کلمات ہیں یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وغیرہ تو یہ کثرت سے پڑھنے چاہئیں۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: » سب باتوں میں افضل بات اور سب کلموں میں افضل کلمے چار ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ - وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ - وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ - وَاللّٰهُ اَكْبَرُ .

جمعہ اور عیدین

اڑتیسویں حدیث سے :

③۸ وَلَا تَدْعُ حُضُورَ الْجُمُعَةِ ۖ وَالتَّعِيدِينَ ۖ
اور جمعہ اور عیدین کی حاضری کبھی نہ
چھوڑو

مطلقاً نماز کی تاکید تو اس چہل حدیث کے شروع میں آچکی ہے اس
اڑتیسویں حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ اور عیدین کی جماعت
میں حاضری کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔

جمعہ کا دن سید الايام ہے جس کی بہت زیادہ فضیلت احادیث میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے وہ جمعہ کا دن
ہے اس میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کو جنت میں داخل
کیا گیا اور اسی دن ان کو جنت سے نکالا گیا اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔
جمعہ فرض عین ہے، جس کی نمازِ ظہر سے بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے۔
اس کا منکر کافر ہے، جمعہ کے اجتماع سے امت کی تنظیم ہوتی ہے اور مسلمانوں
کی شان و شوکت کا اظہار ہوتا ہے۔

جمعہ کے دن ایک ایسی مبارک گھڑی ہوتی ہے جس میں مسلمان بندہ،
اللہ سے جو مانگتا ہے وہ اسے عطا کیا جاتا ہے،

جمعہ کے دن سورہ کہف کی تلاوت اور کثرت سے درود شریف پڑھنا
چاہئے۔ جمعہ کے دن جلد از جلد آنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جو شخص جتنا

جلدی آتا ہے اتنا زیادہ اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے، ملائکہ مسجد کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں جو پہلے آتے ہیں ان کے نام لکھتے ہیں، سب سے پہلے آنے والے کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی جیسا کہ اونٹ کی قربانی دینے والا، دوسرا جیسا کہ گائے کی قربانی دینے والا، پھر تیسرا جیسا کہ مینڈھا صدقہ کرنے والا پھر چوتھا جیسا کہ مرغ کو صدقہ کرنے والا ہوتا ہے اور پھر جیسا کہ انڈا صدقہ کرنے والا۔ جب امام خطبہ کے لئے نکلتا ہے تو فرشتے بھی اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور ذکر سنتے ہیں۔

افسوس کہ آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر جمعہ کے دن کرکٹ میچ ہو رہا ہو یا کوئی فلم لگی ہو تو ہم جمعہ چھوڑ کر میچ اور فلم دیکھنے میں لگ جاتے ہیں جہاں تک عیدین کا تعلق ہے تو ان کے اجتماع میں بھی وہ حکمت پائی جاتی ہے جو جمعہ کے اجتماع میں ہے۔

عید کی نماز امام ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے، عید کی نماز میں پورے اہتمام کے ساتھ شریک ہونا چاہئے۔

عطا اور محرومی

انتالیسویں حدیث ہے :

③۹ وَاعْلَمَ أَنَّ مَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَمَا أَخْطَاكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ .
اس بات کا یقین رکھو کہ جو تمہیں مل گیا ہے اس سے تم محروم نہیں رہ سکتے تھے اور جس سے تم محروم ہو وہ تمہیں مل نہیں سکتا۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کو ایسا شجاع اور بہادر بنا دیتا ہے کہ وہ بلا خوف و خطر تیروں اور گولیوں کی بارش میں جاگھستا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جو ہزار پریشانیوں کے باوجود مسلمان کو دل شکستہ نہیں ہوتے دیتا۔ لیکن اس عقیدہ کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ ہم حصول مقصد کے لئے محنت اور کوشش چھوڑ دیں، کوشش اور عمل کرنا انسان کا کام ہے اور اس کے مطابق اُس کا بدلہ دینا اللہ کا کام ہے، عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہے لیکن نتیجہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر عمل کرنا انسان کے اختیار میں نہ ہوتا تو اسے اس کا حکم ہرگز نہ دیا جاتا جیسا کہ سورہ نجم رکوع ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُعْرَىٰ

اور انسان کے لئے نہیں لیکن وہی جس کی اس نے کوشش کی اور بے شک اس کی کوشش (اللہ کے حضور) دیکھی جائیگی۔

تلاوتِ قرآن

چالیسویں اور آخری حدیث :

④ وَلَا تَدْعُ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ

کسی حالت میں بھی قرآن کی تلاوت نہ چھوڑو

قرآن ربِّ کائنات کی وہ عظیم ترین کتاب ہے جس کا پڑھنا بھی ثواب، اس کا سمجھنا بھی ثواب، اس پر عمل کرنا بھی ثواب، اُسے محبت کی نظر سے دیکھنا بھی ثواب اور اسے ادبِ احترام سے چھونا بھی ثواب۔

مبارک اور قابلِ رشک ہیں وہ لوگ جو دن رات اس کتاب کی تلاوت،

تدریس، تفہیم اور تبلیغ میں مصروف رہتے ہیں۔

بعض حضرات یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ نری تلاوت سے کچھ فائدہ نہیں لیکن ان کا یہ پروپیگنڈا عام لوگوں کو قرآن سے کاٹ دینے کی سازش ہے میں خود ان لوگوں میں سے ہوں جو فہم قرآن کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اور جن کا یہ خیال ہے کہ اس وقت امت کی پستی، ذلت، نکبت، مغلوبیت اور فرقہ واریت کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ اس نے قرآن سے اپنا تعلق توڑ لیا ہے اور اس میں غور و تدبیر کرنا چھوڑ دیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ دعویٰ تسلیم کرنا ناممکن ہے کہ خالی تلاوت کرنا کارِ فضول ہے۔

کتاب اللہ کی تلاوت تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں سے ایک مقصد ہے، یہ تلاوت ہی ہے جو فہم قرآن کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ وہ لوگ جو دنیا اور آخرت کی بھلائیاں چاہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ ہر امت بار سے کتاب اللہ سے اپنا تعلق مضبوط رکھیں، اس سے محبت رکھیں، اس کا ادب و احترام کریں،

بڑا عجیب واقعہ مجھے استاذ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقہ کا یاد آ رہا ہے جو کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے سنایا، فرمایا کہ حضرت قاری صاحب کو قرآن ایسا پختہ یاد تھا کہ پورا قرآن پڑھ جائیں تو کوئی غلطی نہ آئے اور یوں وہ سال میں کئی ختم قرآن کیا کرتے تھے، مگر ایک ختم یوں کرتے تھے کہ قرآن کھول کر بیٹھتے ہر سطر اور ہر لفظ پر انگلی رکھتے اور دیکھ کر پڑھتے اور فرماتے کہ ایسا اس لئے کرتا ہوں کہ مجھے قرآن کو دیکھنے کا بھی ثواب ملے، چھونے کا بھی ثواب ملے اور پڑھنے کا بھی ثواب ملے۔

میں بھی ناقص سا حافظ ہوں یہ واقعہ سننے کے بعد میں نے چاہا کہ میں بھی ایسے ہی تلاوت کروں مگر یقین جانیں کہ میں ایسا نہ کر سکا۔ کبھی انگلی زبان سے پیچھے رہ جاتی تھی اور کبھی آگے نکل جاتی تھی تب مجھے یقین آ گیا کہ یہ لوگ ثواب کے بڑے حریص تھے وہ کام جو ہمارے لئے بڑا مشکل ان کے لئے بہت آسان! کیوں؟ اس لئے کہ یہ لوگ ثواب کے بڑے حریص تھے ہم دنیا کے حریص ہیں، وہ آخرت کے حریص تھے بلکہ ہم دنیا کے اتنے حریص نہیں ہوں گے جتنے وہ ثواب، اللہ کی رضا، جنت اور آخرت کے حریص تھے، یہی آخرت کی حرص تھی جو ان کے لئے مشقت والے کام بھی آسان کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہی حرص عطا فرمائے

تو میرے بزرگو! یہ چالیس احادیث ہیں جو میں نے ترتیب کے ساتھ آپ کے سامنے بیان کر دی ہیں۔ یہ چالیس احادیث خود بھی یاد کیجئے اور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی یاد کرا دیجئے اور ممکن ہو تو روزانہ ایک بار مفہوم سمجھ کر انہیں دہرایا کیجئے تاکہ سبق یاد رہے اور عمل کرنا آسان ہو جائے۔ یہ بھی کوشش کیجئے کہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچیں، زیادہ سے زیادہ لوگوں کو یاد ہوں اگر آپ کا اسکول یا مدرسہ ہے تو اپنے ہر طالب علم کو یاد کرا دیجئے، اگر فیکٹری یا کارخانہ ہو تو وہاں کام کرنے والے ہر مزدور کو پڑھنے کے لئے دیجئے ورنہ عام حلقہ احباب میں انہیں تقسیم کیجئے۔

اس چہل حدیث کے آخر میں آتا ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جو شخص اسے یاد کرے اسے کیا ملے گا؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کا حشر، انبیاء اور علماء کے ساتھ
فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارا حشر بھی ان محترم حضرات
کے ساتھ ہو، آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ
وَمَا كُنَّا اللَّهُ تَعَالَى عَلَى صَفْوَةِ الْبَرِيَّةِ مُحَمَّدٍ
وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ

